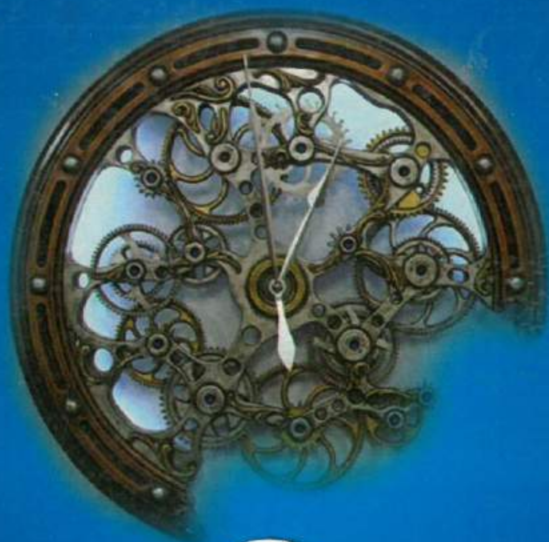


وقت؟

خواجہ شمس الدین عظیمی

وقت؟

خواجہ شمس الدین عظیمی

گُم ہوگیا بس اس کے سوا کیا معلوم
کس سمت سے وہ نکل گیا کیا معلوم
ممکن نہیں اس تک ہو رسائی اپنی
جو وقت گیا کہاں گیا کیا معلوم

(حضور قلندر بابا اولیاءؒ)

نام کتاب	وقت
ماخوذ	بشکریہ ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی
تصنیف	خواجہ شمس الدین عظیمی
تعداد اشاعت	1000
سن اشاعت	2011ء
پبلشر	انصاری بک سینٹر
پرنٹرز	عاشر پرنٹرز

انصاری بک سینٹر

نزد مرکزی مراقبہ ہال، سرجانی ٹاؤن کراچی۔

فون نمبر: 021-34289548، 0345-3129964

ای-میل: ansaribooks@gmail.com

انتساب

اللہ تعالیٰ

کی اس صدا

کے نام……

جس سے ''کائنات'' وجود میں

آگئی!!

پیش لفظ

حضرت عزیر علیہ السلام ایک مرتبہ کسی ویران بستی سے گزر رہے تھے۔ بستی کی تباہ حالی اور بربادی دیکھ کر آپ کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اس تباہ حال بستی کو کس طرح دوبارہ آباد کریں گے۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے گدھے کو ایک درخت سے باندھا، کھانا سرہانے رکھا اور درخت کے سائے میں سو گئے۔ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک سوتے رہے۔ حکم ربی سے آپ دوبارہ زندہ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا:

''اے عزیر! کتنی دیر تک سوتے رہے؟''

حضرت عزیر علیہ السلام نے عرض کیا:

''ایک دن یا اس سے کچھ کم''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''نہیں تم سو سال تک مردہ پڑے رہے ہو اور اپنے گدھے اور کھانے کو دیکھو' کھانا ویسا ہی تازہ تھا جیسے رکھا تھا لیکن گدھا مر چکا تھا۔ اس کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے سامنے گدھے کو دوبارہ زندہ کر دیا''

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا!

''میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے پہنچنے سے پہلے اس کا تختِ شاہی دربار میں آجائے۔''

(سورۃ النمل۔ آیت ۳۸)

عفریت نے کہا جو قومِ جنات میں سے تھا:

''اس سے پہلے کہ آپ دربار برخاست کریں میں یہ تخت لا سکتا ہوں۔''

(سورۃ النمل۔ آیت ۳۹)

جن کا دعویٰ سُن کر ایک انسان نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا:

''اس سے پہلے کہ آپؑ کی پلک جھپکے تخت دربار میں موجود ہوگا''

(سورۃ النمل۔ آیت ۴۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو ملکہ سبا کا تخت دربار میں موجود تھا۔ حالانکہ یمن سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً پندرہ سو میل ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات میں وقت (TIME & SPACE) کے فارمولے بیان کیے ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ

لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ ط

ترجمہ: وقت میں میرا اور اللہ کا ساتھ ہے

غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہماری دنیا ٹوٹنے بکھرنے کے لئے ہے۔ ہر آدمی ٹوٹ رہا ہے بکھر رہا ہے اور اس کا وجود مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو رہا ہے۔ مگر اسے کچھ پتہ نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ بچپن بکھرا جوانی آئی، جوانی بکھری بڑھاپا آیا۔ بڑھاپا بکھرا آدمی نابود ہو گیا۔

''جو جا کر نہ آئی وہ جوانی دیکھی جو آ کے نہ گیا وہ بڑھاپا دیکھا'' کہ مصداق آدمی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ ہم جب زندگی کے آثار و احوال کا محاسبہ کرتے ہیں تو ہمارے اوپر یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ زندگی دراصل وقت ہے ہم پوری زندگی وقت میں ہی تو گزارتے ہیں۔ بڑے بوڑھوں کا ارشاد ہے کہ ''وقت کی قدر کرو، گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا'' جو وقت ہم کار آمد گزارتے ہیں وہ ہماری زندگی کا حاصل ہے اور جو وقت ہم ضائع کر رہے ہیں وہ ہماری زندگی میں لاحاصل عمل ہے۔

وقت کے بارے میں انسان کو علم ہو جائے تو اس کے اوپر علم کے ایسے دروازے کھل جاتے ہیں جن میں سے وہ کسی ایک دروازے میں داخل ہو کر یہ معلوم کر لیتا ہے کہ انسان آتا کہاں سے ہے اور کہاں چلا جاتا ہے۔

کیوں آتا ہے اور نہ چاہنے کے باوجود چلا کیوں جاتا ہے۔ وقت کا علم رکھنے والا اپنی تخلیق کے راز سے واقف ہو جاتا ہے۔ جب کوئی بندہ تخلیقی راز سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ اپنا عرفان حاصل کر لیتا ہے عرفان ہی انسان کو خالق کائنات سے قریب کرتا ہے۔

''وقت'' کے عنوان سے شائع ہونے والی یہ کتاب اُن مضامین پر مشتمل ہے جو ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ میں ''صدائے جرس'' کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں جنہیں آپ تک پہنچنے میں تقریباً 4 سال کا وقت لگا۔ مضامین کو جزوی تبدیلی کے ساتھ کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

کتاب کا ہر مضمون پڑھ کر قارئین کو (انشاء اللہ) ایسا محسوس ہوگا جیسے وہ ان کے INNER کی عکاسی ہے۔ اس کتاب کی ہر تحریر دراصل ایک پکار ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ''وقت'' کا ہر لفظ آپ کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دے۔

آمین یارب العالمین

دعا گو

خواجہ شمس الدین عظیمی

فہرست

مشفق استاد

السلام علیکم!......

آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں......

آپ کے من مندر میں قندیل روشن ہو......اور قندیل میں چراغ کی روشنی سے آپ کے اندر کا ماحول منور ہو......اور اس نور سے سمٰوٰت اور اَرض کا غیب آپ کے اوپر منکشف ہو......

عزیز قارئین!

میں ایک دستاویز ہوں......ایسی دستاویز جس میں شعور اور لاشعور کے اسرار و رموز اور غیب و شہود کی ایک نہیں، ہزار داستانیں ہیں...... ہر داستان ظاہر و باطن کے تانے بانے سے بُنی ہوئی زندگی ہے......وہ زندگی!......جو قائم بھی ہے اور فنا بھی...... یہ زندگی عدم سے شروع ہوئی ہے اور ہر آن پردہ کے پیچھے چھپ رہی ہے اور غائب ہو رہی ہے......

زندگی کیا ہے؟ لمحات کی یکجائی ہے!......اربوں کھربوں لمحے ایک جسم میں جمع ہو جاتے ہیں......اور حرکت میں منتقل ہو کر نادیدہ کتاب میں ریکارڈ ہو جاتے ہیں...... یہ لمحات کبھی عمدہ، نفیس اور اعلیٰ کینوس پر نقش بن جاتے ہیں اور کبھی بھدّی عیب دار اسکرین پر داغ دھبوں اور بھونڈے زاویوں کے ساتھ ایسے نقوش بن جاتے ہیں جس کو دیکھ کر خود اپنا چہرہ بھیانک نظر آتا ہے اور بیزاری مسلط ہو جاتی ہے......

جب یہ نقش و نگار روشن، شفاف، چکنے اور چمکدار رنگوں سے مزین کینوس پر نظر آتے ہیں تو ہمارے اوپر ایک شان ظاہر ہوتی ہے......جس میں ہر اچھا منظر ہمارے دل کو لبھاتا ہے اور ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے...... یہ زمین ہمیں جنتِ ارضی نظر آتی ہے......اور جنت سے متعلق جو علم ہمیں اپنے اسلاف سے ملا ہے، وہ سب ہمارے لئے مشاہدہ اور مظاہرہ بن جاتا ہے......اس کے برعکس جب ہم داغ دھبے والے نقوش کو دیکھتے ہیں، ہمارے اندر وہ علم متحرک ہو جاتا ہے جو دوزخ کے بارے میں اطلاعات پر مبنی ہے......

میرے ساتھیو!......میں آپ کا ایک ایسا دوست ہوں جو چاہتا ہے کہ آپ کی زندگی میں

مسرت وشادمانی کے علاوہ کچھ نہ ہو......آپ خوش رہیں......آپ خوش رہیں گےتو آپ کا ماحول بھی ترنگ میں آئے گا......ایک آدمی کو ہنستا ہوا دیکھ کر دس آدمی بغیر کسی وجہ کے ہنسنے لگتے ہیں اور اسی طرح روتے بسورتے آدمی کو دیکھ کر دس آدمی اداس ہوجاتے ہیں......حالانکہ دونوں گروپس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیوں ہنسے......اور یہ بھی ان کے علم میں نہیں ہوتا کہ وہ کیوں روئے......محض ایک آدمی کے رونے سے دس آدمی رو پڑتے ہیں اور ایک آدمی کے ہنسنے سے دس آدمی ہنسنے لگتے ہیں......اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت بڑے تالاب میں اگر ایک مچھلی سڑ جائے تو سارا تالاب بدبو بن جاتا ہے......حالانکہ تالاب میں اس سڑی ہوئی مچھلی کے ساتھ ہزاروں مچھلیاں اور بھی ہیں......مثل مشہور ہے کہ پکتی ہوئی دیگ میں سے ہزاروں لاکھوں چاولوں میں ایک چاول دیکھ کر یہ بتادیا جاتا ہے کہ چاول پک گئے ہیں یا کچے ہیں......

میرے دوستو!

میں 33 سال سے آپ کی خدمت میں ہر ماہ حاضر ہوتا ہوں......سب سے پہلے آپ حضرات میرے لباس یا کپڑوں پر اظہار خیال کرتے ہیں......کوئی تبصرہ کرتا ہے اور کوئی تنقید کرتا ہے......میں اب تک تین سوستانوے (397) روپ بدل کر آپ کے پاس آچکا ہوں......اور آپ کی دعاؤں کے طفیل مجھے لگتا ہے کہ میری عمر آئندہ کئی نسلوں تک مجھے آپ کی خدمت کا موقع فراہم کرے گی......

جب میں آپ کی نظروں کے سامنے ہوتا ہوں تو سب سے پہلے آپ مجھے دلہن کے روپ میں دیکھتے ہیں......اور جو تبصرہ دلہن کیلئے لوگ کرتے ہیں، آپ کی نوازشات بھی میرے اوپر ایسی ہی ہوتی ہیں......پھر آپ دلہن کے مزاج اور دلہن کی صلاحیتوں کو بیان کرتے ہیں......

دلہن اچھی ہے!......دلہن سگھڑ ہے......دلہن اچھی بات کرتی ہے......اچھی بات نہیں کرتی......خاندان کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟......

میرے ہمسفر مسافرو!......

آپ سب بھی میرا خاندان ہیں......میں آپ کا دوست......آپ کا ہمدرد......آپ کا بزرگ ہوں......جس طرح ساری دنیا کے بزرگ اپنی نسل کی حفاظت کرتے ہیں......ان کے اخلاق کو سنوارتے ہیں......شک اور وسوسوں کی جگہ ان کے اندر یقین پیدا کرتے ہیں......غیظ و غضب کی جگہ ان کو محبت و الفت سے مانوس کرتے ہیں......بڑوں کا احترام سکھاتے ہیں اور

چھوٹوں پر شفقت کا ہاتھ رکھتے ہیں......ان سب باتوں کا ایک ہی منشاء ہے......وہ یہ ہے کہ موجودہ نسل اور آئندہ آنیوالی نسل بامروت، باحمیت، باعزت اور نیک خُو ہو......عادل ہو......رحمدل ہو......اور حق تلفی اس کا شعار نہ ہو......

☆☆☆

میرے بزرگو!......میرے بچو!......اور میرے ہمدم وہمنوا......

میں بھی چاہتا ہوں کہ موجودہ اور آئندہ نسل چوپایوں سے، پرندوں سے، حشرات الارض سے ممتاز ہو......

تین سوستانوے منزلیں......میری عمر ہے!......اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے آپ کو تین سوتیں زاویوں سے......تین سوستانوے طریقوں سے......اور تین سوستانوے مثالوں سے یہ باور کرایا ہے کہ انسان حیوانات سے اس لئے ممتاز ہے کہ اس کے اندر قدرت نے ایسا Chip ڈال دیا ہے جس Chip میں زمین وآسمان کے سارے عجائبات وڈیو فلم بنے ہوئے ہیں......

زمین کے اوپر انسانی شماریات سے زیادہ درخت......اَشجار......جھاڑیاں......بیل بوٹے......جڑی بوٹیاں......اور سمندر کے اندر لاشمار مخلوقات کی حیات وممات......بچپن و بلوغت......نسل کشی......کی پوری فلم محفوظ ہے......

حیوانات سے ممتاز انسان یہ بات بہت آسانی سے جان لیتا ہے کہ کسی بڑے درخت میں تیس فٹ اونچائی پر اس درخت کو پانی کس طرح سیراب کررہا ہے......درخت کے اندر کتنی رگیں ہیں......کتنی شریانیں ہیں......ایک فٹ درخت کے تنے میں کتنا پانی ہے؟......کتنی سختی ہے......کتنی نرمی ہے اور کتنی مضبوطی ہے......اسی طرح حیوانات سے ممتاز انسان ان بات کا بھی ادراک حاصل کرلیتا ہے کہ زمین کے ایک رقبے پر چار درخت لگے ہوئے ہیں......ایک درخت امرود کا ہے......دوسرا انار کا ہے......تیسرا آم کا ہے......چوتھا سنگترے کا ہے......زمین کا رقبہ ایک ہے......پانی بھی سب کو یکساں ملتا ہے......دھوپ بھی سب کیلئے برابر ہے......رات کی تاریکی بھی سب کے حصے میں یکساں ہے (روحانی لوگ ''تاریکی'' کو بھی روشنی کہتے ہیں)......لیکن ہر درخت پر جب پھل آتا ہے تو اس کا رنگ، روپ، ذائقہ، خوبصورتی، بدصورتی، سب الگ الگ ہوتا ہے......

☆☆☆

میرے بچو!......آپ مانیں نہ مانیں......آپ اس بات کو دل سے تسلیم کریں یا نہ کریں......

آپ کی عقل اس بات کی وضاحت چاہے نہ چاہے...... یہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ میں آپ کا استاد ہوں!...... میں نے آپ کو بہت کچھ سکھایا ہے اور آئندہ بھی کچھ سکھانے کا میرے اندر عزم ہے......حوصلہ ہے......ولولہ ہے......اور آپ کیلئے بہترین جذبات واحساسات ہیں......

آیئے......اب کلاس لیتے ہیں!......

آپ مذکورہ درختوں کے چار پتے توڑ لیں ...... ان چار پتوں کو سفید چکنے کاغذ پر یا سفید کپڑے پر اس طرح رکھیں کہ پتوں کی ڈنڈیاں اور پتوں کی نوک برابر ہو......اگر پتے اُٹھے ہوئے ہیں تو اُن کو آل پن لگا کر برابر برابر کر لیں...... پہلے ایک پتے کو مثلاً امرود کے پتے کو غور سے دیکھیں ......اور اس پتے کے اندر جو رگیں ہیں......ان کو شمار کریں...... جب آپ پتے کو غور سے دیکھیں گے تو سب سے پہلے آپ کی نظر پتے کی ڈنڈی پر پڑے گی، آپ دیکھیں گے کہ یہ ڈنڈی نیچے سے اوپر نوک کی طرف جا رہی ہے......اور اسی موٹی ڈنڈی یا موٹی رگ سے اور چھوٹی چھوٹی رگیں نکل رہی ہیں......ان رگوں کو شمار کر کے کاغذ پر اس کا نقش اتار لیں یعنی ہو بہو پتے کا عکس کاغذ پر منتقل کر لیں......اب دوسرے پتے کو غور سے دیکھیں جو انار کا پتا ہے......اسی طرح تیسرے پتے کو دیکھیں جو آم کا پتا ہے اور چوتھے پتے پر نظر جمائیں جو سنگترے کا ہے......

اس ساری کاروائی کے بعد آپ کے پاس چار پتوں کے نقوش ہیں......نقوش سے مراد یہ ہے کہ آپ کے پاس چار پتوں کی ہسٹری ہے...... ہسٹری سے مراد ہے کہ آپ کو اس پتے میں درخت کی ساری روئیداد لکھی ہوئی نظر آئے گی...... جتنا غور کریں گے اتنے ہی یہ پتے آپ کو Attract کریں گے، یہ بھی ہوسکتا ہے پتے آپ سے گفتگو کرنا شروع کر دیں......

جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ حیوانات سے ممتاز انسان کو ایسی نظر مل جاتی ہے جو نظر زمین کے اندر اتر جاتی ہے اور زمین کے اندر اللہ تعالیٰ کے اس Network کو دیکھ لیتی ہے جو Network ایک ہی جگہ چار درختوں کو اُگا رہا ہے اور چار مختلف پودوں کے پھولوں کو الگ الگ رنگ میں ظاہر کر رہا ہے۔ اور ہر درخت کا پھل ایک دوسرے سے رنگ، ذائقہ اور خوشبو میں الگ ہے......

اس سبق کو پڑھنے کے بعد اور اس عمل کی مشق کرنے کے بعد آپ میرے شاگرد بن گئے ہیں......

ہر استاد اپنے شاگردوں پر مہربان ہوتا ہے...... ہر استاد کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے

شاگردوں کو ایسے مقام پر دیکھنا چاہتا ہے، جو مقام استاد کو حاصل نہیں ہے...... پرائمری کلاس کا استاد یہ چاہتا ہے کہ اس کا شاگرد اسکول کا ہیڈ ماسٹر بنے......کالج کا پرنسپل بنے......یونیورسٹی میں وائس چانسلر کے مقام تک پہنچے......حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہو......

دوسرے تمام اساتذہ کی طرح میں بھی یہی چاہتا ہوں!......

جب میں دیکھتا ہوں کہ میرے شاگرد میری تعلیمات کو پڑھتے ہیں، غور کرتے ہیں، ڈسکشن کرتے اور مجھے خطوط لکھتے ہیں تو میرا دل خوشی سے معمور ہو جاتا ہے......

میرے دل میں یہ تقاضہ ابھرتا ہے کہ میرے شاگرد دینی اور دُنیوی اعتبار سے یکتائے روزگار ہوں...... ماہر علم وفنون ہوں......اب میں اپنے بزرگوں......اپنے خوردوں......اپنے بیٹوں......اپنی بیٹیوں اور اپنے ہم سفر ساتھیوں سے چند دل کی باتیں کرتا ہوں......آپ کو پتہ ہے کہ دل کی باتوں کا مفہوم یہ ہے کہ دو دوست یا زیادہ دوست ایک دوسرے کے ہمراز بن جائیں......

الحمدللہ!...... مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت علم دیا ہے...... اللہ تعالیٰ نے مجھے انبیاءؑ کی وراثت کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے......اللہ تعالیٰ نے مجھے اولیاء اللہ کا نقیب بنایا ہے......اور مجھے اس بات کا علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ......

''ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم سیکھنا فرض ہے''......

(مشکوٰۃ شریف، جلد اول۔حدیث نمبر 212)

☆☆☆

ہاں تو میں بات کر رہا تھا راز و نیاز کی...... بات ذرا مشکل ہے!......لیکن اتنی مشکل بھی نہیں ہے کہ سمجھ میں نہ آئے......البتہ غور وفکر کرنے کی ضرورت پیش آئے گی......

ہمیں بہت سارے علم حاصل ہیں...... مثلاً ہم جانتے ہیں کہ کان سنتے ہیں......ہم جانتے ہیں کہ آنکھ دیکھتی ہے......ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ دماغ سوچتا ہے......اور یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ہاتھ ہلتے ہیں، پیر چلتے ہیں......

آپ کو معلوم ہے؟...... کہ جب آنکھ دیکھتی ہے تو باہر نظر آنے والی چیزوں کا عکس اندر پڑتا ہے...... جہاں عکس پڑتا ہے وہاں گھپ اندھیرا ہے......اتنی تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا

......لیکن جب انسان دیکھتا ہے تو وہ چیز اسے روشن نظر آتی ہے......

کان سنتے ہیں......لیکن آدمی اگر دماغی طور پر ماؤف ہو تو وہ کچھ نہیں سنتا یا کسی ایک نقطے پر اس کا ذہن مرکوز ہو جائے تو بھی آس پاس کی آوازیں اسے سنائی نہیں دیتیں......اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کان موجود ہے......آواز کانوں کے اندر اتر رہی ہے لیکن کان سن نہیں رہے......

ہاتھ ہل رہے ہیں، پیر چل رہے ہیں......لیکن اگر خدانخواستہ فالج ہو جائے......(اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے)......ہاتھ موجود ہے......ٹانگ بھی ٹھیک ہے......لیکن نہ ہاتھ میں حرکت ہے، نہ ٹانگوں میں حرکت ہے...... یہ بات کیا ہوئی؟...... جب ہاتھ موجود ہے تو حرکت کیوں نہیں؟......جب ٹانگیں موجود ہیں تو چلت پھرت کیوں مفقود ہوگئی؟......

اس کا سیدھا سا جواب یہ ہوگا کہ ہاتھ اور پیر کے ساتھ دماغ کا جو ربط تھا، وہ ٹوٹ گیا!......

ایک آدمی بیدار ہے......ہوش و حواس درست ہیں...... جذبات و احساسات کی دنیا میں وہ سارے کام کررہا ہے......لیکن وہ سو جاتا ہے......سونے کی حالت میں نہ وہ چلتا ہے، نہ پھرتا ہے......نہ وہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے......نہ وہ خوش ہوتا ہے، نہ وہ غمگین ہوتا ہے...... بڑی حیرت کی بات ہے کہ جسمانی طور پر تو وہ چل پھر نہیں رہا......کھاتا پیتا بھی نہیں ہے......لیکن!......اس کے اندر کا ایک اور انسان اسکے مادی جسم سے باہر نکلتا ہے...... یہ جسم کھاتا بھی ہے...... پیتا بھی ہے......خوفزدہ بھی ہوتا ہے......اور خلا میں اڑتا بھی ہے......

یہ کونسا انسان ہے؟......

اب دیکھئے نا...... جب آدمی سوتا ہے تو اس کے جسم میں زندگی ہے...... دل پمپ کررہا ہے......خون دوڑ رہا ہے......حرارت جسم کو توانائی دے رہی ہے......

لیکن انسان بے حرکت ہے!......

یہ وہ سوالات ہیں جو آپ کے اسکول ماسٹر نے آپ کے اندر موجود Black Board پر لکھے ہیں......آپ ان کا جواب تلاش کریں......اور آپ کو جو معلومات حاصل ہوں، وہ مجھے لکھیں......

آپ سوچ رہے ہوں گے یہ کیسا ہمدم، رفیق اور استاد ہے کہ اس نے بتایا ہی نہیں کہ میں کون ہوں!...... چلئے...... میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں...... میرا نام روحانی ڈائجسٹ ہے...... جو آپ کی خدمت میں مصروف اور ہمہ وقت مستعد ہے......اور آپ کو یاد دلاتا چلوں کہ میں تین

سو ستانوے (397) مہینے سے آپ کے دروازے پر دستک دے رہا ہوں......

آپ کا ہمدرد......دوست......اور آپ کا مشفق استاد......



ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ

☆☆☆

ایک استاد تھا اور ایک شاگرد......

شاگرد کی آنکھ میں نقص تھا......کبھی آنکھ ٹھیک دیکھتی تھی اور کبھی اسے دو نظر آتے تھے......

استاد نے شاگرد سے کہا......میرے گھر جاؤ، وہاں کمرے میں ایک طاق ہے......طاق میں ایک آئینہ رکھا ہوا ہے......اسے میرے پاس لے آؤ......

شاگرد استاد کے گھر پہنچا......اس نے دیکھا کہ طاق میں دو آئینے رکھے ہوئے ہیں......وہ اس مخمصے میں پڑ گیا کہ کون سا آئینہ اُٹھاؤں؟...... جب وہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تو استاد کی خدمت میں حاضر ہوا......اور کہا......سر! طاق میں دو آئینے رکھے ہوئے ہیں......میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کون سا آئینہ لے کر آؤں؟......

استاد نے حیرت زدہ ہو کر کہا......ارے بھئی!......نہیں...... وہاں ایک ہی آئینہ رکھا ہوا ہے......

شاگرد نے قسم کھا کر کہا......نہیں سر! وہاں دو آئینے ہیں......

استاد نے اس کو ڈانٹا، سرزنش کی...... بری بات ہے! اچھے اور شریف لوگ قسمیں نہیں کھاتے۔

شاگرد بولا......سر! میں توبہ کرتا ہوں......آئندہ قسم نہیں کھاؤں گا......لیکن! طاق میں دو ہی آئینے رکھے ہوئے ہیں۔

استاد نے شاگرد سے کہا......چلو ٹھیک ہے......دو ہی ہوں گے......اب تم ایسا کرو کہ گھر جا کر طاق میں رکھے ہوئے ایک آئینے کو توڑ دو......اور دوسرا آئینہ لے آؤ......

شاگرد استاد کے گھر پہنچا اور طاق میں سے آئینہ اُٹھا کر فرش پر دے مارا......آئینہ چکنا چور ہوگیا......

اب جو اس نے اپنے خیال میں دوسرا آئینہ اُٹھانے کے لیے طاق میں دیکھا تو وہاں آئینہ نہیں تھا......

اس کہانی میں یہ اشارہ ہے کہ آدمی کا اگر زاویۂ نظر صحیح نہ ہو تو اس کے اندر اچھائی اور برائی تمیز

کرنے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے...... اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دیکھنے، جانچنے، پرکھنے اور استعمال کرنے کی دو دو صلاحیتیں عطا کی ہیں......

زاویۂ نظر میں اگر پیغمبرانہ طرزِ فکر ہے تو آدمی صراطِ مستقیم پر قائم رہتا ہے اور اگر اس کے اندر شیطانی طرزِ فکر ہے تو وہ وسوسوں میں گھرا رہتا ہے......

انسان جس قدر شک اور وسوسوں میں گرفتار رہتا ہے...... اتنا ہی صراط مستقیم سے دور ہوتا رہتا ہے......

حاکم اعلیٰ

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی درخواست یوں پیش کی کہ...... حضرت! مجھے حیوانات کی گفتگو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرما دیجیے...... میں برسوں سے اس کی تلاش میں ہوں...... آپؑ کے بارے میں معلوم ہوا تو میرے دل نے کہا کہ آپؑ میری مراد پوری کر سکتے ہیں!......

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا...... تمہارا یہ شوق درست نہیں...... اس چکر میں نہ پڑو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے......

وہ شخص مسلسل اصرار کرتا رہا اور بضد ہو گیا...... کہنے لگا...... اس میں آپؑ کا کیا نقصان ہے...... آپؑ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم اور اختیارات عطا کیے ہیں...... آپؑ میری عرض قبول فرمائیں گے تو آپؑ کے ان خزانوں میں کیا کمی آ جائے گی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھے ہیں!......

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ضد کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مرضی معلوم کی اور عرض کیا...... مولا! تیرا بندہ اپنی بات پر اڑا ہوا ہے، تو اس معاملہ میں کیا چاہتا ہے؟......

حکم الٰہی ہوا...... جب یہ شخص تمہارے سمجھانے پر بھی باز نہیں آتا تو اسے حیوانات کی زبان سمجھنے کا علم سکھا دو......

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور وہ شخص حیوانات کی گفتگو کو سمجھنے لگا۔

اس نے اپنے گھر میں مرغیاں، گائے، بیل، گھوڑے اور ایک کتا پال رکھا تھا...... ایک دن اس کی خادمہ نے دسترخوان جھاڑا تو اس میں سے روٹی کا ٹکڑا زمین پر گرا...... جسے کھانے کے لیے ایک مرغا اور کتا دونوں ساتھ ساتھ لپکے...... روٹی کا ٹکڑا مرغے کے ہاتھ لگا اور وہ اپنی چونچ میں دبا کر ایک طرف بھاگا...... کتا اس کے پیچھے پیچھے تھا......

اس شخص نے سنا...... کتا مرغے سے کہہ رہا تھا...... ارے ظالم! میں کب سے بھوکا

ہوں...... روٹی کا یہ ٹکڑا مجھے کھانے دے...... تیری خوراک تو دانہ دُنکا ہے...... تو میرے حصے پر کیوں ہاتھ صاف کررہا ہے؟......

مرغا بولا...... گھبراؤ نہیں کل ہمارے مالک کا بیل مرجائیگا، کل تم جتنا چاہو اس کا گوشت کھالینا......

اس شخص نے مرغے کی زبانی جو یہ سنا تو فوراً اپنے بیل کو فروخت کردیا...... جس نے وہ بیل خریدا، اسے نقصان بھگتنا پڑا، اس لیے کہ اگلے ہی روز بیل مرگیا......

دوسرے دن اس شخص نے سنا...... کتا مرغے سے کہہ رہا تھا...... تم تو بڑے ہی جھوٹے ہو! بتاؤ کہاں ہے وہ بیل جس کے گوشت کا تم نے مجھے لالچ دیا تھا؟......

مرغا بولا...... میں جھوٹا نہیں ہوں! ہمارے مالک نے نقصان سے بچنے کے لیے بیل بیچ دیا اور اپنی مصیبت دوسروں کے سر ڈال دی ہے...... مگر بھائی مایوس مت ہو! کل ہمارے مالک کا گھوڑا مرجائے گا اس کا گوشت جی بھر کے کھالینا......

اس شخص نے یہ سنتے ہی گھوڑا بھی بیچ دیا...... اگلے روز اس نے کتے اور مرغے کی طرف توجہ دی تو سنا کہ کتا مرغے سے شکایت کررہا ہے...... مرغا بولا...... کیا بتاؤں بھائی! ہمارا مالک بڑا ہی بے وقوف ہے...... اپنے اوپر آئی مصیبت دوسروں کے سر ڈال رہا ہے...... بیل اور گھوڑا اگر اس کے گھر مرتے تو اس کی جان کا صدقہ بن جاتے...... مگر اس نے دونوں کو بیچ کر اپنی جان پر آفت مول لے لی ہے...... لیکن سنو اور یقین کرلو کہ کل ہمارا مالک خود ہی مرجائے گا، اس کے مرنے کے بعد جو کھانے پکیں گے، اس میں سے تمہیں بھی بہت کچھ مل جائے گا......

اس شخص نے جب یہ سنا تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے...... اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے...... چارو ناچار دوڑتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور بولا......

حضرت! میری غلطی معاف فرمایئے اور مجھے موت سے بچالیجئے......

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا...... نادان! اب یہ بات بہت مشکل ہے...... آئی قضا ٹل نہ سکے گی...... تجھے جو بات اب معلوم ہوئی ہے...... مجھے تو اسی دن نظر آرہی تھی جب تو جانوروں کی بولیاں سیکھنے کے لیے بضد تھا......

اور دوسرے روز وہ شخص مرگیا......

یہ قصہ مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی شریف میں بیان کیا ہے...... اس قصہ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ آدمی کتنا ہی بااختیار اور صاحبِ علم کیوں نہ ہوجائے، مشیّت کا پابند ہے......

حضرت قلندر بابا اولیاءؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگ نادان ہیں! کہتے ہیں کہ ہماری گرفت حالات کے اوپر ہے انسان اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق حالات میں ردو بدل کرسکتا ہے!...... لیکن ایسا نہیں ہے!......

انسان ایک کھلونا ہے...... حالات جس قسم کی چابی اس کے اندر بھردیتے ہیں، اسی طرح یہ کودنا اور ناچنا شروع کردیتا ہے...... واقعہ یہ ہے کہ اگر فی الواقع حالات کے اوپر انسان کی دسترس ہوتی تو کوئی آدمی غریب نہ ہوتا، کوئی آدمی بیمار نہ پڑتا، کوئی آدمی بوڑھا نہیں ہوتا اور کوئی آدمی موت کے منہ میں نہ جاتا......

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ایسے لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت اور سلطنت کے بل بوتے پر خدائی کا دعویٰ کیا، موت کے پنجے نے ان کی گردن مروڑ دی...... شدّاد، نمرود اور فرعون کی مثالیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کو ہم محض کہانی کہہ کر گزر جائیں......

اس قسم کے واقعات تو ہر روز پیش آتے رہتے ہیں...... بات صرف اتنی ہے کہ ہم ان پر غور نہیں کرتے اور ان سب باتوں کو اتفاق کہہ کر گزر جاتے ہیں...... جبکہ کائنات میں اتفاق یا حادثہ کا دخل نہیں ہے......

اللہ تعالیٰ کا نظام (System) اس قدر مربوط ہے کہ ہر نظام کی دوسرے نظام (System) کے ساتھ گہری وابستگی ہے، اللہ تعالیٰ کے نظام میں نہ کہیں اتفاق ہے، نہ کہیں حادثہ اور نہ کوئی مجبوری ہے۔

جب کسی بندے کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ اس دنیا میں چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شئے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے ذہن میں یقین کا ایک مستقل Pattern بن جاتا ہے...... اس پیٹرن کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں تو ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط، مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سوچنے اور ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ...... کائنات پر حاکمِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے!......

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

ہماری زمین مسائلستان ہے !...... بلکہ سچ یہ ہے ...... یہ دنیا مصائبستان ہے...... مسائل و مشکلات کے سلسلے میں خواتین وحضرات ، بزرگ اور جوان ...... نحیف ، کمزور و ناتواں...... بظاہر تندرست وتوانا لیکن اندر سے کھوکھلے انسان میرے پاس آتے رہتے ہیں...... اللہ تعالیٰ کی دی ہوی توفیق کے ساتھ میں عاجز و مسکین بندہ...... پریشانیوں،خوفناک بیماریوں اور ذہنی الجھنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ان سب کو مشورہ دیتا ہوں......

عظیمی بچوں نے جواب تک ریکارڈ مرتب کیا ہے......اس کے مطابق کم وبیش اب تک اُنیس لاکھ افراد مجھ عاجز بندے کے مشورے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں......

اُنیس لاکھ افراد سے ملاقات بجائے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑا انعام ہے......

میں سوچتا ہوں ...... یہ لاکھوں افراد بزعمِ خود، خاندانی توقیر،عزت و مرتبہ، کبر ونخوت، امیری غریبی اور مذہب وملت کی تخصیص کے بغیر میرے پاس تشریف لائے...... جبکہ میں بظاہر ایک بوریا نشین فقیر،عمر رسیدہ اور کمزور انسان ہوں...... میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ انسان جب ''خود'' سے گزر جاتا ہے تو وہ ایک خول کے سوا اپنے آپ کو کچھ نہیں دیکھتا...... جب کچھ نہیں دیکھتا......تو دنیا کی ہر چیز اسے محکوم نظر آتی ہے......اس طرح کہ حیات وممات میں اس کا وجود محکوم و مجبور ہے......

اگر انسان ایک دن کی پوری رودادِ زندگی قلمبند کرے اور بیدار ہونے کے وقت سے بستر میں جانے کے وقت تک کا محاسبہ کرے تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ماہ وسال کی یہ ساری زندگی ایک روٹین ہے......اور اس روٹین میں ہر انسان ہمہ وقت یکسانیت کے گرداب میں پھنسا رہتا ہے......لیکن بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اس روٹین کی زندگی کا ہر عمل اس کیلئے نیا ہے......

وہ ہر روز کہتا ہے......سورج نیا نکلا ہے......

ہر روز ایک ہی نام سے، ایک سے حالات میں تقریباً یکساں ردوبدل ہونے والی کیفیات میں وہ دنوں کی گنتی گنتا رہتا ہے......اور دنوں کے شمار کو وہ نیا دن کہتا ہے......

قارئین!......

آپ سے گزارش ہے کہ آپ سوچ کر بتایئے کہ ہر دن نیا دن کس طرح ہے؟......اور ہر روز ایک ہی افق سے نکلنے والے ایک ہی سورج کو ہم نیا سورج کیوں کہتے ہیں؟......

کیسی عجیب بات ہے کہ سورج ہر روز نیا نکلتا ہے اور سورج کے علاوہ کوئی چیز بظاہر تبدیل نہیں ہوتی......اگر ہم نے گھر میں ایک مہینے کا آٹا اور راشن رکھا ہوا ہے تو ہم ایک مہینے تک اسی آٹے اور راشن کو کھاتے ہیں......جس کمرے میں سوتے ہیں اس کمرے کے طول وعرض، لمبائی چوڑائی اور جو کچھ اس کمرے میں سامان رکھا ہوا ہے......ہمیں اس میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی......کھیت کھلیان، دیہات، شہر، ٹاؤن اور شہر کے اندر سڑکیں، تعمیرات......مندر، گرجا، مساجد......کسی میں ہمیں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی......اور ہم کہتے ہیں کہ سورج نیا نکلا ہے!......اور دن نیا نکلا ہے!......

جب آپ غور وفکر کریں گے......ایک بات آپ کو نا صرف محسوس ہوگی بلکہ یقین کا درجہ حاصل کرلے گی کہ چیزیں تبدیل ہو رہی ہوں یا نہ ہو رہی ہوں......

لیکن زمین پر رہنے والا ہر انسان روز تحلیل ہو رہا ہے......

اس کی زندگی کم ہو رہی ہے......

وہ کہیں دور ماضی میں گم ہو رہا ہے......

اور اس طرح گم ہو رہا ہے کہ ٹٹولنے کے علاوہ اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا......

وہ اس بات کا بھی مشاہدہ نہیں کرتا کہ اس کی زندگی کہاں گم ہو رہی ہے؟......

ایک خاتون، ایک مرد......دو افراد میرے پاس آئے......

انہوں نے کہا کہ......ہم پریشان ہیں......

غم نے ہمیں دبوچ لیا ہے......

خوف ہمیں ڈراتا ہے......

ہمیں خوفناک اور ڈراؤنے خواب نظر آتے ہیں......

نیند ہم سے روٹھ گئی ہے......

پریشانی ہمارا منہ چڑاتی ہے......

بیماریاں ہمارے تعاقب میں ہیں......

ہم زندہ ہیں!......مگر زندگی ہمارے وجود کو ڈس رہی ہے......

ہم ہنستے ہیں......مگر ہماری ہنسی اور مسکراہٹ مصنوعی ہے......

ہم روتے ہیں......لیکن ہمارا رونا بھی ایک المیہ ہے......

اس لئے کہ رونے سے بھی غبار دل نہیں دھلتا......

ہم کیا کریں؟......کس طرح خوش رہیں؟......

زندگی میں در آنے والے طوفان کو کس طرح روکیں؟......

مر مر کے جینا......جینا تو نہیں ہے؟......

لگتا ہے کہ ہمارے دل نور سے خالی ہیں......اور بغض وعناد سے بھرے ہوئے ہیں!......

ہماری سوچ زہریلی سوچ بن گئی ہے......ہم سوچ کر بھی خوش نہیں ہوتے......

خوف اور غم کے دبیز سائے ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں......

سکون کیا ہے؟......

ہم نہیں جانتے......

راحت کسے کہتے ہیں؟......

ہمارے لئے ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے!......

آخر ہم زندہ کیوں ہیں؟......

وہ فرحت وانبساط ہمیں کیوں حاصل نہیں ہے......جو ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں......اور بڑی بوڑھیوں، نانی دادی سے سنتے ہیں؟؟......

ہم یہ سمجھتے ہیں......یہ سب افسانے ہیں جو لوگوں نے خود کو مطمئن کرنے کیلئے یا باالفاظ دیگر ILLUSION میں خود کو مبتلا کرنے کیلئے......لکھ لئے ہیں......بنا لئے ہیں......

یہ المناک داستان سن کر......میں نے ان سے پوچھا......

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا رواج ہے......ہر ملک اور ہر قوم میں یہ قانون نافذ ہے......کہ ملکیت اس وقت ہوتی ہے......جب اس کی قیمت ادا کی جائے......

غربت کی انتہا......چونسٹھ گز کا مکان!......یا امارت کا عروج......تین ہزار گز کا پلاٹ!......

بغیر قیمت ادا کئے کسی آدمی کی ملکیت نہیں بنتا......

انسان کی زندگی میں پانی ایک اہم وسیلہ ہے......آپ گھروں میں پانی کے ٹینکر ڈلوائیں......یا فلیٹوں کے برآمدوں میں ٹنکیاں بنوائیں......یا واٹر بورڈ کو پانی کا ٹیکس

ادا کریں...... پانی آپ کو بغیر قیمت کے نہیں ملتا......

تاریکی دور کرنے کیلئے روشنی چاہیئے ......

اس روشنی کا متعارف نام بجلی ہے...... بجلی کا ایک یونٹ بھی اگر جلایا جائے تو ہم اس کی قیمت ادا کرتے ہیں......

اگر خدانخواستہ ہم میں سے کسی خاتون یا مرد کو آکسیجن کی ضرورت پیش آجائے تو چھتیس گھنٹوں کے استعمال کیلئے...... ہم تقریباً آٹھ ہزار روپے کی قیمت ادا کرتے ہیں......

بائی پاس سرجری کا مسئلہ درپیش ہو...... تین لاکھ سے سات لاکھ روپے درکار ہوتے ہیں......

گردوں کے نظام میں خلل واقع ہوجائے...... Dialysis کیلئے بھی ایک خطیر رقم ہم خرچ کرتے ہیں......

اس کے برعکس روشنی دھوپ بھی ہے...... ٹھنڈی روشنی چاندنی بھی ہے...... ہم اس کے لئے ایک پیسہ خرچ نہیں کرتے......

جس زمین پر ہم چلتے پھرتے ہیں...... دفاتر اور مکانات تعمیر کرتے ہیں......

وہ زمین دراصل اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے!......

آیئے...... چند سیکنڈ کیلئے...... اپنے اندر جھانکیں...... اور خود سے سوال کریں...... اس زمین کے اصل مالک اللہ تعالیٰ کو ہم نے کتنی قیمت ادا کی؟......

ہوا...... زندگی کی بنیادی ضرورت ہے...... اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ابھی تک اجارہ داروں کو ہوا پر اقتدار حاصل نہیں ہوا...... ورنہ ہر انسان کو سانس لینے کیلئے بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا......

ہوا کے ساتھ انسان کے اندر آکسیجن جل کر کاربن ڈائی آکسائیڈ بنتی ہے...... زندگی کا اصل ایندھن آکسیجن ہے......

ذرا غیر جانبدار ہو کر سوچئے کہ...... ہوا، آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ جس کی وجہ سے ہم زندہ ہیں...... ہم اس کا کتنا ماہانہ بل ادا کرتے ہیں؟......

ہم پانی پیتے ہیں...... ظالم انسان کی خودغرضی کی بناء پر اب ہم بوتلوں کے ذریعے پینے کا پانی حاصل کرتے ہیں...... ایک بوتل 30 روپے کی آتی ہے...... تقریباً چار بوتل پانی ایک آدمی روزانہ پی لیتا ہے...... یوں ایک روز میں ایک آدمی 120 روپے کا پانی پیتا ہے...... اور ایک مہینے میں 3600 روپے پینے کے پانی پر خرچ کرتا ہے......

دوسری ضروریات کیلئے پانی کا استعمال الگ ہے......

سوال یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو پانی کے کتنے پیسے بھیجتے ہیں؟......

یہ انسانی ضروریات کا مختصر سا خاکہ ہے...... اب انسان کے جسم کی طرف توجہ فرمائیں......

جسم ایک صندوق ہے...... اس صندوق میں پھیپھڑے، دل، معدہ، آنتیں، گردے، لبلبہ، پتہ، وغیرہ ایک ترتیب اور توازن سے لٹکے ہوئے ہیں......

جب ہم کوئی مشین چلاتے ہیں...... مشین کے کل پرزوں کو متحرک رکھنے کیلئے اس میں گریس ڈالتے ہیں...... اس میں بجلی دوڑاتے ہیں...... مشینوں کو ٹھنڈا رکھنے کیلئے ائیر کنڈیشنر کا اہتمام کرتے ہیں۔

ہمیں خود سے یہ سوال کرنا ہے کہ ہمارے اندر جو مشینری...... کھڑے چلتے، سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے...... مسلسل چل رہی ہے...... اس مشین کے چلنے میں ہم کیا کردار ادا کرتے ہیں؟......

کتنا بل Pay کرتے ہیں؟......

ہماری پیشانی میں دو آنکھیں ہیں...... ہم ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں...... اگر آنکھیں نہ ہوں...... ہم کچھ نہیں دیکھ سکتے...... آنکھیں اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اگر آنکھیں نہ ہوں تو دنیا کی ہر نعمت ہیچ اور بے کار ہے......

میں نے ان دونوں بچوں کو مشورہ دیا کہ آپ رات کو سونے سے پہلے یہ سوچیں کہ دن بھر میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں استعمال کی ہیں...... اس کو ایک ڈائری میں لکھیں...... اور ڈائری تکیے کے نیچے رکھ کر سو جائیں...... صبح جب آپ بیدار ہوں...... ایک مرتبہ لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھیں...... اور یہ سوچیں کہ اگر ہم اندھے اُٹھتے تو پھر کیا ہوتا؟......

ایک ہفتے کی اس مشق کے بعد آپ اپنے حالات آکر بتائیں......

قارئین!...... آپ یقیناً حیرت کے دریا میں ڈوب جائیں گے...... کہ ان دونوں بچوں نے مجھے آکر بتایا کہ ہمارے اوپر سے خوف کی دبیز چادر اتر گئی ہے...... ہم خوش ہیں کہ ہم اندھے نہیں ہوگئے...... ہم خوش ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت مفت استعمال کرتے ہیں......

میرے بچو!......

آپ بھی روزانہ یہ عمل دہرائیں...... رات کو سونے سے پہلے اپنا محاسبہ کریں...... کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں حاصل کیں...... اور ان نعمتوں میں سے کتنی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا...... ڈائری

میں لکھیں......اور تکیے کے نیچے رکھ کر سو جائیں......صبح بیدار ہونے کے بعد ایک مرتبہ لا الــہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھیں اور یہ سوچیں کہ اگر ہم اندھے اٹھتے تو کیا ہوتا؟......

☆☆☆

کسی سوداگر نے ایک خوبصورت طوطا پال رکھا تھا......اس طوطے میں ایک خوبی یہ تھی کہ یہ انسانوں کی طرح باتیں کرتا تھا......طوطے کے پر کٹے ہوئے تھے اور دکان میں گھومتا رہتا تھا......

خوبصورت طوطے کے بولنے کی وجہ سے دکان میں رونق لگی رہتی تھی...... جب کوئی چور اُچکا ، چوری کی نیت سے کوئی چیز اُٹھاتا تھا تو طوطا بولنے لگتا تھا...... چور، چور...... چور......

ایک روز بلی نے چوہے کو پکڑنے کیلئے حملہ کیا......طوطا یہ سمجھا کہ بلی مجھے شکار کرنا چاہتی ہے......طوطا! اپنی جان بچانے کیلئے ایک طرف کو بھاگا...... وہاں روغنِ بادام سے بھری ہوئی بوتل سے ٹکرا گیا......بوتل گری......اور بادام کا تیل بہہ گیا......سوداگر نے جب یہ دیکھا کہ طوطے کی وجہ سے بادام کا قیمتی تیل ضائع ہوگیا ہے......تو اُس نے طوطے کو گنجا کر دیا......

طوطے نے احتجاج کے طور پر بولنا چھوڑ دیا......

طوطے کو چُپ کیا لگی کہ دکان کی رونق ہی ختم ہوگئی......کاروبار مندا ہو گیا......کئی روز تک سوداگر طوطے کی خوشامد کرتا رہا......ہری مرچ، امرود اور انار طوطے کو کھانے کیلئے دیئے کہ یہ خوش ہو کر دوبارہ بول پڑے......لیکن طوطے نے چُپ سادھ لی......ہفتوں، مہینوں گزر گئے طوطا نہیں بولا......ایک روز دکان پر ایک کمبل پوش فقیر آیا......اس کا سر مُنڈا ہوا تھا......فقیر کو دیکھ کر طوطا ایک دم بول پڑا......تُو نے بھی تیل گرایا ہوگا......

☆☆☆

آپ نے گنا اور بانس ضرور دیکھا ہوگا......دونوں ایک جیسے ہوتے ہیں......دونوں زمین سے آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں......دونوں زمین میں سے ایک ہی پانی پیتے ہیں، جبکہ گنا میٹھا اور رس دار ہوتا ہے......اور بانس اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے......

(مثنوی مولانا رومؒ)

اولیاء اللہ کا مشن

لوگ پہلے بھی روٹی کھاتے تھے......

پہلے بھی کپڑے پہنتے تھے......

پہلے بھی گھروں میں رہتے تھے......

امیر بھی تھے، غریب بھی تھے......

کمزور، ضعیف اور توانا بھی تھے......

لیکن معاشرے میں بندھن تھا۔ حفظِ مراتب تھا۔ زندگی گزارنے کے اصول تھے۔

رشتے دار غریب بھی ہوتے تھے امیر بھی ہوتے تھے لیکن غریب رشتہ دار کی امیر رشتے دار بے حرمتی نہیں کرتا تھا......

یا غریب رشتے دار امیر رشتہ دار کی پرستش نہیں کرتا تھا......

آج جب کہ زندگی کو آرام پہنچانے والے وسائل کا انبار ہے۔

پیسے کی افراط ہے......گھر گھر ٹی وی، ریڈیو، کمپیوٹر، موٹر کاریں ہیں۔ کمروں میں اے سی لگے ہوئے ہیں۔ بڑے گھروں میں اسپلٹ نصب ہیں، عالیشان فرنیچرز ہیں، بہترین کراکری ہے۔ بنگلے پھول پھلواری سے مزین ہیں۔ کیبل ہے، جہاں کیبل نہیں ہے ڈش انٹینا ہے۔ ہر کمرے میں نہیں تو ہر دوسرے یا تیسرے کمرے میں فریج ہے۔

لیکن خود غرضی عروج پر ہے......لگتا ہے ہر آدمی ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ بیشمار لوگ ڈپریشن میں مبتلا ہیں۔ پوری پوری رات جاگتے ہیں۔ نیند روٹھ گئی......صحت خوفزدہ ہو کر بھاگ گئی......

بیماریوں نے انسان کو نگل لینے کا منصوبہ بنالیا۔

کیسی عجیب بات ہے؟!!

آج کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ ترقی یافتہ دور میں والدین اور بزرگوں کا احترام کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور یہ پہلا قدم ہے جہاں سے اعلیٰ اخلاقی قدروں میں شکست و ریخت کا سلسلہ شروع

ہو جاتا ہے۔

غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ والدین امیر ہوں یا غریب، اولاد کی خوشی سب میں یکساں ہوتی ہے...... والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ترقی کرے...... اچھے مقام تک رسائی حاصل کرے......

یہ دوسری بات ہے کہ والدین اولاد کی بہتری کے تمام فیصلے اپنے وسائل کے مطابق کرتے ہیں۔ بعض والدین اپنی اولاد کو بہترین اور بھاری فیسوں والے تعلیمی اداروں سے تعلیم دلاتے ہیں۔ جن کے وسائل اس کی اجازت نہیں دیتے وہ کم فیسوں والے اداروں میں اپنے بچوں کو داخل کرتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو تعلیمی اخراجات پورے نہیں کر سکتا یا بچوں کو تعلیم دلوانے کا شعور ان میں نہیں ہے لیکن اولاد کی بہتری یہاں بھی زیر بحث آتی ہے۔

ایسے والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ایسا ذریعہ معاش اختیار کرے، ایسا کام سیکھے یا وہ کاروبار کرے جس سے وہ والدین سے زیادہ مستحکم حیثیت حاصل کرلے۔

پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اولاد کیلئے والدین بوجھ بن جاتے ہیں......؟

ہر باشعور انسان اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے اسکے پیش نظر اپنی نسل ہوتی ہے، اپنی ذات نہیں ہوتی۔ جس بندے کے پیش نظر اپنی ذات ہے، اس نے انسانی دائرے میں پوری طرح قدم ہی نہیں رکھا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں خود بھی مایوس و پریشان رہتا ہے اور اگلی نسل کو بھی یہی مایوسی ورثہ میں منتقل کرتا ہے۔

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگلی نسل کے بارے میں منصوبہ بندی بھی آدمی کے شعور اور مخصوص ماحول پر منحصر ہے۔

ہر انفرادی کوشش کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔ اسکے پیش نظر صرف اس کی ذات ہوتی ہے۔ اپنی ذات، اپنے خاندان اور اپنی نسل کیلئے کوشش بھی انفرادی یا محدود شعور میں آتی ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر سیدنا حضور علیہ ال والسلام تک تمام پیغمبران کرام علیہم السلام کی زندگی کا...... ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو ایک ہی بات نظر آئے گی کہ ہر پیغمبر نے اجتماعی طرزوں میں کوشش کی۔ پوری نوعِ انسانی کی بھلائی ان کے پیش نظر رہی۔

موجودہ دور کے روحانی بزرگ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ سکون اس

شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کی سوچ کا دائرہ لامحدود وسعت کا حامل ہوجاتا ہے، جو لامحدود ذہن رکھتا ہے، جس کے سامنے اپنی ذات نہیں ہوتی بلکہ پوری نوعِ انسانی ہوتی ہے...... پوری کائنات ہوتی ہے۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے...... اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہوتی ہے......

جب ہم اس پیغمبرانہ طرز فکر کو قبول کرکے آگے بڑھیں گے تو انشاءاللہ راستے کھلتے چلے جائیں گے...... اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش برسے گی اور اس بارش میں شاداں، فرحاں آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہمیں راستے ملتے رہیں گے۔

ہمیں بڑھتا دیکھ کر ہماری اولاد بھی آگے بڑھے گی۔ اولاد کی اولاد بھی خودشناسی اور معرفت کی راہوں پر چل پڑے گی۔ اس طرح نسل در نسل پیغمبرانہ طرزِ فکر آگے بڑھتی رہے گی۔

قوم کے بزرگوں کا فرض پوری نوعِ انسانی کیلئے سوچنا ہے......

نوجوان نسل کی ذمہ داری ہے کہ مخلوق کے تمام افراد آپس میں پیار و محبت سے رہیں۔ پیغمبرانہ تعلیمات پر عمل کریں۔ ان تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ ایک برادری ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کنبہ کے تمام افراد آپس میں مل جل کر رہیں۔ خوش رہیں لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کو اسی وقت پہچان سکتے ہیں، اسکا عرفان حاصل کرسکتے ہیں، روحانی انسان بن سکتے ہیں اور اپنی روحانی صلاحیتیں بیدار کرسکتے ہیں جب ہم وہ کام کریں جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کنبہ کے اچھے فرد بن کر رہیں۔

خوش رہیں دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔ آپس میں پیار و محبت سے رہیں۔ اپنی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کرکے ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا یہی مشن ہے کہ بندہ جس طرح اپنے والدین سے وقوف رکھتا ہے اسی طرح اپنے خالق کا عرفان حاصل کرے۔

استغنیٰ

ایک قدیم حکایت ہے......

چاند کی چودھویں تاریخ تھی، دودھیا چاندنی سے زمین کا گوشہ گوشہ روشن تھا......ایک مسافر جو چاندنی رات میں محوِ سفر تھا۔ چاند کی تعریف کرتے ہوئے بولا ''اے چاند! تم کتنے عظیم اور مہربان ہو۔ تمہاری روشنی سے رات کی تاریکیاں اُجالوں میں بدل گئی ہیں۔ تمہارا وجود بنی نوع انسان پر ایک عظیم احسان ہے۔ اب دیکھو، تمہاری روشنی میں میرا سفر کتنا آسان، دلفریب اور مسحور کن ہو گیا ہے'' ...... یہ کہتا ہوا وہ اپنے راستہ پر روانہ ہوا۔

اسی وقت شہر کے کسی گھر میں ایک چور، چوری کی غرض سے داخل ہوا، چاند کی روشنی میں اسے پکڑے جانے کا خوف لاحق ہوا تو وہ اسی گھر کے ایک کونے میں دبک گیا اور چاند کو سننے لگا'' تیرا وجود میرے لئے بدبختی کی علامت بن گیا ہے، تو نے میری آزادی اور میرے رزق میں رکاوٹ ڈال دی ہے۔ کاش کہ ایسا ہو کہ سیاہ بادل ہی تجھے ڈھانپ لیں...... مجھے تیرا چہرہ کبھی دلکش نہ لگا، اگر میرا بس چلے تو کبھی تیری صورت نہ دیکھوں!......کاش تیرا وجود نہ ہوتا تو سیاہ اور تاریک راتوں میں میرا کام کتنا آسان ہو جاتا''......

چاند نے مسافر اور چور، دونوں کی باتیں سنیں اور آہستہ آہستہ کہنے لگا:

''تم دونوں جو کچھ کہتے ہو، میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ میں تو محض ایک چاند ہوں، سورج سے روشنی حاصل کرتا ہوں، تعریف کرنی ہے تو سورج کی کرو اور اگر کوئی شکایت کرنی ہے تو سورج سے کرو۔''

جب معاشرے میں شعور کی کمی ہو اور صدیوں پرانی روایات اور جہالت کی گرد سے اٹا ہوا ماحول لوگوں کے اندر سے فہم کا چشمہ خشک کر چکا ہو تو اہل فکر و دانش تمثیل اور حکایات کی زبان میں بات کرتے ہیں تا کہ افراد کے شعور پر بوجھ نہ پڑے......موجودہ دور میں صورتحال تبدیل ہو چکی ہے......کہا جاتا ہے کہ آج کا بچہ کل (مستقبل) کا بزرگ ہے۔ موجودہ دور میں شعور اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ آج کا بچہ کل (ماضی) کے بوڑھوں سے کہیں زیادہ علم رکھتا ہے۔

آج کے سائنسی دور میں کوئی بات اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتی جب اسے فطرت کے مطابق اور سائنسی توجیہات کے ساتھ پیش کیا جائے۔ سلسلۂ عظیمیہ کا یہ مشن ہے کہ لوگوں کے اوپر تفکر کے دروازے کھول دیئے جائیں۔

بحیثیت انسان جب ہم عقل وشعور سے کام لیتے ہیں تو یہ بات ہمارے اوپر پوری طرح سے واضح ہوجاتی ہے کہ دنیا میں یا کائنات میں جو کچھ موجود ہے دراصل اس کی حیثیت علم کی ہے۔

کائنات میں موجود ہر شے علم کی بنیاد پر ایک دوسرے سے متعارف ہے۔ تعارف میں کہیں راحت، سرور اور مسرت کے خاکے نمایاں ہوتے ہیں اور کہیں پریشانی، بے قراری اور اضمحلال موجود ہوتا ہے۔ غم اور خوشی کا جہاں تک تعلق ہے، اس کی بنیاد بھی علم کے اوپر ہے۔ علم جب ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس چیز کے نہ ہونے سے ہمارا نقصان ہے تو ہمارے اوپر تکلیف کی کیفیات مرتب ہونے لگتی ہیں۔ علم جب ہمیں بتاتا ہے کہ یہ کام یا یہ عمل یا یہ چیز ہمارے فائدے کیلئے ہے تو اس علم کے نتیجے میں ہمارے اوپر جو کیفیات مرتب ہوتی ہیں ان کا نام ہم خوشی، مسرت، سکون، اطمینانِ قلب وغیرہ وغیرہ رکھتے ہیں۔

یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ آگ ایک ایسی مخلوق ہے کہ جو ہمیں راحت بھی پہنچاتی ہے اور نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔ چونکہ علم میں مثبت اور منفی رُخ موجود ہیں اس لئے آگ سے ہم منفی اور مثبت دونوں قدروں میں متاثر ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ پانی سے ہمارے اندر موجود رگوں، پٹھوں اور اعصاب کی سیرابی ہوتی ہے...... ساتھ ہی یہ بات بھی ہمارے علم میں موجود ہے کہ اگر پانی اعتدال سے زیادہ ہوجائے تو یہ زمین اور نوعِ انسانی کیلئے بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔

ہمارا علم ہمیں بتاتا ہے کہ رزقِ حلال انسان کو سکون اور راحت پہنچاتا ہے جبکہ رزقِ حرام انسان کے سکون اور راحت کیلئے ایک بہت بڑی دیوار ہے جو انسان کو سکون کے اندر داخل نہیں ہونے دیتی...... رزقِ حرام سے بھی آدمی آٹا خرید کر روٹی پکاتا ہے، پیٹ بھرتا ہے اور رزقِ حلال سے بھی آدمی آٹا خرید کر روٹی پکاتا ہے، پیٹ بھرتا ہے یعنی بھوک کا تقاضہ ایک علم ہے، جب تک علم بھوک کے اندر محدود ہے اس کی حیثیت علم کی ہے...... بھوک کس طرح رفع کی جائے؟...... یہ علم کے اندر معنی پہنانا ہے۔ اب اگر معنی منفی پہنا دیئے گئے تو باوجود اس کے کہ بھوک رفع کرنے

کے لئے سارے کام کیے جارہے ہیں اور آدمی اسی طرح اہتمام سے دسترخوان بچھا کر کھانا کھارہا ہے، اس روٹی سے خون بھی بن رہا ہے، اس روٹی سے انرجی بھی حاصل ہورہی ہے، اس روٹی میں غذائیت کی وجہ سے قد وقامت بھی بڑھ رہا ہے اور عقل وشعور میں بھی اضافہ ہورہا ہے لیکن ضمیر مسلسل ملامت کررہا ہے کہ یہ رزق کسی کا حق مار کر حاصل کیا گیا ہے تو سکون درہم برہم ہوجائے گا...... جب آدمی حرام روٹی کا لقمہ کھائے گا تو اس کے اندر بے سکونی، پریشانی، بدحالی، ذہنی کشاکش، دماغی کشمکش کا پیٹرن بن جائے گا۔ دماغ کے اندر بننے والا یہ پیٹرن مستحکم اور مضبوط ہوجاتا ہے تو اس کے بعد علم میں جب بھی معنی پہنائے جائیں گے وہ بے سکونی، بے اطمینانی اور پریشانی کے ہوں گے۔ اس کے برعکس ہم علم میں مثبت پہلو داخل کرتے ہیں یعنی علم کے اندر جو معنی اور مفہوم پہناتے ہیں وہ معنی اور مفہوم سکون آشنا زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ سکون آشنا زندگی کا پیٹرن جب دماغ میں مستحکم ہوجاتا ہے تو دماغ کے اندر وہ خلئے جو علم کے اندر مفہوم اور معنی پہناتے ہیں ہمیشہ سکون اور راحت کی اطلاع دیں گے......

یہ تلاش کرنا ضروری ہے کہ فی الواقع سکون کیا ہے اور اضطراب کیا ہے؟......

یہ بات ہم بتاچکے ہیں کہ اضطراب ہو یا سکون ہو، پریشانی ہو یا خوشحالی، غم ہو یا خوشی اس کا تعلق علم کے اندر معنی پہنانے سے ہے۔ اب یہ تلاش کرنا ہے کہ کون سی ایسی مخلوق ہے جو سکون آشنا زندگی گزارتی ہے اور جس کے اوپر خوف اور غم کے سائے اگر منڈلاتے ہیں تو وہ کم سے کم ہوتے ہیں۔ مخلوق کو تلاش کرنے میں ہمیں کہیں باہر جانا نہیں پڑے گا۔ اس زمین پر ہمیں ایسی مخلوق مل جائے گی جو انسانی زندگی کے اعتبار سے زیادہ پرسکون ہے، زیادہ خوشحال ہے، زیادہ صحت مند ہے، زیادہ بے فکر ہے جبکہ اس کی تمام ضروریات وہی ہیں جو انسان کی ضروریات ہیں مثلاً کھانا کھانا اور دوسرے وہ تمام تقاضے جو زندگی میں داخل نہ ہوں تو زندگی پوری نہیں ہوتی۔ یہ مخلوق درخت ہیں، پرندے ہیں، چرندے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس نوع کی زندگی میں سکون کا بڑا واسطہ اور ذریعہ یہ ہے کہ یہ تمام مخلوقات جبلت کے اندر رہتے ہوئے زندگی گزارتی ہیں یا اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے علاوہ دوسری نوعیں علم کو صرف اس حد تک جانتی ہیں جس حد تک علم از خود اپنے معنی اور مفہوم ان کے دماغ پر ظاہر کرتا ہے۔ ان تمام نوعوں کے برعکس انسان اپنے ارادے اور اختیار سے علم میں معنی پہنا سکتا ہے اور علم میں مثبت یا منفی معنی پہنانے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو بخش دیا ہے۔ یہی وہ صورتِ

حال ہے جسکے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"ہم نے اپنی امانت سماوات، پہاڑ اور ارض پر پیش کی، سب نے انکار کر دیا اور انسان نے اپنے کاندھوں پر اُٹھالیا ہے بے شک یہ ظالم اور جاہل ہے۔"

(سورۃ الاحزاب۔ آیت 72)

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے علم کے اندر معنیٰ پہنانے کا نا صرف یہ کہ اختیار دیا بلکہ معنی پہنانے کی مشین اس کے اندر فٹ کر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ علم کے اندر معنی اور مفہوم اگر مثبت ہوں گے تو آدمی پرسکون زندگی گزارے گا اور علم کے اندر معانی اور مفہوم منفی ہوں گے تو آدمی ایسی زندگی گزارے گا جو حیوانات، نباتات اور جمادات سے بھی کمتر ہوگی۔ یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ سکون اور راحت آدمی کو وہاں ملتا ہے جہاں سکون موجود ہو، راحت آدمی کو وہاں ملتی ہے جہاں راحت کے وسائل موجود ہوں، روشنی آدمی کو وہاں ملتی ہے جہاں روشنی کا بندوبست ہو، خوشبو آدمی کو وہاں ملتی ہے جہاں خوشبو کے ذرائع ہوں...... بدبو اور تعفن میں اگر کوئی بندہ خوشبو تلاش کرتا ہے تو یہ نادانی اور جہالت ہے......

جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے، تو اس کے دماغ میں ایک ایسا پیٹرن بن جاتا ہے کہ اس کے اندر مخلوق سے احتیاج ٹوٹ جاتی ہے اور وہ دروبست اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکم، اپنا خالق، اپنی خواہشات پوری کرنے والا اور اپنی ضروریات پوری کرنے والا سمجھنے لگتا ہے، نتیجے میں سکون اس کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی تعریف ہے ان لوگوں کی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے "مستغنی" کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

وہ کون ہے جو آسمان سے اور زمین سے تمہیں روزی پہنچاتا ہے۔ وہ کون ہے تمہارا سننا اور دیکھنا جسکے قبضے میں ہے۔ وہ کون ہے جو نکالتا ہے زندگی کو موت سے نکالتا ہے موت سے زندگی کو۔ پھر وہ کون سی ہستی ہے جو بیشمار زمینوں، آسمانوں کہکشانی نظاموں اور کائناتی سسٹم کو نگرانی کیساتھ چلا رہی ہے۔ یقیناً وہ اعتراف کرینگے کہ یہ ہستی اللہ تعالیٰ ہیں۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم ان سے کہو کہ جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں پھر کیوں غفلت اور سرکشی سے نہیں بچتے؟ ہاں بیشک یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمہارا پروردگار ہے۔ اور جب یہ حق ہے تو حق کے ظہور کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ تم کہاں جارہے ہو۔

وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سیرابی سے خوشنما باغ لگا دیئے۔ حالانکہ یہ بات تمہارے بس کی نہیں تھی کہ باغوں میں درخت لہلہاتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا معبود بھی ہے؟ مگر یہ لوگ ہیں جن کا شیوہ حجت اور کج روی ہے۔

اچھا بتاؤ وہ کون ہے جس نے زمین کو زندگی کا مستقر بنا دیا۔ اس میں نہریں جاری کر دیں اور پہاڑ بلند کر دیئے۔ دو دریاؤں میں دیوار حائل کر دی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا بھی کوئی معبود ہے؟ مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے۔

اچھا بتلاؤ وہ کون ہے جو بے قرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اسے پکارتے ہیں اور ان کا دکھ ٹال دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا بھی کوئی معبود ہے؟ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پکڑو۔

اچھا بتلاؤ وہ کون ہے جو صحراؤں اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے! وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کیساتھ دوسرا بھی کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس شرک سے پاک ہے اور مُنَزَّہ ہے کہ یہ جو لوگ اسکی معبودیت میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے پھر اسے دہراتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زمین اور آسمان سے تمہیں رزق دے رہا ہے...... کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ اے پیغمبر کہہ دیجیے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے۔ ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں پھر زمین کی سطح شق کر دیتے ہیں۔ پھر اس کی روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اناج کے دانے، انگور کی بیلیں، کھجور کے خوشے، سبزی ترکاری، زیتون، درخت کے جھنڈ، قسم قسم کے میوے، طرح طرح کا چارہ تمہارے فائدے کے لئے اور تمہاری جانوں کے لئے ہے۔

دیکھو چوپاؤں میں تمہارے لئے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی کتنی عبرت ہے...... ان کے جسم میں خون و کثافت سے دودھ پیدا کرتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بہترین مشروب ہے...... کھجور، انگور، جس سے نشہ اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہیں۔ بلاشبہ اس بات میں باشعور لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے...... اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ پہاڑوں میں درختوں میں ان کی ٹہنیوں میں جو اس غرض سے بلند کی جاتی ہیں کہ اپنے لئے گھر بنائیں، پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوسے...... پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقوں سے کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو...... اس کے جسم سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے جس میں انسان کے لئے شفا ہے۔ بلاشبہ اس میں تم لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

"کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ جو تم کاشت کاری کرتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے کیلئے رہ جاؤ گے کہ ہمیں تو اس نقصان کا تاوان ہی نہیں دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں سے محروم ہو گئے۔ یہ بات بھی تمہارے سامنے ہے کہ جو پانی تم پیتے ہو اسے کون برساتا ہے۔ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا کر دیں۔ کیا اس نعمت کیلئے ضروری نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ یہ بات بھی تمہارے سامنے ہے کہ جو آگ تم سلگاتے ہو اس کیلئے لکڑی تم نے پیدا کی ہے یا ہم کر رہے ہیں؟ اسے یادگار مسافر کیلئے فائدہ بخش بنایا۔"

(سورۃ الواقعہ۔ آیت 63-73)

دنیا کا کوئی انسان دنیا کی طرف سے اندھا ہو جائے لیکن اپنی غذا میں شامل پھلوں کی طرف سے وہ آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔

آیئے تجربہ کریں:

کھلے ہاتھ ہتھیلی پر یہ ایک دانہ گندم ہے۔ دانے کے بیچوں بیچ ایک خط ہے۔ یہ خط یا ہلکا سا شگاف اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ دو پرت آپس میں اس طرح جڑے ہیں کہ آنکھ ان دونوں پرتوں کے ایک پرت دیکھتی ہے۔ اب ہم عام نگاہ سے ہٹ کر باطنی خوردبین نگاہ استعمال کرتے ہیں۔ گندم کا یہ حقیر سا دانہ ہمیں اب Base Ball کے برابر نظر آ رہا ہے۔ اس میں بے شمار رنگین روشنیاں محوری گردش کر رہی ہیں۔ رنگین روشنیوں کو مختلف گیسز حرکت دے رہی ہیں۔ گیسز کیمیکل Changes کی بنا پر ٹوٹ رہی ہے اور بکھر رہی ہے۔ کیمیکل Changes کا عمل رطوبت و برودت پر ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے گندم کی شریانوں میں روئیدگی دوڑ رہی ہے۔ اس روئیدگی میں مٹھاس بھی ہے، نمکیات بھی ہے اور زمینی عناصر بھی موجود ہیں۔ اس Base Ball جتنے بڑے گندم کے اردگرد ایک ہالہ ہے۔ ہالے کے چھ سمتوں میں آکسیجن ہے، ہوا ہے، خشکی ہے، تری ہے، اور بے شمار گیسز ہیں۔ ان بے شمار گیسوں میں کوئی ایک گیس بھی بے رنگ نہیں ہے۔

اب ہم اس دانے کو زمین کے پیٹ میں ڈالتے ہیں۔ زمین اس دانے کو اپنے بطن میں اس طور سمیٹ لیتی ہے جس طرح ماں شکم مادر میں بچے کے پہلے قطرے کو قبول کرتی ہے۔ زمین میں جتنے بھی عناصر ہیں وہ سب اس دانہ گندم کو اپنی آغوش میں لے کر خود اس کے اندر سرائیت کر جاتے ہیں اور گندم کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ نتیجہ میں گندم کے اوپر پہلے سے موجود شگاف کھل جاتے ہیں اور اس میں سے نہایت باریک موٹے بال کی طرح ایک تنا نمودار ہوتا ہے۔ جس کے اوپر گندم کے دونوں پرت لگے ہوئے ہوتے ہیں یعنی عناصر نے گندم کو اپنے اندر جذب کرنے کے بعد زمین کے اوپر نشوونما پانے کے لئے دوبارہ لوٹا دیا ہے۔ اب یہ ننھا سا کومل معصوم تنا ہوا، آکسیجن، دھوپ اور چاندنی کے اشتراک عمل سے بتدریج نشوونما پاتا ہے اور درخت بن جاتا ہے گندم کے ایک بیج میں سے دس شاخیں یا دس تنے یا دس بالیاں نکلتی ہیں۔ ایک صحت مند بالی میں چھیاسٹ (۶۶) گندم کے دانے ہوتے ہیں۔ گندم کے ایک بیج سے ہمیں جو گندم حاصل ہوتی ہے اس کی تعداد چھ سو ستر (۶۷۰) ہے۔ اگر زمین اچھی ہو، صحیح کھاد دی جائے تو اسی (۸۰) یا نوے (۹۰) دانے فی بالی نکلتے ہیں یعنی ایک دانہ گندم سے انسانی غذا کے لئے قدرت ۹۲۰ دانے

فراہم کرتی ہے۔

اگر زمین میں ایک من یا سوا من بیج بویا جائے تو انسانی غذا کے لئے چالیس سے پچاس من گندم حاصل ہوتا ہے۔ یہ حال ہماری اس غذا کا ہے جو دنیا میں دوسرے نمبر پر استعمال ہوتی ہے۔ ساری دنیا میں پہلے نمبر پر جو غذا کھائی جاتی ہے وہ چاول ہے۔

آیئے اب فروٹ کے اوپر غور کرتے ہیں۔ یہ ایک صحت مند اور خوبصورت بڑی نارنگی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کی کوئی چیز بے رنگ نہیں۔ چھلکے کے اوپر کا بنا ہوا حصہ خوش رنگ اور چمکدار نارنجی ہے۔ چھلکے کے اندر کا حصہ سفید ہے۔ چھلکے سے بنا ہوا غلاف کھول کر دیکھیں تو اندر ہمیں آپس میں جڑی ہوئی قاشیں ملتی ہیں...... ہر قاش کے اوپر ایک پردہ ہے۔ یہ پردہ بھی رنگین ہے۔ اسی پردے کے نیچے ٹشوز ایک دوسرے سے پیوست نظر آتے ہیں۔ یہ بھی رنگین ہیں۔ tissues کے درمیان بیج ہے یہ بیج بھی دو رنگوں سے مرکب ہے۔

کوتاہ عقل انسان کتنا بے شعور ہے کہ رنگین چیز کو ''نارنگ'' کہتا ہے۔

ایک صحت مند نارنگی میں نو یا دس پھانکیں ہوتی ہیں۔ ایک پھانک میں تین سو تیرا (۳۱۳) رس سے بھری ہوئی تھلیاں ہوتی ہیں۔ جب ہم کینو سنگترہ یا نارنگی سے شوق فرماتے ہیں تو دراصل ۳۱۳ رس کی بھری ہوئی تھیلیوں کا رس پیتے ہیں

''اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے اور وہ کون ہے جو زمین اور آسمان سے تمہیں رزق عطا کرتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو اور عقل و بصیرت کی اس شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اپنی دلیل پیش کرو۔''

(سورۃ النمل۔ آیت 64)

''اول ما خلق اللہ نوری''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں، جس نے اپنے محبوب بندے حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

جب کائنات کا وجود نہیں تھا، اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہستی موجود تھی...... اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں...... پہچان اور تعارف کیلئے ضروری ہے کہ کوئی پہچاننے والا ہو...... اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی اور اپنی منشاء سے تخلیقی پروگرام بنایا...... تخلیقی عوامل میں تین عوامل کائنات کی بنیاد ہیں۔

۱۔ ملائکہ

۲۔ جنات

۳۔ آدم

فرشتوں کے گروہ بنائے۔

=> ملاءاعلیٰ

=> ملائکہ سماوی

=> ملائکہ عنصری

ان تین گروہ کے الگ الگ تین مقامات کا تعین ہوا۔

ملاءاعلیٰ کا مقام...... بیت المعمور یا حضیرۃ القدس ہے۔

ملائکہ سماوی کا مقام...... سمٰوٰت......

ملائکہ عنصری کا مقام...... زمین......

ان تینوں گروہوں کو فرائض سونپے گئے...... لیکن ڈیوٹی پوری کرنے میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا...... جو حکم مل جائے اسے ذرّہ برابر فرق کئے بغیر پورا کرنا ہے......

جنات!......

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کروڑوں دنیائیں یا زمین بنائی ہیں...... ہر زمین پر جنات کا وجود

ہے..... لیکن یہ وجود زمین کی سطح پر نہیں ہے..... کرۂ زمین کے خلا میں واقع ہے..... یہ مخلوق بھی عناصر اربعہ سے تخلیق کی گئی ہے لیکن اس مخلوق کی تخلیق میں ''نار'' کا عنصر غالب ہے..... اور اس مخلوق کو نیکی یا بدی کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے۔

تیسری مخلوق آدم!.....

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آدم کا پہلا مقام جنت تھا.....

جنت کے ماحول میں اور جنت کے پُرفضا اور باغِ خلد میں رہنے کیلئے آدم سے کہا گیا کہ یہاں خوش ہو کر رہنا ہے..... اس درخت کے قریب نہیں جانا..... اور اگر نافرمانی سہواً بھی ہوگی تو جنت سے نکال دیا جائے گا..... جنت سے نکلنے کے بعد آدم دنیا میں آ گیا اور جنات کی طرح کروڑوں دنیاؤں میں آباد ہے..... اس مخلوق کو بھی اچھائی اور برائی کے تصور سے آراستہ کیا گیا ہے یعنی نیک و بد اعمال کا اختیار دیا گیا ہے..... یہ مخلوق بھی عناصر اربعہ سے تخلیق کی گئی ہے لیکن آدم کی تخلیق میں مٹی کا عنصر غالب ہے.....

جس طرح ابوالبشر آدم آدمیوں کا باپ ہے!..... اور اُمّ البشر حوا آدمیوں کی ماں ہے.....
اسی طرح ابوالجن طارہ نوس جنات کی نسل کا باپ ہے اور اُم الاجنۃ جنات کی قبیلوں کی ماں ہے.....

☆☆☆

بیت المعمور سے اوپر اور بھی مقامات ہیں..... سب سے اعلیٰ مقام پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

یہ تجلیات مشیت الٰہی ہیں!..... تخلیق کا ہر پروگرام مشیت کے تابع ہے.....
ہر گھر میں بجلی جلتی ہے..... قمقمے روشن ہوتے ہیں..... پنکھے ہوا پھینکتے ہیں..... AC سے ٹھنڈی لہریں اور ہیٹر سے گرم لہروں کا اخراج ہوتا ہے.....
بجلی کا سسٹم کچھ اس طرح ہے..... ڈیم میں پانی جمع ہوتا ہے..... وہاں سے بڑی بڑی سرنگوں کے ذریعے پانی کا اخراج ہوتا ہے..... جہاں سے پانی کا اخراج ہوتا ہے وہاں ٹربائن لگے ہوتے ہیں..... پانی کی تیز دھار سے ٹربائن کا پہیہ گھومتا ہے..... پہیے کی تیز رفتاری سے ہیٹ پیدا ہوتی ہے جس کو میگنٹ بجلی میں تبدیل کر دیتا ہے..... ڈیم سے جب بجلی نکلتی ہے تو اس کا وولٹیج چھبیس ہزار وولٹ تک ہوتا ہے..... اسے مختلف پراسس سے گزار کر 220 وولٹ تک کم کر دیا جاتا ہے۔ جس سے گھر میں لگے بجلی کے قمقمے روشن ہو جاتے ہیں۔

اگر اس کرنٹ کے فلو اور کرنٹ کے وولٹیج کو کم نہ کیا جائے تو کسی گھر میں کوئی قمقمہ روشن نہیں ہوگا..... اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کا AC ٹھنڈی لہریں باہر نہیں پھینکے گا..... اس طرح کوئی ہیٹر کمرے کو گرم نہیں کر سکے گا۔

☆☆☆

''تجلیات کا نزول!''.....

حقیقت میں اللہ وحدہٗ لاشریک کے ذہن کی روشنیاں ہیں..... یہ روشنیاں کائنات میں کوئی مخلوق کسی بھی طرح برداشت نہیں کر سکتی..... اس لئے کہ کسی مخلوق میں براہِ راست روشنیوں کو قبول کرنے کی سکت اور طاقت نہیں ہے.....

اللہ تعالیٰ نے ان روشنیوں یا تجلیات کی ناقابلِ برداشت توانائی کو ہلکا کرنے کیلئے..... مقامِ محمود کا تعین کیا.....

اور مقامِ محمود میں اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور تخلیقات کے درمیان میڈیم بنایا..... اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے.....

اول ماخلق اللہ نوری

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور تخلیق کیا

مشیت الٰہی کا پورا پروگرام تجلیات کے نزول کی صورت میں نشر ہوتا ہے..... اور تجلیات کا پہلا نزول سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس پر ہوتا ہے.....

ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن سے یہ تخلیقی پروگرام جب نشر ہوتا ہے تو اس میں اتنی لطافت آ جاتی ہے کہ دوسری مخلوق اس کا وزن برداشت کر سکے.....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرنور ہستی سے نور کی لہریں نکل کر حضیرۃ القدس میں آتی ہیں..... اور حضیرۃ القدس میں ملاءِ اعلیٰ پر نزول کرتی ہیں.....

ملاءِ اعلیٰ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے!..... اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں!..... اللہ تعالیٰ ان امور کو پسند فرماتے ہیں!..... اور ان امور کو ناپسند کرتے ہیں!.....

ملاءِ اعلیٰ کا یہ اعلان لہروں کی صورت میں ملائکہ سماوی کے ذہنوں پر منکشف ہوتا ہے.....

ملائکہ سماوی اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں!..... ان امور کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور ان اعمال و افعال کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں!.....

ملائکہ سماوی کا یہ اعلان ملائکہ عنصری کے ذہنوں پر نزول کرتا ہے...... ملائکہ عنصری بھی یہ اعلان دہراتے ہیں......

ملائکہ عنصری کے اعلان کا دہرانا...... تصوف یا روحانیت میں Inspiration کہلاتا ہے یعنی وہ نوعِ انسانی اور نوعِ اجنہ کو انسپائر کرتے ہیں...... ترغیب دیتے ہیں...... اچھائی اور برائی کے تصور کے ساتھ دونوں نوعوں کو متوجہ کرتے ہیں......

وہ مسلسل اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ نوعِ انسانی اور نوعِ اجنہ اچھے اعمال کو اپنائے اور بُرے اعمال سے اجتناب کرے...... وہ بار بار تنبیہ کرتے ہیں...... بار بار ترغیب دیتے ہیں......

ذرّہ برابر نیکی تولی جاتی ہے اور

ذرّہ برابر برائی تولی جاتی ہے......

جبرئیل امینؑ اللہ کے دوست محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آئے......

''جب ہلا ڈالے زمین کو اس کے بھونچال سے اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ اور کہے آدمی اس کو کیا ہو گیا...... اس دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں اس واسطے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا اس کو، اس دن بول پڑیں گے لوگ طرح طرح پر کہ ان کو دکھا دیے جائیں گے ان کے عمل...... سو جس نے کی ذرّہ برابر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ دیکھ لے گا اُسے......''

(سورۃ الزلزال)

اللہ تعالیٰ ساری زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلے سے ہلا ڈالے گا...... اس روز کوئی عمارت کوئی پہاڑ یا درخت زمین پر نہیں رہے گا......

زمین میں جو کچھ ہے...... زمین اسے اُگل دے گی......

آدم زاد نے جو کام کئے تھے اس کی اچھائی اور برائی اس کے اوپر آشکار ہو جائے گی......

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے

''اور تم کیا سمجھے کیا ہے سجین...... ایک دفتر ہے لکھا ہوا......''

(سورۃ المطففین ۔ آیت 8-9)

''اور علیین...... ایک دفتر ہے لکھا ہوا......''

(سورۃ المطففین ۔ آیت 19-20)

انسان دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے...... سانس لیتا ہے...... پلک جھپکتا ہے...... کوئی بات کرتا ہے...... کسی کو دُکھ دیتا ہے...... دل آزاری کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو آرام پہنچاتا ہے...... جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے انہیں سے خلوصِ دل کے ساتھ خیرات کرتا ہے...... نماز پڑھتا ہے...... روزہ رکھتا ہے...... حج کرتا ہے یا وہ اعمال کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے...... یہ سب امور ریکارڈ ہو رہے ہیں......

موجودہ سائنسی دور میں اس کی مثال وڈیو فلم ہے...... یعنی مکلّف مخلوق انسان یا مکلّف مخلوق جنات جو بھی عمل کرتے ہیں...... اچھا یا بُرا...... ان اعمال کی جزا یا سزا کے ساتھ فلم بن رہی ہے...... اور اس عالم کے بعد جب دونوں مخلوق کے افراد دوسرے عالم میں جائیں گے، انہیں ان کی ویڈیو فلم دکھائی جائے گی اگر یہ فلم اعمال کی جزا کے ساتھ ہے تو وہ خوش ہوں گے اور اگر یہ فلم اعمال کی سزا کیساتھ ہے وہ ناخوش ہوں گے...... روئیں گے چلائیں گے...... اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا......

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا ہے:

''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔''

(سورۃ الفاتحہ ۔ آیت 1)

اور اپنے محبوب بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

''اور ہم نے تجھے عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے......''

(سورۃ الانبیاء ۔ آیت 108)

اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق کے رب العالمین ہیں۔

یعنی ہماری دنیا کی طرح کروڑوں دنیاؤں میں بسنے والی مخلوق...... جن وانس، حیوانات، نباتات، جمادات...... سب کیلئے آسمان سے رزق اتارتے ہیں...... رزق سے مراد بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تقاضوں کے مطابق وسائل ہیں۔

ہر مخلوق کی مختلف طبیعتوں اور ضرورت کے مطابق وسائل پیدا کرتے ہیں......

اللہ تعالیٰ بحیثیت ذات ان تمام اوصاف سے ماوراء ہیں جو مخلوق میں ہیں...... اللہ تعالیٰ یکتا ہیں...... جبکہ مخلوق ایک نہیں ہوتی...... اللہ تعالیٰ کو کسی بھی شئے کی احتیاج نہیں...... جبکہ مخلوق کی تعریف ہی یہ ہے کہ مخلوق محتاج ہے...... اللہ تعالیٰ کسی کے باپ نہیں...... کسی کی اولاد نہیں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی خاندان نہیں......

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور مشیت کے تحت وسائل سے مخلوق کو فائدہ پہنچانے کیلئے اپنے خاص محبوب بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق کیا......

ایسی تخلیق!...... جو مخلوق کی ضروریات کا ادراک رکھتی ہے...... تاکہ وسائل کی تقسیم میں مخلوق محروم نہ رہے...... اور یہ ذات اقدس اور اللہ تعالیٰ کا نور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں......

اسفل السافلین کے مادی شعور میں احسن تقویم کی یاد دہانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ شروع کیا...... جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے...... قانون تخلیق کے تحت رسول اللہ ؐ کی تخلیق سب سے پہلی تخلیق ہے...... جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اول ما خلق اللہ نوری''

یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی ہے...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد نبوت کا مقصد پورا ہوگیا ہے اور دین کی تکمیل ہوگئی...... اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا......

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب تمہارے پاس آ چکی ہے۔''

(سورۃ المائدہ۔آیت 15)

''جو کوئی بھی اسکی راہ میں کوشش اور جدوجہد کرے گا اللہ ضرور اسے اپنا راستہ دکھا دے گا۔''

(سورۃ العنکبوت۔آیت 69)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات کھول کر بتاتے ہیں...... اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔ اور کتاب و حکمت کا علم سکھاتے ہیں ورنہ اس سے قبل تو وہ کھلی گمراہی میں تھے۔''

(سورۃ الجمعہ۔آیت 2)

''آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔''

(سورۃ المائدہ۔آیت 3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

کوئی بھی انسان جب اس عالمِ رنگ و بو میں پیدا ہوتا ہے تو اسے بات سمجھنے یا سمجھانے کا طریقہ نہیں آتا...... وہ آہستہ آہستہ نشوونما کے عمل سے گزرتا رہتا ہے...... ماں اس کے لئے رول ماڈل بن جاتی ہے...... ماں اسے جس چیز کا جو نام بتاتی ہے وہی اس کے حافظے پر نقش ہوجاتا ہے...... اس طرح وہ دنیا میں رہنے کا ڈھب اور چیزوں کا نام ماں سے سیکھتا ہے......

القصہ مختصر......! دنیا کا کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا کام ہو یا بڑے سے بڑا پلان، تربیت کا عمل ہو یا کسی کارخانے میں مشین کی تیاری، کیمیکل کی مکسنگ ہو یا دواؤں کی پروڈکشن اور تعلیم سیکھنے کا عمل ہو یا اخلاقی اقدار کا حصول، سائنسی ایجادات ہو یا تسخیری فارمولے......

ان سب کے پسِ منظر میں رہنمائی امرِ لازم ہے......

جب ہم اعلیٰ اخلاقی اقدار کی بات کرتے ہیں تو لامحالہ یہاں بھی کوئی نہ کوئی مثال موجود ہوتی ہے...... ابتدا میں اخلاق کی درستی کیلئے والدین رول ماڈل بنتے ہیں، کہیں استاد یہ ذمہ داری پوری کرتا ہے، کہیں خاندان کے بزرگ رہنمائی کرتے ہیں......

کردار سازی میں کتابیں بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ ان میں کہیں نہ کہیں جھول آجاتا ہے جس کی وجہ سے جامعیت باقی نہیں رہتی...... لہٰذا جب ہم انبیائے کرام کی اعلیٰ شخصیات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ان میں جامعیت نظر آتی ہے...... اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہمارے لئے بہترین رول ماڈل ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کے اخلاقی پہلو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں...... کردار سازی کے ان نبوی فارمولوں سے ہم اچھے باپ، رفیق، شوہر، بہن، بھائی، ہمدرد مالک، وفادار ملازم اور اچھے شہری بن سکتے ہیں......

دنیا میں خیر پر مبنی تمام تصورات ہمیں سیرتِ طیبہ میں نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ذریعے ایک پرامن معاشرے کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اُجڈ، غیر

مہذب، جاہل اور پسماندہ قوم کو ایسے گرانقدر اور سنہری اصولِ زندگی سکھائے جس کی بناء پر اسی قوم کے اندر ایک زبردست اور انقلابی تبدیلی رونما ہوئی اور ایک پرامن معاشرہ کی تشکیل ممکن ہوئی۔ عرب جیسی پسماندہ قوم کے اندر اس تبدیلی نے دنیا کو اسی طرح متاثر کیا جس طرح گھور اندھیرے میں چمکتا سورج آنکھوں کو خیرہ کردیتا ہے۔ یہاں ہم تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند بیش قیمت جو ہر پیش کررہے ہیں۔ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونا امت محمدیؐ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

رب العالمین کے محبوب رحمت اللعالمین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''اور تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کروتو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی۔'' (بحوالہ حاکم)

''اس کی ناک خاک آلود ہو'' (یعنی ذلیل ہو)

یہ بات آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین بار دہرائی۔ لوگوں نے پوچھا کہ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کون ذلیل ہو''......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ شخص جس نے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان دونوں میں سے ایک کی یا دونوں کی خدمت کرکے جنت میں داخل نہ ہوا''

(مسلم)

''اے لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے ہمیشہ پابند رہو کیونکہ وہ تمہاری زیرِ نگرانی ہیں اور اس حیثیت میں نہیں کہ اپنے معاملات خود چلاسکیں، عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو...... تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کے ذریعے جائز اور حلال کیا ہے۔''

(سیرت ابن ہشام۔ جلد دوم)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ''میرے پاس ایک عورت آئی، اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں، وہ مجھ سے کچھ مانگنے آئی تھی۔ اس وقت میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ اور نہ تھا، وہی میں نے اسے دے دی۔ اس نے اس کھجور کو ان دونوں لڑکیوں میں تقسیم کردیا اور خود کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ اٹھی اور چلی گئی۔ اسکے بعد حضرت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے اس عورت کا حال بیان کیا کہ باوجود بھوکی ہونے کے اس نے اپنے اوپر دو بچیوں کو ترجیح دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کو اس کی بچیوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا گیا، پھر اس نے ان بچیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بچیاں اس کیلئے جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔''

(بخاری۔ مسلم)

''مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے دروازے کا چکر لگاتا ہے اور ایک لقمہ، دو لقمے اور ایک کھجور، دو کھجور لے کر لوٹتا ہے، بلکہ مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں رکھتا کہ اپنی ضرورت پوری کرسکے اور اسکی غربت کو لوگ سمجھ نہیں پاتے کہ اسے صدقہ دیں اور نہ ہی وہ لوگوں کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھ پھیلاتا ہے۔''

(بخاری۔ مسلم)

ہر نیک کام صدقہ ہے اور یہ بھی نیک کام ہے کہ تو اپنے بھائی سے ہنستے کھیلتے چہرے کے ساتھ ملاقات کرے۔''

(بخاری)

''اُکھڑپن جس چیز میں ہوگا اسے بدنُما کردے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرمی والا ہے اور نرمی پسند کرتا ہے۔''

''مسلمان کی سعادت اور خوش بختی کی علامت تین چیزیں ہیں: (۱) کشادہ مکان۔ (۲) اچھا پڑوسی۔ (۳) مناسب اور اچھی سواری۔

(الادب المفرد۔ صفحہ نمبر 20)

''مومن سراپا محبت والفت ہے، اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ کسی سے الفت رکھتا ہے اور نہ کوئی اس سے مانوس ہے۔''

(مشکوٰۃ)

''راست باز، امانت دار تاجر روزِ حشر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کیساتھ ہوگا۔''

(مشکوٰۃ)

"انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ دوستی قائم کرنے سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ تم کس سے دوستی کررہے ہو......؟"

(مشکوٰۃ)

"اپنے بھائی کی رہنمائی کرو۔"

(مستدرک حاکم)

"عمل کرتے رہو، جو شخص جس کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس کیلئے وہ آسان ہے۔"

(امام بخاری و مسلم)

"جس کو عقل دی گئی اس نے فلاح پائی۔"

(بخاری)

"اپنی اولاد کی عزت کرو، اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ"......

(بخاری)

"سچا وعدہ ایمان کی علامت ہے۔"

(مستدرک حاکم)

"نماز سکون، عاجزی اور تواضع اختیار کرنے کا نام ہے۔"

(مسلم)

"میانہ روی آدھی زندگی ہے اور حسن خلق آدھا دین ہے۔"

(سنن الکبریٰ، صغریٰ۔ شعب الایمان)

امام غزالیؒ

مشرق میں عباسیوں کی خلافت مادی اور سیاسی اقتدار کھوچکی تھی اور بغداد کے خلیفہ کی حیثیت ایک یادگار یا تبرک سے زیادہ نہ رہی تھی۔ مسلمانوں پر زر و جواہر کے حصول کا غلبہ تھا۔ مسلمان جب دعوت کرتے تھے تو ایک ایک دعوت میں نمود و نمائش کے لئے ہزاروں من شکر خرچ کردیتے تھے۔ جہاں دعوت ہوتی تھی اس میدان یا جگہ کو مجسموں سے سجایا جاتا تھا۔ شکر کو صاف کرکے شیشے کی طرح جماتے تھے اور اس شکر سے بنے ہوئے ٹکڑوں سے شیر، گیدڑ کے مجسمے اور پرندوں کی تصویریں دعوت گاہ کی دیواروں پر مزین کی جاتی تھیں۔ دستر خوان پر طلائی اور نقرئی ظروف میں کھانے چنے جاتے تھے۔ شہر سے باہر جس میدان میں دعوت کا اہتمام ہوتا تھا وہاں دیبا و حریر کے خیمے لگائے جاتے تھے۔ دستر خوان پر مشک و عنبر کی بنائی ہوئی خوبصورت خوبصورت چڑیاں رکھی جاتی تھیں۔

حکومت کے وزراء اور امرا کی بیویاں اپنی اپنی پالکیوں میں شمع برداروں اور سواروں کے جلو میں ایک گھر سے دوسرے گھر جاتی تھیں۔ شادی ہوتی تھی تو دلہن کی ڈولی پر زرنگار پردہ پڑا ہوتا تھا جس میں نہایت قیمتی قسم قسم کے جواہرات ٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ زرق برق لباس میں ملبوس ترکی قلماقیس گھوڑوں پر سوار ڈولی کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلتے تھے۔ جہیز کا سامان سجے بنے ہوئے اونٹ اور خچروں پر جاتا تھا۔ اونٹوں کی گردن میں سونے کی گھنٹیاں اور خچروں کی گردن میں چاندی کی گھنٹیاں بجتی تھیں۔ اونٹوں اور خچروں پر چاندی سے بنے ہوئے صندوقوں میں زیورات اور دلہن کے ملبوسات ہوتے تھے۔

عیش کوشیوں میں مسلمان اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ گانے بجانے اور دوسرے لہولعب کے مشاغل کے لئے ایک ایک نواب کے گھر میں پانچ پانچ سولڑکیاں اور اتنی ہی تعداد میں خدام اور غلام جمع رہتے تھے۔ ایک کنواری لڑکی کی قیمت ۱۴، ۱۴ ہزار اشرفی تک لگتی تھی۔ احمد بن مروان ایک معمولی نواب تھا۔ اس کا نگارخانہ جس میں داد عیش دیتا تھا، اس میں آرائش و آسائش کا سامان تقریباً دو لاکھ اشرفیوں کا تھا۔ فرنیچر اور زیب و زینت کے آلات جڑاؤ تھے۔ ان میں بیش قیمت

جواہرات لگے ہوئے تھے۔ یہ تذکرہ ہے ایک ہزار سال پہلے کا......

قیاس ہے کہ اس وقت سونا ایک روپے تولہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اس وقت سونے کی قیمت اگر چھ ہزار روپے مان لی جائے تو ایک ہزار سال پہلے کے دو لاکھ روپے تقریباً دو ارب روپے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے اندلس کے مشہور اور نامی شاعر اور ادیب رئیس معتمد کے حرم میں آٹھ سو کنیزیں تھیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی اولادوں کی تعداد ایک سو تہتر تھی۔ آٹھ سو رطل (دس من) گوشت روزانہ اس کے باورچی خانے میں پکتا تھا۔

بڑوں کا کہنا ہے کہ دیگ میں سے ایک چاول دیکھ کر یہ پتہ چل جاتا ہے کہ چاول پک گئے ہیں یا کچے ہیں۔ آپ نے ابھی اوپر دو واقعات پڑھے۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی دیگ کے دو چاول ہیں۔ پوری دیگ میں کیا پک رہا تھا اس کا اندازہ بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے۔

اسی زمانے میں ایک صاحب امام غزالیؒ تھے۔

یہ بہت بڑے فقیہہ، بہت بڑے اصولی، بہت بڑے متکلم، مدرس، مصنف، واعظ اور مناظر تھے۔ اپنی فکر کی بلند پروازیوں کی وجہ سے ایک مکتبہ فکر کے بانی تھے۔ شہرت وعزت کے جس مقام پر امام غزالیؒ پہنچے یہ مقام آدم کی اولاد میں چند خوش نصیبوں کو ملا ہے۔ اپنے عہد کی سب سے بڑی حکومت کے فرمان روا، کرتا دھرتا وزیر، نظام الملک طوسی کی نگاہوں میں نہایت قدر ومنزلت انہیں حاصل تھی۔ زرنگار ریشمی عبا اور چوغے ان کا لباس تھا۔ غزالیؒ کے خوبصورت گھر میں باغ تھا۔ جس گھوڑے میں غزالیؒ سوار ہوتے تھے اس کی لگام، رکاب اور زین کی قیمت ہزار سال پہلے پانچ سو اشرفی تھی۔ غزالیؒ کے دوست الفارسی نے لکھا ہے کہ فطرتاً غزالیؒ بڑے تندخو، تنک مزاج آدمی تھے۔ عام آدمیوں کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ نخوت وخود پسندی کا جذبہ غالب تھا۔ قوت گویائی، ذہنی فکر اور دلیل پر ان کو بڑا ناز تھا۔

دوسری جگہ الفارسی لکھتے ہیں

اس شخص پر رعونت کا شیطان سوار تھا۔ اور لیڈری کا شوق ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ علم کا یہ حال تھا کہ مناظروں میں ان کے شاگرد کہتے تھے کہ پہلے ہم سے بات کرو اگر ہم تمہیں مطمئن نہ کرسکے پھر غزالیؒ کے پاس جانا۔

ابن جوزی نے لکھا ہے:

جب غزالیؒ پہلی مرتبہ بغداد آئے تو ان کا حال یہ تھا کہ جتنے القاب وآداب ان کے نام کے

آگے پیچھے لگائے جاتے تھے وہ ان کو کم خیال کرکے چاہتے تھے کہ لوگ ان القاب وآداب میں اور اضافہ کریں۔ (صفحہ نمبر ۱۲۰ جلد ۹۔ منتظم ابن جوزی)

مختصر یہ کہ غزالیؒ دار العلوم نظامیہ کے صدر عالی قدر تھے۔ دار العلوم نظامیہ کی کرسی کی صدارت تک پہنچنا اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو دین ودنیا کی ہر شئے میسر آگئی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ غزالیؒ نظام الملک طوسی کے منظور نظر تھے۔ امام غزالیؒ نے پچاس کتابیں لکھیں۔ ان ہی کتابوں میں ایک کتاب ''قرآن کی تفسیر'' جس کا نام ''یاقوت التاویل فی التفسیر التنزیل'' تھی۔ جس کی چالیس جلدیں تھیں۔ امام غزالیؒ نے عربی اور فارسی زبان میں بھی کتابیں لکھیں۔

غزالیؒ نے جب ظاہرہ علوم کی بلندیوں کو چھولیا اور علم فقہ، اصول فقہ وکلام، منطق وفلسفہ، تصوف واخلاق پر بہترین کتابیں لکھ چکے تو انہیں خیال آیا کہ ظاہرہ علوم کے علاوہ بھی دوسرے علوم ہیں۔ ان کو بھی دیکھنا چاہئے۔ اس زمانے کے فقرا کے پاس گئے اور دس سال اس تلاش وجستجو میں سیاحی کی اور تھک کر بیٹھ گئے...... اور فیصلہ کیا کہ علوم باطن کی کوئی حیثیت ایسی نہیں ہے جس کا ظاہری علوم سے موازنہ کیا جائے۔ غزالیؒ کے ایک دوست نے کہا ''ایک علوم باطن کے عالم ابوبکر شبلیؒ رہ گئے جن کے پاس آپ نہیں گئے۔'' غزالیؒ نے سوچا ان کے پاس بھی ہو آنا چاہئے ورنہ یہ خیال دامن گیر رہے گا کہ سفر پورا نہیں ہوا۔ غرض یہ کہ امام غزالیؒ پانچ سو اشرفیوں کے زرق برق لباس اور مزین سواری گھوڑے پر ابوبکر شبلیؒ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ جس وقت ابوبکر شبلیؒ کے پاس پہنچے وہ مسجد کے صحن میں بیٹھے گدڑی سی رہے تھے...... پشت پر کھڑے ہوکر کہا ''السلام علیکم!'' ابوبکر شبلیؒ نے پیچھے دیکھے بغیر کہا:

''وعلیکم السلام! غزالیؒ تم آگئے؟......

شریعت میں علم پہلے ہے عمل بعد میں۔ طریقت میں عمل پہلے ہے علم بعد میں۔

اگر تمہیں علم باطن کے بارے میں جاننا ہے، کچھ سیکھنا ہے تو پہلے عمل کرو۔ اور عمل یہ ہے کہ سامنے کونے میں جاکر کھڑے ہوجاؤ......''

امام غزالیؒ نے حکم کی تعمیل کی۔

تین روز نہایت اعلیٰ پیمانے پر مہمان نوازی ہوئی اور چوتھے روز سے یہ ڈیوٹی لگی کہ کھجور کی ایک بوری لے جاؤ اور بازار میں کھڑے ہوکر آواز لگاؤ کہ جو میرے سر پر ایک چپت لگائے گا اس کو ایک کھجور ملے گی......

اللہ اکبر...... یہ ریاضت تین سال جاری رہی۔

تین سال کے مراقبات و مجاہدات نے لوگوں کے تلخ و تند الفاظ کے ہتھوڑوں نے جھوٹی عزت و شوکت کے چھلکوں کو اتار دیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ پانچ سو اشرفیوں کے لباس اور زرو جواہرات سے مرصع زین اور رکاب کے ساتھ مزین سواری پر نکلنے والا امام بغداد کا ایک فقیر ہے۔

امام غزالیؒ کے دوست الفارسی نے لکھا ہے:

گذشتہ جنوں سے جب اس شخص کو افاقہ ہوا تو اس نے ہر قسم کی رسمی وضع قطع ترک کر دی۔ حالت یہ ہوگئی تھی کہ ذرا سی بھی کسی میں معرفت اور خدا شناسی کی جھلک ان کو نظر آتی اس کے پیچھے دوڑ پڑتے۔ لوگ چہ مگوئیاں کرتے، ان سے مختلف قسموں کی خبریں منسوب کرتے لیکن وہ خاموشی کے سوا کسی کا جواب نہیں دیتے تھے۔ جب لوگوں کا ہجوم جمع ہوا اور قال کے مقابلے میں حال کے بارے میں استفسار کیا تو امام غزالیؒ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم یہ وقت میرے اوپر نہ آتا تو میری ساری زندگی ضائع ہو جاتی۔''

امام غزالیؒ مجیب الدولہ جیسے سر پھرے وزیر کو لکھتے ہیں:

''تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے جس بلا و آفت میں تم مبتلا ہو، کوئی اور وزیر مبتلا نہ تھا۔ کسی وزیر کے دور میں اس قدر ظلم و تباہی نہ پھیلی ہوئی تھی جتنی تمہارے زمانے میں پھیلی ہوئی ہے''...... اگر کوئی شخص خدمت خلق کرنا چاہتا ہے تو جذبہ خدمت خلق زرق برق لباس پہننے سے ناممکن ہے کیونکہ زیب و زینت کا لباس رعونت اور خودداری کا موجب ہے۔ اگر وہ اس درجہ پر پہنچ جائے کہ عوام اس کی خدمت کریں تو یہ ریاء اور تکبر کا قیدی بن کر رہ جائے گا۔ دراصل یہ ایک نادان ہے جس کی صورت عقل مندوں جیسی ہے۔

ایک بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''نصیحت اور خیر خواہی ایک مملکت ہے، جس کا منشور یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ

''میں نے تمہارے درمیان دو واعظ چھوڑے ہیں، ایک خاموش دوسرا گویا۔ خاموش واعظ موت ہے اور ناطق واعظ قرآن۔''

موت کہتی ہے کہ

جتنے انسان دنیا میں بستے ہیں وہ جان لیں کہ میں تمہاری گھات میں بیٹھی ہوں...... ایک دم نکلوں گی...... کسی کے پاس اپنا ایلچی نہیں بھیجوں گی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہارے ساتھ

کیا کرنے والی ہوں، اگر تم چاہتے ہو کہ میری پاداش سے بچو تو تم یہ عمل اختیار کرو...... امرا کو چاہیے کہ گذشتہ امرا کو دیکھیں...... بادشاہوں کو چاہیے کہ وہ گزرے ہوئے بادشاہوں کو دیکھیں۔

ملک شاہ علق ارسلان اور تغرل بیگ قبر کے اندر سے منادی کرتے ہیں اے بادشاہ! اے آنکھوں کی ٹھنڈک، اپنی رعایا کے معاملے میں احتیاط کرو۔ بچتے رہو۔ ڈرتے رہو۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا انجام کیا ہوا ہے اور ہمارے اوپر کیا بیت رہی ہے اور ہم کس ہولناک منظر کو دیکھ رہے ہیں تم ایک رات بھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھاؤ گے۔ تم ایک دن بھی کپڑے نہیں پہنو گے۔ اگر تمہاری رعایا میں سے کوئی شخص بھی بھوکا ننگا رہا تو تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

قرآن پاک میں ہے:

''جو شخص ذرّہ برابر بھلائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرّہ برابر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

(سورۃ الزلزال۔ آیت 8-7)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار نعمتیں عطا ہوئی ہیں:

۱۔ ایمان
۲۔ درست عقیدہ
۳۔ اچھی صورت
۴۔ اچھی سیرت

اچھی سیرت انسان کے اختیار میں ہے لیکن پہلی تینوں نعمتوں پر انسان کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو تینوں نعمتیں بھرپور طریقے سے عطا کی ہیں تو انسان کو بھی چاہیے کہ چوتھی نعمت کو آراستہ کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔

......جس شخص کی زبان کا ذائقہ بگڑ گیا ہے اس کو میٹھا پانی بھی کھارا اور کڑوا لگتا ہے......

......معلوم ہونا چاہیے کہ مضبوط دیواریں، آہنی دروازے اور مال و دولت کے ذخیرے آفات و مصائب کو دور نہیں کر سکتے۔

......ہر ظالم کی گردن پر دوسرا ظالم سوار ہے اور یہ دونوں مکافات عمل کی چکی میں پستے ہیں۔

......مرض دل کی دوا کتاب اللہ میں تفکر و تدبر ہے۔

......اوروں کو وعظ و نصیحت مت کر۔ اور یہ نکتہ یاد رکھ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتایا گیا۔

''اے فرزندِ مریم! پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر اگر تو نے نصیحت قبول کر لی ہے تو لوگوں کو نصیحت کر، ورنہ شرمسار ہو جا۔''

نظر کے معانی یہ ہیں کہ جس شے پر تم نظر ڈالو اس شے کے اندر تمہیں اللہ تعالیٰ نظر آئے۔ موجودات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جو شخص اس درجے پر فائز ہو جاتا ہے وہ ہدایت کیا بتدا سے ہدایت کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری تحسین و آفرین اور ثواب کی خاطر نہیں کرتے اور ان کے پیش نظر صرف اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ بارگاہ ایزدی تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایسا ربط پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی دعائیں قبول بارگاہ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔''

(سورۃ المومن۔ آیت 60)

جو لوگ ان صفات کے بغیر دعا کرتے ہیں وہ بے ثمر رہتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کوئی بھی مال و دولت کا مالک نہیں ہے۔ ہر شخص جو مال و دولت اور جائیداد کے عشق میں مبتلا ہے۔ لامحالہ اسے سب کچھ چھوڑ دینا ہے۔ وہ لوگ سعادت مند ہیں جو اپنا مال غریبوں اور مسکینوں کو صدقہ کر دیتے ہیں۔ اور جو لوگ مال و دولت جمع کرنے میں الٰہی قانون کا احترام نہیں کرتے، ان کے لئے عذاب اور رسوائی ہے۔ ایسا عذاب اور ایسی رسوائی جس کو اللہ تعالیٰ نے عذاب الیم کہا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال و زر کو اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں نہ اپنی مرضی و اختیار سے دوسروں کو دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا معاملہ ملک الموت کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے...... ملک الموت آ جاتا ہے تو پہنے ہوئے معمولی کپڑے بھی انسان ساتھ نہیں لے جا سکتا۔

امام غزالیؒ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بتاتی ہے:

ایک دن کفن کے کپڑے ہاتھ میں پکڑے امام غزالیؒ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے...... بہ سر و چشم بندہ حاضر ہے...... اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

روح

زمین پر آباد تمام مخلوقات میں سب سے ممتاز مخلوق انسان ہے......

انسان کی کہانی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے۔

جب وہ پیدا ہوتا ہے تو آنکھ، کان، ناک، منہ، سب کچھ ہونے کے باوجود اس کے اندر حواس نہیں ہوتے...... اگر حواس ہوتے ہیں تو ان حواس کو ہم کسی بھی طرح دُنیوی حواس نہیں کہہ سکتے ...... یعنی انسان کا نومولود بچہ شعوری اعتبار سے یا دُنیوی اعتبار سے کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے...... نہ اس کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ دن کیا ہے؟...... اور نہ وہ اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ دن کے بعد رات کیوں آتی ہے؟...... اور رات دن میں کیوں تبدیل ہو جاتی ہے؟...... نہ اسے رشتوں ناطوں کا کچھ علم ہوتا ہے!...... اگر فوری طور پر اس کو ماں سے جدا کر دیا جائے تو وہ اپنی ماں کو بھی نہیں پہچانتا۔

جسمانی طاقت کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ خود سے کروٹ نہیں بدل سکتا...... چہرے پر اگر مکھی بیٹھ جائے تو اسے اُڑا نہیں سکتا...... اُٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا...... ٹانگیں اتنی کمزور ہوتی ہیں کہ اُٹھ کر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا...... آواز کا Pollution اس کے لئے اتنا زیادہ ناگوار ہوتا ہے کہ اگر اس کے سامنے اخبار کا صفحہ پلٹا جائے تو اس آواز سے وہ سہم جاتا ہے، ڈر جاتا ہے...... ذرا سی اونچی آواز برداشت کرنے کی اس میں سکت نہیں ہوتی۔

پھر جب یہی بچہ!...... جسے ہم گوشت پوشت کا لوتھڑا بھی کہہ سکتے ہیں...... اس کے اندر آواز کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے...... بڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے...... تب وہ اپنی مرضی سے کروٹ بھی بدل لیتا ہے...... بیٹھ بھی جاتا ہے...... گھٹنوں کے بل چلتا ہے...... بعد میں ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا ہے...... اور ایک زمانہ گزرنے کے بعد اس کا جسم اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہی بچہ جو خود سے کروٹ نہیں لے سکتا تھا، دو ڈھائی من بوجھ بڑی آسانی سے اپنی کمر پر لاد لیتا ہے...... اس کے جسم میں اتنی طاقت آ جاتی ہے کہ وہی بچہ جو خود سے اُٹھ نہیں سکتا تھا، کئی آدمیوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دے دیتا ہے...... اگر دُھن کا پکا ہو اور یقین اس کے اندر کام کرتا ہو تو

پہاڑوں کو کاٹ ڈالتا ہے...... زمین کو کھود دیتا ہے...... زمین کی تہہ میں سے پانی نکال لیتا ہے...... پیٹرول دریافت کر لیتا ہے...... جس بچہ کو الف کہنا نہیں آتا، وہ Ph.D کر لیتا ہے......

یہ کیسی عجیب کہانی ہے کہ ایک بچہ جو عقل و حواس اور شعور کے نام سے واقف ہی نہیں ہوتا، وہ دنیا میں دانشور کہلاتا ہے اور دانشوروں کی سی بڑی بڑی باتیں بھی کرتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے جو آدم سے شروع ہوا اور ہمارے زمانے تک بتدریج ارتقا پذیر ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جب بچہ پہلے دن زمین پر آیا تو اسکے اندر شعور نہیں تھا، لیکن آخر اب اس کے اندر شعور کیسے پیدا ہو گیا؟...... دوسری بات یہ بھی تفکر کے لائق ہے کہ شعور پیدا کیوں ہوا؟...... اس گوشت پوست کے لوتھڑے میں اتنی طاقت آخر کہاں سے پیدا ہو گئی؟......

پہلی بات یہ ہے کہ بچہ جب اس دنیا میں آیا......

یہاں جب ہم نے یہ کہا کہ "بچہ آیا"...... تو لامحالہ ہم یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بچہ کہیں سے آیا۔

بچہ کہاں سے آیا......

مذہب اس بات کا جواب دیتا ہے کہ بچہ اس دنیا میں آنے سے پہلے عالمِ ارواح میں رہتا تھا...... وہاں سے سفر کر کے ایک روح آئی...... یعنی ایک بچہ ایک روح ہے...... اس طرح ایک لاکھ بچے پیدا ہوئے تو ایک لاکھ روحیں آئیں...... اور جب وہ روحیں یہاں آ گئیں تو ان میں اس دنیا کا شعور نہیں تھا۔

جیسے جیسے روح نے اپنے بنائے ہوئے جسم کو نشو و نما دی، اس دنیا کا شعور بچے کے اندر منتقل ہوتا رہا......

بچہ جب دنیا میں پیدا ہوا تو وہ سنتا بھی تھا...... بولتا بھی تھا یعنی روتا تھا...... ہاتھ پیر ہلاتا تھا...... ہنستا بھی تھا...... اس کے پاس سے اگر کوئی ناگوار آواز گزرتی تھی تو وہ ڈر بھی جاتا تھا...... لیکن اس کے اندر دُنیوی شعور اس طرح نہیں تھا جس طرح کسی دس سال یا چھ سال کے بچے میں ہوتا ہے۔

جب بچہ پیدا ہوا تو اس کے پاس سماعت بھی ہے...... بصارت بھی ہے...... شامہ بھی ہے...... لمس بھی محسوس کر سکتا ہے...... اس کے ہاتھ پیر میں جان بھی ہے...... بول و براز کا نظام بھی متحرک ہے...... لیکن آخر وہ کون سی ایسی چیز ہے کہ جو دنیا میں آنے کے بعد نومولود میں نہیں تھی؟......

بچے کے اندر نوعِ انسانی کے بالغ شعور افراد کی طرح دُنیوی چیک، دُنیوی خواہشات اور ناقص طرزِ عمل نہیں تھا...... بچے کے اندر جو شعور موجود تھا وہ پاکیزہ شعور تھا...... اس شعور میں کھوٹ

اور ملاوٹ نہیں تھی......

آپ سب اس بات سے واقف ہیں کہ جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا رہتا ہے اسی مناسبت سے وہ جھوٹ بھی بولتا ہے...... سچ بھی بولتا ہے...... چوری بھی کرتا ہے...... ڈاکہ بھی ڈالتا ہے...... نیک کام بھی کرتا ہے...... برے کام بھی کرتا ہے...... لیکن وہ یہ سب کچھ پیدا ہوتے ہی نہیں کرنے لگتا...... اس شعور کو Develop ہونے میں کم از کم دس بارہ سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے...... اور بارہ سال سے اٹھارہ سال کی عمر میں وہ دُنیوی نقطۂ نظر سے بالغ شعور کہلاتا ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ نومولود بچے کے اندر دیکھنے کی جو صلاحیت ہے، وہ درحقیقت روح کی صلاحیت ہے!...... وہ عالمِ ارواح سے دیکھتا ہوا آیا ہے...... اگر اس کے اندر سننے کی صلاحیت ہے تو وہ اس کی روح کی صلاحیت ہے...... عالمِ ارواح میں جن کانوں سے وہ سنتا تھا وہ دنیا میں آنے کے بعد بھی انہی کانوں سے سنتا ہے...... اسی طرح اگر اس کے اندر بولنے کی صلاحیت ہے تو وہ صلاحیت بھی روح کی ہی صلاحیت ہے!......

والدین، خاندان اور ماحول جس قسم کی طرزِ فکر بچے کے اندر اُنڈیل دیتے ہیں، بچہ اس طرزِ فکر میں ڈھل جاتا ہے۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب بچہ پیدا ہوا، اس کے اندر دیکھنے کی صلاحیت نہیں تھی!...... آنکھیں تھیں...... آنکھوں میں روشنی بھی تھی...... وہ دیکھتا بھی تھا...... لیکن اپنی ماں کو یا باپ کو دیکھ کر پہچاننے کی صلاحیت اس میں نہیں تھی...... جیسے جیسے وقت گزرا اس نے ماں کو بھی پہچانا، باپ کو بھی پہچانا، بہن بھائی کو بھی پہچانا...... چلنے بھی لگا...... باتیں بھی کرنے لگا...... نیکیاں بھی کرنے لگا...... عبادت بھی کرنے لگا...... غیبت بھی کرنے لگا...... چوریاں بھی کرنے لگا...... چوری سے پرہیز بھی کرنے لگا......

یہاں ہمیں دو باتوں کا پتہ چلتا ہے...... اوّل یہ کہ ہماری مادّی زندگی میں جسم کی ذاتی حرکت کوئی نہیں ہے اور اس کے ثبوت کیلئے بچپن کی مثال ہمارے سامنے ہے...... دوسری مثال یہ ہے کہ بالفرض ایک آدمی 40 سال کی عمر کا ہے، اس کے اوپر موت وارد ہو جاتی ہے......

موت وارد ہونے کا کیا مطلب ہوا؟......

جسم موجود ہے، جسم میں آنکھیں بھی ہیں، کان بھی موجود ہیں، ہاتھ پیر بھی ہیں، دل بھی ہے لیکن جب روح نکل گئی تو اب اس کے اندر کوئی صلاحیت نہیں ہے...... اب اس کی پوزیشن پہلے دن کے بچے کی طرح ہے...... جس طرح بچہ کروٹ نہیں بدل سکتا، اسی طرح مردہ آدمی کروٹ نہیں

بدل سکتا...... جس طرح بچہ بیٹھ نہیں سکتا، اسی طرح مردہ بیٹھ نہیں سکتا...... جس طرح ایک بچہ وزن نہیں اُٹھا سکتا، اسی طرح ایک مردہ آدمی بھی وزن نہیں اٹھا سکتا......

اس ساری تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ انسان کے مادّی جسم کو روح تشکیل دیتی ہے اور اس جسم میں حرکت، نشوونما اور زندگی کی تمام طرزیں روح کی محتاج ہیں......

قارئین کرام!...... ہمارے جسم کی ساری صلاحیتیں روح کے تابع ہیں......

مخلوق دو طرح سے تخلیق ہوئی...... اول عالم ارواح میں جہاں ارواح نے اللہ تعالیٰ کی آواز سن کر اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا لیکن اللہ تعالیٰ کے نظام کے تحت ابھی مخلوق نے وہ روپ اختیار نہیں کیا جہاں مخلوق، خالق کو قبول کرے یا رَد کرے...... عالمِ ارواح میں، جہاں اختیار زیرِ بحث نہیں آتا...... مخلوق نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے...... اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے؟...... لہٰذا عالم ارواح کے بعد مخلوق عالم ناسوت میں آئی...... یہاں روح نے ایک اور جسم بنایا جسے ہم مادّی جسم کہتے ہیں...... یہاں مادّی جسم میں روح نے یومِ ازل کی کیفیت کو دہرایا......

اختیار کہاں سے آیا؟......

اللہ تعالیٰ نے روز اول یہ اختیار دیا تھا......

الست بربکم؟...... کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟......

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روزِ اول اقرار یا انکار کا اختیار دے دیا تھا......

چاہے قبول کرو...... چاہے قبول نہ کرو......

اس اختیار کے استعمال کیلئے روح کو یہ ڈیوٹی دی گئی کہ روح ایک اور وجود بنائے...... لیکن اس جسمانی وجود اور اپنے درمیان پردہ رکھے...... ایسا پردہ جو کوشش اور جدوجہد کے بغیر نہ اُٹھے......

پیارے قارئین! روحانیت کا حصول ہرگز مشکل امر نہیں ہے لیکن روحانیت بہت مشکل سفر بھی ہے...... مشکل اس لئے نہیں کہ روح کے بغیر آپ زندہ ہی نہیں رہ سکتے...... روح آپ کی Reality ہے...... اگر آپ کو یہ یقین حاصل ہوجائے تو آپ کے اور روح کے درمیان کسی بھی قسم کا کوئی فاصلہ نہیں ہے...... اس لئے روحانیت بہت آسان ہے...... لیکن اگر آپ اس مفروضے پر یقین رکھتے ہیں کہ سب چیزوں کا تعلق مادّی جسم ہے، پھر یہ بہت مشکل سفر ہے......

اہلِ روحانیت

یہ کائنات دو علوم پر مبنی اصول و قواعد پر تخلیق کی گئی ہے۔ دونوں علوم میں مشاہدہ اس علم کی حقیقت سے آگاہی کا ذریعہ ہے۔ جب کائنات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس میں مخفی حقیقتوں کا ادراک ہوتا ہے۔

۱۔ کائنات
۲۔ کائنات میں وجود اشیاء

۱۔ وجود اشیاء کی خاصیت و ماہیت
۲۔ وجود اشیاء کو تخلیق کرنے والی ہستی

۱۔ وجود کا منفی رُخ
۲۔ وجود کا مثبت رُخ

۱۔ وجود کا عدم سے ظاہر ہونا
۲۔ وجود کا عدم میں غائب ہونا

تاریخِ عالم میں جتنے بھی علوم رائج ہوئے ہیں یا جتنے بھی نئے نئے علوم کا انکشاف ہوا ہے وہ بھی مثبت اور منفی رُخوں پر قائم ہیں۔

مثبت...... یعنی ''ہے''
منفی...... یعنی ''نہیں''
لیکن جو شئے ہے...... وہ نہیں کیسے ہے؟
اور جو نہیں ہے...... اس کا ہونا کیسے ممکن ہے؟

علماء کے دو گروہ ہیں۔ایک گروہ نے محض ''وجود ہے'' کے اوپر اپنی عمارت کھڑی کی ہوئی ہے۔
دوسرے گروہ نے ''کیوں ہے کہاں سے ہے؟'' کے اوپر اپنے گروہ کا تعارف کرایا ہے۔

علماء کا پہلا گروہ شئے اور شئے کی صفات سے بحث کرتا ہے اور علماء کا دوسرا گروہ شئے کی ماہیت اور حقیقت پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔اس کی مثال یوں ہے کہ ہم بہت قیمتی یا کم قیمت موٹر کار میں سڑک پر چلتے ہیں۔ چلتے چلتے ہمیں سُرخ سگنل نظر آتا ہے۔جس کو دیکھ کر ہم رُک جاتے ہیں اور گرین سگنل کا انتظار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سُرخ رنگ خطرے کی علامت ہے۔ جب ہم سرخ رنگ کا سگنل دیکھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں سرخ رنگ کا بلب یا سرخ رنگ کا شیشہ نہیں آتا کہ جس کے دیکھنے میں ہم مصروف ہوجائیں سگنل کا سرخ رنگ دیکھ کر ہمیں خطرے کی اطلاعات فراہم ہوتی ہیں اور ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ہم نے اگر اس خطرے کے سگنل کو نظر انداز کر دیا اور ایکسلریٹر پر سے پیر نہیں ہٹایا تو ہم ہلاک بھی ہو سکتے ہیں۔

اس کے برعکس جب ہم گرین سگنل دیکھتے ہیں تو ہم گاڑی اسٹارٹ کر دیتے ہیں۔اس کے پیچھے بھی یہی وجہ ہے کہ اب گاڑی چلانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جب ہم سرخ سگنل کا تذکرہ کرتے ہیں تب رنگ کی افادیت یا نقصان کے ساتھ ساتھ محل وقوع بھی زیر بحث آتا ہے......

اگر لیٹر بکس سرخ رنگ کا ہے تو ہم اس رنگ کو دیکھ کر کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے بلکہ آپس میں بھائی چارہ اور تعلقات قائم کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔اپنے پیاروں اپنے محبوب اور اپنے بزرگوں سے تعلقِ خاطر قائم ہونے کا واسطہ جانتے ہیں۔

جب ہم سرخ سگنل دیکھتے ہیں تو ہمارے اندر خطرات، حادثات اور ہلاکت سے بچنے کا جو علم ہے وہ متحرک ہوجاتا ہے۔یعنی سرخ رنگ کے متعین محل وقوع نے ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے کہ ہم خطرات سے محفوظ ہیں۔ یہ وہ طرزِ فکر جس طرزِ فکر میں ماہیت اور حقیقت کی تلاش اور جستجو ہے۔

اسی طرح جب کوئی انسان (جس کی فطرت ہی حقیقت و ماہیت کو تلاش کرنا ہے) اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو وہ اپنی آنکھوں اپنے دماغ اور اپنے اعضا میں گم نہیں ہوجاتا۔ ہر انسان جب خود گہرائی میں مطالعہ کرتا ہے تو جسمانی وجود کے بجائے باطنی وجود میں اس کا ذہن منتقل ہوجاتا ہے۔
نظام تخلیق ظاہر کرتا ہے کہ کائنات مسلسل تغیر پذیر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں تغیر نہیں ہے۔

علمائے ربانی فرماتے ہیں:
''وجود شئے میں تغیر ہے۔حقیقت شئے میں تغیر نہیں ہے۔''

جب تک تغیر پذیری میں انسان گم رہتا ہے اس کے اوپر مصائب، پریشانی اور ادبار کا تسلط قائم رہتا ہے اور جب انسان حقیقت وارده سے متعارف ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر سے وسوسوں، بے ہودہ خیالات اور غم و آلام کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔

جو لوگ سطحی سوچ سے ماوراء گہری سوچ کے حامل ہیں۔ان لوگوں کا ظاہر باطن کے تابع ہوتا ہے جو درجے میں محبوب حقیقی کو تلاش کرتے ہیں اور اس کے نظارے کیلئے ہمہ وقت متوجہ اور منتظر ہوتے ہیں۔

وہ ظاہر کو باطن کی پہچان ......اور باطن کو ظاہر کی روح سمجھتے ہیں۔ظاہری وجود دراصل ان کے لئے باطن تک رسائی کا ذریعہ ہے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں:

> ''اے اللہ میرے ظاہر کو اپنی اطاعت سے، میرے باطن کو اپنی محبت سے۔میرے قلب کو اپنی معرفت سے، میری روح کو اپنے جمال کے مشاہدے سے اور میرے دل کی گہرائی کو اپنی حضوری سے منور فرما۔''

علماء کے دوگروہ ہیں۔ ایک گروہ نے محض ''وجود ہے'' کے اوپر اپنی عمارت کھڑی کی ہوئی ہے۔
دوسرے گروہ نے ''کیوں ہے کہاں سے ہے؟'' کے اوپر اپنے گروہ کا تعارف کرایا ہے۔

علماء کا پہلا گروہ شئے اور شئے کی صفات سے بحث کرتا ہے اور علماء کا دوسرا گروہ شئے کی ماہیت اور حقیقت پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ہم بہت قیمتی یا کم قیمت موٹر کار میں سڑک پر چلتے ہیں۔ چلتے چلتے ہمیں سُرخ سگنل نظر آتا ہے۔ جس کو دیکھ کر ہم رُک جاتے ہیں اور گرین سگنل کا انتظار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سُرخ رنگ خطرے کی علامت ہے۔ جب ہم سرخ رنگ کا سگنل دیکھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں سرخ رنگ کا بلب یا سرخ رنگ کا شیشہ نہیں آتا کہ جس کے دیکھنے میں ہم مصروف ہوجائیں سگنل کا سرخ رنگ دیکھ کر ہمیں خطرے کی اطلاعات فراہم ہوتی ہیں اور ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ہم نے اگر اس خطرے کے سگنل کو نظر انداز کردیا اور ایکسلریٹر پر سے پیر نہیں ہٹایا تو ہم ہلاک بھی ہوسکتے ہیں۔

اس کے برعکس جب ہم گرین سگنل دیکھتے ہیں تو ہم گاڑی اسٹارٹ کردیتے ہیں۔ اس کے پیچھے بھی یہی وجہ ہے کہ اب گاڑی چلانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جب ہم سرخ سگنل کا تذکرہ کرتے ہیں تب رنگ کی افادیت یا نقصان کے ساتھ ساتھ محل وقوع بھی زیر بحث آتا ہے......

اگر لیٹر بکس سرخ رنگ کا ہے تو ہم اس رنگ کو دیکھ کر کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے بلکہ آپس میں بھائی چارہ اور تعلقات قائم کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اپنے پیاروں اپنے محبوب اور اپنے بزرگوں سے تعلقِ خاطر قائم ہونے کا واسطہ جانتے ہیں۔

جب ہم سرخ سگنل دیکھتے ہیں تو ہمارے اندر خطرات، حادثات اور ہلاکت سے بچنے کا جو علم ہے وہ متحرک ہوجاتا ہے۔ یعنی سرخ رنگ کے متعین محل وقوع نے ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کردیا ہے کہ ہم خطرات سے محفوظ ہیں۔ یہ وہ طرزِ فکر جس طرزِ فکر میں ماہیت اور حقیقت کی تلاش اور جستجو ہے۔

اسی طرح جب کوئی انسان (جس کی فطرت ہی حقیقت و ماہیت کو تلاش کرنا ہے) اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو وہ اپنی آنکھوں اپنے دماغ اور اپنے اعضا میں گم نہیں ہوجاتا۔ ہر انسان جب خود گہرائی میں مطالعہ کرتا ہے تو جسمانی وجود کے بجائے باطنی وجود میں اس کا ذہن منتقل ہوجاتا ہے۔

نظام تخلیق ظاہر کرتا ہے کہ کائنات مسلسل تغیر پذیر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں تغیر نہیں ہے۔

علمائے ربانی فرماتے ہیں:

''وجود شئے میں تغیر ہے۔ حقیقت شئے میں تغیر نہیں ہے۔''

جب تک تغیر پذیری میں انسان گم رہتا ہے اس کے اوپر مصائب، پریشانی اور ادبار کا تسلط قائم رہتا ہے اور جب انسان حقیقت واردہ سے متعارف ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر سے وسوسوں، بے ہودہ خیالات اور غم وآلام کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔

جو لوگ سطحی سوچ سے ماوراء گہری سوچ کے حامل ہیں۔ ان لوگوں کا ظاہر باطن کے تابع ہوتا ہے جو درجے میں محبوب حقیقی کو تلاش کرتے ہیں اور اس کے نظارے کیلئے ہمہ وقت متوجہ اور منتظر ہوتے ہیں۔

وہ ظاہر کو باطن کی پہچان...... اور باطن کو ظاہر کی روح سمجھتے ہیں۔ ظاہری وجود دراصل ان کے لئے باطن تک رسائی کا ذریعہ ہے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں:

> ''اے اللہ میرے ظاہر کو اپنی اطاعت سے، میرے باطن کو اپنی محبت سے۔ میرے قلب کو اپنی معرفت سے، میری روح کو اپنے جمال کے مشاہدے سے اور میرے دل کی گہرائی کو اپنی حضوری سے منور فرما۔''

روحانیت کا راز

میں آپ سے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں ۔میں نے کار کی پچھلی سیٹ پر لیٹ اور بیٹھ کر سینکڑوں میل کا دورہ کیا ہے ۔میں جب پہاڑوں میں گیا تو میں نے اونچے اونچے درخت دیکھے۔میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ درخت اوپر ہی کیوں جاتے ہیں ، نیچے کیوں نہیں پھیلتے۔جب میں نے اس بات پرغور کیا تو میری سمجھ میں آیا کہ آدمی بھی تو اوپر کی طرف بڑھ رہا ہے ۔ایک آدمی چھوٹا سا بچہ ہوتا ہے۔بیٹھ بھی نہیں سکتا، لیٹا ہی رہتا ہے۔پھر وہ بیٹھ جاتا ہے۔بیٹھنا بھی اس بات کی علامت ہے کہ وہ اوپر کو بڑھ رہا ہے۔پھر وہ جوانی میں آجاتا ہے۔دوفٹ کا بچہ پونے چھ فٹ کا ہوجاتا ہے۔

یاالٰہی! ہر چیز اوپر کی طرف کیوں بڑھ رہی ہے ۔اوپر ہی کیوں جارہی ہے ۔زمین تو اپنی طرف کھینچ رہی ہے ۔آپ سے بھی میں درخواست کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ حل کریں ۔ہر شئے آدمی، درخت، مکان، پلازہ یہ سب اوپر ہی اوپر کیوں جاتے ہیں......؟

آپ بھی غور کریں میں بھی تفکر کرتا ہوں۔

پانی کا نیچر یہ ہے کہ وہ نشیب میں بہتا ہے لیکن درخت کے تنے میں وہ اوپر ہی اوپر چلتا ہے۔انتہا یہ ہے کہ ۸۰ فٹ کے ناریل کے درخت پر پیالوں میں جمع ہوکر لٹک جاتا ہے، ہم زمین کھودتے ہیں تو ہمیں وہاں پر کوئی پسٹن پمپ نظر نہیں آتا لیکن پانی چشمہ میں اوپر کی طرف ابل رہا ہے ۔ہم کہتے ہیں کہ ہمیں زمین کھینچ رہی ہے تو زمین کے کھینچنے کا مطلب تو یہ ہے کہ زمین نے جڑیں پکڑی ہوئی ہیں ۔درخت کی تو جڑیں زمین کے اندر ہیں مگر دس فٹ، بیس فٹ، پچاس فٹ، اسی فٹ کا درخت آسمان سے باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے ۔زمین میں تین چار فٹ تک جڑیں ہوتی ہیں اور درخت کا قد اسّی فٹ سے زیادہ ہوجاتا ہے۔

کششِ ثقل کا یہ فارمولا کہ زمین اپنی طرف کھینچ رہی ہے، اپنی جگہ مسلّم......

لیکن درخت اوپر ہی اوپر کیوں جارہے ہیں......؟

سائنسی علوم کی طالبات، طلباء اور پڑھے لکھے لوگوں سے عاجزی کے ساتھ درخواست ہے

کہ اس سوال پر غور کریں۔

خود میں نے زیادہ سوچ بچار کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے ذہن میں قرآن پاک کی یہ آیت آئی:

''چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ایسی نہیں ہے قرآن نے جس کی وضاحت نہ کی ہو۔''

(سورۃ القمر۔آیت53)

قرآن کریم ایک مکمل دستاویز ہے اس کتاب میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر بات وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیان کردی ہے۔اس آیت کو پڑھ کر میں نے اس مسئلہ پر غور کیا کہ ہر چیز اوپر ہی اوپر کیوں جارہی ہے......؟
کشش ثقل ہونے کے باوجود جڑیں پچاس فٹ اندر کیوں نہیں جاتیں۔تین چار فٹ جڑوں پر قائم درخت اسّی فٹ کا ہے۔اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے میرے ذہن میں ایک اور آیت آئی:

قالو انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

(سورۃ البقرہ۔آیت156)

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے......نزول کا ذکر ہے۔زمین کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے......بلندی کا ذکر ہے، آسمان کا ذکر ہے، عرش وکرسی کا ذکر ہے۔

اب آپ یہ غور کریں کہ زمین پر جو چیز بھی نازل ہوگی، بچے کا پیدا ہونا بھی زمین پر نزول ہے، اُس کا رُخ صعود کی طرف ہے۔بچہ بڑا ہورہا ہے۔آسمان کی طرف بڑھ رہا ہے۔درخت بھی بڑا ہورہا ہے۔

ہر چیز جو نزول کررہی ہے وہ صعود کررہی ہے۔یہ بات بھی روحانی طلباء اور طلبات کو معلوم ہے کہ مرنے کے بعد آدمی اعراف میں چلا جاتا ہے۔اعراف بھی بلند مقام ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی زندگی نزول وصعود ہے۔وہ نزول کرتا ہے۔زمین پر نازل ہوتا ہے اور عالم بالا میں صعود کرجاتا ہے۔کوئی آدمی اس بات کو تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن اس بات سے

انکار نہیں کرسکتا کہ جو چیز زمین پر نازل ہوگئی وہ ہر حال میں صعود کرتی ہے......؟

میرے بچو! میرے شاگردو! میرے دوستو اور بزرگوں! انسان کیا ہے؟

انسان اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے وہ نزول وصعود میں زندگی بسر کررہا ہے۔

جب ساری زندگی رجوع الی اللہ ہے تو ہمارا کام تو بہت آسان ہوگیا ہے۔صرف ہمیں اتنا سوچنا ہے کہ پیدائش کے بعد ہمارا رُخ ہر لمحہ ہر آن اللہ تعالیٰ کی طرف ہوا گر ہم اس بات کو سمجھ لیں ،اس بات کو بار بار دہرائیں تو ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوجائے گا......

روحانیت کا ایک اصول ہے۔اگر روحانیت کا کوئی راز آپ کو معلوم ہوجائے تو اس راز کو جتنا زیادہ آپ دہرائیں گے اسی مناسبت سے آپ کی روحانی صلاحیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے۔اللہ تعالیٰ آپ سب کو صحت وتندرستی عطا کرے۔اللہ تعالیٰ ہمارے ملک میں، ہمارے شہر میں امن وامان قائم رکھے۔یہ نہ سمجھیں کہ محض تفریحِ طبع کے لئے کوئی نئی بات سننے کو مل گئی ہے۔اپنے اندر گہرائی پیدا کرنے کے لئے اپنے من کو شانت کرنے کے لئے تفکر کریں۔اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو، میری قوم اور ملک کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔(آمین)

سسٹم

دنیا میں جتنے بھی علوم رائج ہیں ...... مثلاً ریاضی، کیمسٹری، فزکس، طب، آسٹرونومی، جیولوجی، فزیولوجی، سائیکالوجی...... سائنس اور سائنس سے Related بہت سارے سائنسی علوم...... ماس کمیونیکیشن ...... ریکی ...... ٹیلی پیتھی ......ادب اور شاعری...... وغیرہ وغیرہ......

کسی بھی علم کو جب ہم سیکھنا چاہتے ہیں تو اس میں وقت ضرور لگتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا اور آئندہ ہونے کی کوئی امید بھی نہیں کہ کسی علم کو پانی میں چینی گھول کر شربت کی طرح پلا دیا جائے ...... شربت بنانے میں دو تین منٹ ضرور لگتے ہیں...... اگر ہم شربت بنانے کے بارے میں سوچ بچار کریں تو سطحی سوچ یہ ہوتی ہے کہ ہم نے دو منٹ میں شربت بنا کر پی لیا ہے......

شربت کیسا بنا؟...... شربت کن چیزوں سے بنا؟...... اور شربت کے لوازمات جمع کرنے کے پیچھے کتنا زمانہ لگا، یہ ایک پورا سسٹم ہے!......

کسان نے زمین میں کھیت بنایا، کھیت میں پانی دیا...... ہل چلایا اس کے بعد گنا بویا...... پانچ چھ مہینے میں گنے بڑے ہوئے...... اور زمین سے رس چوس کر اپنے اندر جمع کیا...... کسان نے گنے کاٹے ...... وہاں سے وہ بیلنے پر گئے...... ان کا رس نکلا، رس کو بڑے بڑے کڑھاؤ میں پکایا گیا...... پکانے کے بعد اس رس کو گھوٹا گیا...... اور گڑ بنا......

کسان بیل گاڑیوں، ٹرکوں پر لاد کر گنے کو شوگر مل میں لے گئے...... شوگر ملوں نے گنوں کا رس نچوڑا...... رس کو کیمیکل کی آمیزش سے چینی بنایا...... چینی بوریوں میں بھری گئی...... کارخانے سے ان بوریوں کو ٹرکوں نے اٹھایا...... چینی منڈی آئی...... آڑھتی کے پاس سے خوردہ فروش ان بوریوں کو خرید لائے...... میں، آپ، زید، بکر...... دکان میں گئے...... دکان سے چینی خریدی...... چینی کے دو چمچ ایک گلاس پانی میں ڈال کر چینی کو پانی میں حل کیا اور شربت بنا......

یہ شربت میں نے، آپ نے یا زید، بکر نے پی لیا......

ابھی بات ختم نہیں ہوئی......

شوگر ملیں لوہے سے بنیں...... لوہے کو پگھلا کر کاسٹ آئرن بنا...... کاسٹ آئرن کو بھٹیوں

میں پگھلا کر ڈائیوں میں ڈالا گیا...... ڈائیوں سے کل پرزے بنے، انجینئروں نے ان کل پرزوں کو جوڑ کر مشینیں بنائیں!...... مشینیں بجلی کی طاقت سے چلتی ہیں...... بجلی نے بیلنوں (Roller) کو حرکت دی...... بیلنوں نے گنوں کا رس نچوڑا......

بات ابھی بھی ختم نہیں ہوئی......

کسان اگر زمین میں پانی نہ دیتا تو گنوں میں رس نہیں بھرتا......

پانی دریاؤں سے نہروں میں آیا اور نہروں سے واٹر کورس کے ذریعے کھیتوں میں منتقل ہوا...... اونچے اونچے پہاڑوں پر بارش برسی، آبشاریں گریں، آبشاروں نے لبالب دریاؤں کو بھر دیا...... دوسری طرف پہاڑوں پر برف گری...... کئی کئی فٹ برف نے پہاڑوں کی چوٹیوں کو ڈھانپ لیا...... گرمی پڑی...... سورج کی تپش سے برف پگھلی...... دریاؤں اور نہروں میں پانی آیا......

ایک اور منظر ہر آنکھ کے سامنے آتا ہے...... سمندر میں مدّ و جزر ہوتا ہے...... اس مدّ و جزر سے بیس بیس چالیس چالیس فٹ لہریں اٹھتی ہیں...... یہ لہریں جوش و خروش کے ساتھ گلے ملتی ہیں اور ہر لہر جوش میں، خوشی میں گلے مل کر بکھر جاتی ہیں...... لہروں کے ٹوٹنے اور بکھرنے سے بخارات بنتے ہیں...... ان بخارات کو ہوا اپنے دوش پر لے کر اُڑتی ہے...... خلا میں پہنچتی ہے...... خلا میں آکسیجن کم ہونے کی وجہ سے یہ بخارات ذرّوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور یہ ذرات برف کی شکل میں تبدیل ہو کر دھنکی ہوئی روئی Snow Flakes کی طرح پہاڑوں پر گرتے ہیں۔

شربت بنانے کی بات ابھی بھی پوری نہیں ہوئی!......

شربت بنانے کے جو لوازمات ہیں، ان کی تفصیل ابھی باقی ہے......

ڈیم میں پانی جمع ہوا...... سرنگوں کے ذریعہ، پانی کو ٹربائن سے ٹکرایا گیا...... ٹربائن جب چلے تو اس کی تیز رفتاری سے حرارت پیدا ہوئی...... اس حرارت کو میگنٹ نے کھینچ کیا اور اس ذخیرہ کو دوسری مشینوں کے ذریعہ بجلی بنایا گیا...... یہ بجلی بڑے بڑے پاور ہاؤسز سے گزر کر ہائی ٹینشن تک آئی، ہائی ٹینشن کے تاروں سے گرڈ اسٹیشن میں پہنچی...... وہاں سے پی ایم ٹی میں منتقل ہو کر بلبوں، ٹیوب لائٹس میں روشن ہوئی اور مشینوں میں حرکت بنی۔

کتنی معمولی بات ہے کہ میں نے شربت پیا ہے!......

اور کس قدر غور و فکر کی بات ہے کہ چینی کا شربت تو ایک یا دو منٹ میں تیار ہو گیا لیکن شربت بنانے کیلئے جو لوازمات ہیں اسکے پیچھے پوری ایک داستان ہے!...... ایسی داستان کہ جس میں

حقیقت چھپی ہوئی نظر آتی ہے...... اس بات کو ہم اس طرح بیان کرسکتے ہیں کہ ایک منٹ کے کام میں مہینوں کا زمانہ درکار ہے...... اس دنیا میں ہر آدمی لین دین اور حساب کتاب میں الجھا ہوا ہے...... میں نے یا آپ نے شربت کا ایک گلاس دو منٹ میں تیار کیا اور پی لیا...... دو منٹ کا یہ کام ہم نے اصل میں چھ مہینوں کا زمانہ صرف کرکے انجام دیا...... چھ مہینہ میں ایک سو اسّی (180) دن ایک سو اسّی (180) راتیں اور دو لاکھ اُنسٹھ ہزار دو سو (2,59,200) منٹ ہوتے ہیں۔ اس بات کو ہم اس طرح بیان کریں گے کہ اگر ایک سو اسّی دن، ایک سو اسّی راتیں اور دو لاکھ اُنسٹھ ہزار دو سو منٹ نہیں گزرتے تو ہم شربت نہیں پی سکتے تھے......

دنیا میں کوئی ایک چیز ایسی نہیں جو وقت کے پیمانوں میں بند نہ ہو اور وقت کے پیمانوں سے آزاد ہو...... اگر کوئی چیز وقت کے پیمانوں سے آزاد نہیں ہے تو علوم وقت کے پیمانوں سے کیسے آزاد ہوسکتے ہیں؟...... یہ ساری باتیں جو مختلف زاویوں سے مختلف لوگ لکھتے ہیں یا مختلف عنوانات کے تحت بہت سارے لوگ تحریر میں لاتے ہیں یا مقرر حضرات اپنی تقریروں سے عوام کو سمجھاتے ہیں، یہ سب انسان ہوتے ہیں......

چھ ارب انسانوں میں ایک آدمی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ آدمی پیدا ہوتا ہے!...... پیدائش کیلئے ضروری ہے، ایک مرد ہو، ایک عورت ہو...... عورت بھی پیدا ہوتی ہے، مرد بھی پیدا ہوتا ہے!...... جب یہ دونوں سولہ یا اٹھارہ سال کے ہوتے ہیں تو ان کی شادی ہوتی ہے...... شادی کے بعد نطفہ قرار پاتا ہے، پہلے مرحلے میں نطفہ ناقابل تذکرہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کی شکل مٹر کے دانے کے برابر ہوجاتی ہے...... مٹر کے دانے میں ریڑھ کی ہڈی بنتی ہے...... دماغ بنتا ہے...... مٹر کے دانے کے اندر سے ہاتھ پیر نکلتے ہیں...... ہڈیوں کا ڈھانچہ بنتا ہے...... ہڈیوں کے پنجرہ میں قدرت دل، پھیپھڑے، گردہ، جگر وغیرہ لٹکا دیتی ہے اور اس بچہ کی نشوونما میں نو مہینہ لگ جاتے ہیں...... نو مہینہ کے بعد ایک خوبصورت تصویر ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے اور ہم اس خوبصورت تصویر پر فریفتہ ہوجاتے ہیں۔

قانون یہ بنا کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ وقت کے اندر بند ہے...... کوئی بچہ وقت گزارے بغیر لڑکپن میں نہیں جاتا...... کوئی لڑکا یا لڑکی وقت گزارے بغیر جوان نہیں ہوتی...... کوئی جوان آدمی وقت گزارے بغیر بوڑھا نہیں ہوتا اور کوئی بوڑھا وقت گزارے بغیر اس دنیا سے رخصت نہیں ہوتا......

بچہ جب پیدا ہوتا ہے، اس کے اندر شعور صفر کے برابر ہوتا ہے...... لیکن لاشعوری دنیا پوری طرح اس کے اندر موجود ہوتی ہے...... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چھ ارب انسانوں کے شعور

کی چھاپ مسلسل اس کے شعور پر پڑتی رہتی ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ لاشعور صفر ہو جاتا ہے اور شعور کی دنیا بچہ کے اوپر غالب آجاتی ہے، لاشعور کے نقوش بچہ کے اندر کیوں گہرے ہوتے ہیں اور شعور صفر کیوں ہوتا ہے؟...... اس کا جواب یہ ہے کہ بچہ لاشعوری دنیا یعنی عالم ارواح سے، شعور یعنی محدود دنیا میں آتا ہے...... یہ دنیا محدود ہے...... روحانی دنیا لامحدود ہے......

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ شعور کے پروان چڑھنے میں چورانوے لاکھ ساٹھ ہزار آٹھ سو (94,60,800) منٹ لگتے ہیں...... یعنی لاشعور سے دور ہونے کے لئے ایک مرد یا عورت کو کم سے کم اٹھارہ سال لگتے ہیں......

جہاں تک شعور و لاشعور، محدود و لامحدود، زمان و مکان کا تعلق ہے یہ صرف انسان کیلئے مخصوص نہیں ہے...... اللہ تعالیٰ کا قانون تمام مخلوقات کیلئے یکساں ہے...... سب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں...... سب جوان ہوتے ہیں...... سب بوڑھے ہوتے ہیں اور سب شعوری دنیا سے Cut Off ہو جاتے ہیں اور لاشعوری دنیا میں چلے جاتے ہیں......

جس طرح انسان کا بچہ وقت کے پیمانوں میں بند ہو کر زندگی گزارتا ہے، اس طرح ہر مخلوق وقت کے پیمانوں میں بند ہو کر زندگی گزارتی ہے...... میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کسی بھی علم کو سیکھنے کیلئے یا زندگی کا کوئی بھی عمل کرنے کیلئے وقت کی پابندی ضروری ہے...... مجھ سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ روحانی علوم سیکھنے میں اتنی دیر کیوں لگتی ہے؟......

کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی مضمون پڑھتا چلا جاتا ہے...... مضمون میں ایسا Flow ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کی فہم اس کا ساتھ نہیں دیتی لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پڑھنے والے میں سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے...... صلاحیت موجود ہے! لیکن صلاحیت کے استعمال میں بھی وقت درکار ہے......

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی تحریر سمجھ میں نہ آئے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ مضمون قاری کی فہم اور بصیرت سے زیادہ ہے، کیوں کہ مضمون کی نوعیت عام طرز بیان سے ذرا ہٹ کر ہوتی ہے، اسلئے مضمون کے معنی اور حکمت کا شعور پر وزن پڑتا ہے لیکن اگر اس مضمون کو ٹھہر ٹھہر کر سمجھ کر تین دفعہ یا پانچ دفعہ پڑھ لیا جائے تو مضمون کا پورا مفہوم مضمون کی پوری حکمت دماغ پر روشن ہو جاتی ہے......

ناسوتی دنیا اور ماورائی دنیا

حضرت امام جعفر صادقؒ کی نظر میں علم کی تعریف یہ ہے

''ہر چیز جو آدمی کو کچھ سکھائے علم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

''ہم نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

(سورۃ العلق۔ آیت 5)

کوئی بھی انسان جب علم کا تذکرہ کرتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ کچھ سیکھا جائے اور کچھ سکھایا جائے۔ ہم جب لفظ کائنات بولتے ہیں تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہم علوم کے ہزاروں لاکھوں شعبوں کی نشاندہی کر رہے ہیں کائنات کے لفظ کو اگر حرفوں میں تبدیل کیا جائے تو

ک...... ا...... ء...... ن...... ا...... ت...... کے حروف ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرتے ہیں......

ک ...... ک کی بساط پر تفکر کیا جائے تو ''ک'' مثلث کے تین الگ الگ ضلعوں کا انکشاف ہے۔

ک کے بعد ا ...... بھی مثلث کے ایک ضلع کا نقش ہے۔

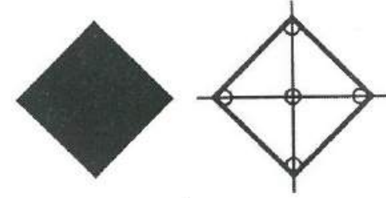
ء ...... آدھا دائرہ اور مثلث کے ایک ضلع پر مشتمل ہے۔

ن ...... دائرے کی شکل پیش کرتا ہے۔

پھر ا ...... مثلث کا ایک ضلع ہے۔

ت ...... مثلث کا دوسرا ضلع ہے......

اب رہ گئی نقطے کی بات...... نقطے کی تشریح اس طرح کی جائے کہ نقطے چار زاویوں پر قائم ہیں جبکہ اگر نقطے میں کراس بنا دیا جائے تو حاصل چار مثلث ہوتے ہیں۔



آدم کا پہلا ٹھکانہ جنت ہے...... جنت سے نکل کر اور مختلف مقامات سے گزر کر وہ اس دنیا میں آیا ہے۔ کوئی ایک فرد بھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ آدم وحوا جب تک جنت میں تھے انہیں ماورائی علوم کا ادراک تھا اور جب وہ جنت سے نکل کر عالمِ ناسوت یعنی اس دنیا میں وارد ہوئے تو ماورائی علوم کے ادراک پر گہرے پردے پڑ گئے۔

......اور یہ پردے بیک قلم...... بیک وقت...... یا ناگہانی حادثے کے طور پر حائل نہیں ہوئے...... بتدریج لاشعور پر شعور کا غلبہ ہوتا رہا...... انسان کومل بچے کی صورت میں جب پہلی مرتبہ دنیا میں قدم رکھتا ہے تو سب جانتے ہیں کہ اس کے اندر شعور کی داغ بیل تو پڑ چکی ہے لیکن لاشعور غالب رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ بول نہیں سکتا...... اسکی نظر میں ٹھہراؤ ہونے کی وجہ سے نظر کسی ایک حدف پر قائم رہتی ہے۔

پھر آہستہ آہستہ اس کی سوچ میں ارتقا ہوتا ہے۔ نظر میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور فہم میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی بچہ جو شعوری اعتبار سے صفر کے برابر ہوتا ہے۔ ہفتوں اور ماہ وسال گزرنے کے ساتھ ساتھ شعور کی سیڑھیاں چڑھتا رہتا ہے۔ تقریباً چھ ماہ کی عمر میں اسے بیٹھنا آجاتا ہے اور اس کی پہچان کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے۔ دو سال کی عمر میں بچے کا شعوری ارتقا اتنا ہوتا ہے کہ وہ دو سال میں کم وبیش سو الفاظ سیکھ لیتا ہے۔ دو ڈھائی سال کے بچے کو نرسری کلاسوں میں داخل کردیا جاتا ہے۔ پہلے نرسری کلاسیں دو سال کی ہوتی تھیں اب تین سال میں پوری ہوتی ہیں۔ اس کے پیچھے تعلیم کو ذریعہ معاش بنانا بھی ہے۔ تین سال میں بچہ حروف تہجی (26 Alphabets) ABCD...... اور گنتی 1,2,3 (100 اعداد)...... مجموعی طور پر 126 الفاظ سیکھ لیتا ہے۔

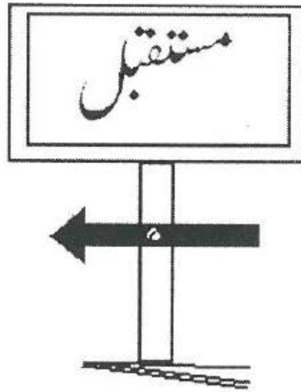
ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ماورائی دنیا سے نکل کر تین سال کے عرصے میں بچہ ڈیڑھ سو یا ڈھائی سو الفاظ پر عبور حاصل کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماورائی دنیا کا باسی بچہ دنیا میں جب آتا ہے تو دنیا کی زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے 226 الفاظ تین سال میں سیکھتا ہے۔ جیسے جیسے زندگی آگے بڑھتی ہے الفاظ کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور بچہ لڑکپن سے نکل کر جوانی کے دور میں داخل ہوجاتا ہے۔ 18 سال کی عمر میں اسے باشعور سمجھا جاتا ہے۔

شعوری دنیا میں مقام حاصل کرنے کیلئے 6,570 (چھ ہزار پانچ سو ستر) دن اور 1,57,680 (ایک لاکھ ستاون ہزار چھ سو اسّی) گھنٹوں کی مسافت طے ہوئی۔

سمجھ لیجئے!...... میں 18 سال کا ایک تنومند ذہین اور خوبصورت نوجوان ہوں...... میرے اعصاب مضبوط ہیں۔ سینہ بھرا ہوا کشادہ ہے۔ کمر سیدھی ہے۔ گردن میں خم نہیں ہے۔ آنکھیں روشن ہیں...... کانوں میں سننے کی Wavelength اپنی مقدار کے مطابق پوری ہے۔

میں ایک دوراہے پر کھڑا ہوں...... ایک راستہ میرے پیچھے ہے...... اور ایک راستہ میرے آگے ہے...... سامنے والے راستہ پر مستقبل کا نشان لگا ہوا ہے اور پیچھے والے راستے پر (جس پر میں 18 سال تک مسلسل چلتا رہا ہوں) ماورائی دنیا کا Sign ہے......



فرض کیجئے!...... چھ ارب انسانوں میں سے میں ایک انسان ماورائی دنیا کا سفر کا طے کرنا چاہتا ہوں۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ مستقبل کے Sign والے راستے پر چلنے سے مجھے کیا حاصل ہوگا؟ جو کچھ حاصل ہوگا!...... کیا وہ میرا ہے؟......

کوٹھی، بنگلے، کاریں، فیکٹریاں، سب ہیں...... لیکن میں مستقبل کی شاہراہ پر چلتے چلتے 60 سال کی عمر میں پہنچتا ہوں تو مجھے اس بات کا علم ہی نہیں ہے کہ یہ سب چیزیں مجھ سے منہ کیوں موڑ

لیتی ہیں۔ جن کے حصول کیلئے میں نے خون پسینہ ایک کر کے اپنی توانائی اور انرجی کو ایندھن کی طرح جلا دیا ہے...... ان میں سے کوئی ایک شئے میری وفادار نہیں ہے۔ نہ بینک بیلنس میرا وفادار ہے...... نہ چہیتی بیوی میرے ساتھ جاتی ہے...... نہ محبت کے دعوے کرنے والا شوہر بیوی کے ہمرکاب ہوتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جس ماں نے جنم دیا ہے...... جس ماں نے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ میری زندگی میں انڈیل کر مجھے پروان چڑھایا ہے...... وہ بھی میرے ساتھ نہیں جاتی......

میری والدہ، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت کی تمام نعمتیں انہیں حاصل ہوں...... نے ایک دفعہ فرمایا......

''ایک ماں اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتی تھی۔ بیٹی بیمار ہوگئی۔ ماں نے جب حالت تشویش ناک دیکھی، اس نے کہا...... اے اللہ اگر میری بیٹی کا وقت پورا ہو گیا ہے تو اس کی جگہ مجھے اٹھا لے اور میری زندگی میری بیٹی کو بخش دے...... آس پاس ملک الموت صاحب یہ بات سن رہے تھے۔ وہ اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے...... ماں ڈر گئی...... ملک الموت نے کہا...... ڈرو نہیں! ابھی تم مجھے یاد کر رہی تھی میں آ گیا ہوں...... ماں نے فوراً انگلی سے اشارہ کیا اور کہا...... ''وہ...... وہاں کمرے میں پڑی ہے''......

دوسرا راستہ جس کے Sign Board پر لکھا ہے:



ماورائی دنیا کے بارے میں ہمیں جو علم ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں سکون ہے...... راحت ہے...... خوشی ہے...... جھرنوں سے کل کل کرتا لطیف پانی ہے...... دودھ اور موتی رنگ آبشاریں ساز بجا رہی ہیں...... شفاف یخ بستہ ٹھنڈے پانی کے چشمے ہیں...... دودھ اور شہد کی نہریں ہیں...... زمرد یاقوت اور سچے موتی کے محل ہیں...... چھتری نما درخت اس سلیقے سے کھڑے ہیں کہ

درخت کی گولائی میں کوئی ایک پتا اِدھر اُدھر نہیں ہے...... کوئی شاخ اوپر نیچے نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ مشروم کی طرح درخت اپنے تنے پر قائم ہیں۔ درخت ستون کی طرح ہیں اور ستون شیشے کا بنا ہوا ہے۔ اس میں درخت کی رگیں رنگ برنگی ٹیوب لائٹیں جیسی ہیں۔ ان ٹیوب لائٹوں میں سے گزر کر رنگ رنگ پانی اوپر جاتا ہے۔ ہر پتا ایک قمقمہ ہے اور ہر درخت کا پھل ایسا شیریں ہے، اتنا خوشبودار ہے کہ دنیا میں کسی بھی طرح اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی...... اس ماورائی دنیا کے ایک ایک حصہ میں خوبصورتی منعکس ہوتی ہے۔ پھولوں کے تختے ہیں۔ کنول کے پھولوں سے اٹا اَٹ بھرے ہوئے تالاب ہیں...... پرندے نغمہ سرا ہیں اور ہوا مدحتِ شانِ الٰہی بیان کرتی ہے...... فضا خمار آلود ہے۔ ایسا خمار جس میں انسان خوشی کے علاوہ کچھ محسوس نہیں کرتا......

اس دنیا میں خوف ہے نہ غم ہے...... حرص ہے نہ ہوس ہے...... دشمنی ہے نہ عداوت ہے...... بخیلی ہے نہ تنگ دلی ہے...... تنگ دستی ہے نہ مفلسی ہے...... بیماری ہے نہ عذاب ہے...... ہر روز روزِ عید ہے اور ہر شب شبِ براُت ہے...... بات پھر وہاں سے شروع ہوتی ہے کہ اس دنیا کیلئے عازمِ سفر ہونا چاہتا ہوں جہاں سکون ہے......

قارئین!...... اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ اللہ میاں آپ کو سکون کی دولت سے نوازے۔ ڈپریشن سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے محبوب بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں جگہ عطا فرمائے۔

آپ سے سوال یہ ہے کہ میں اس دنیا میں کس طرح پہنچوں؟......

آپ یہ کہیں گے کہ بات سادہ اور آسان ہے...... اس میں کون سی مشکل بات ہے، جس رستے پر ماورائی دنیا کا Sign ہے اس راستے پر چل پڑو...... جب راستے پر آدمی چلتا ہے۔ چلتے چلتے اسے مقام مل جاتا ہے......

میرے عزیز دوستو! میرے بچو! میں آپ کی بات سمجھ گیا...... اور اچھی طرح سمجھ گیا ہوں...... مجھے یہ کرنا ہے کہ میں اپنا رُخ مستقبل کے اَن دیکھے راستے سے موڑ کر دیکھے ہوئے ماضی کے راستے پر کر لوں یعنی About Turn ہو جاؤں...... اس لئے کہ جب تک About Turn نہیں ہوں گا، ماورائی راستہ جو میرے پیچھے ہے میں اس پر نہیں چل سکتا......

بالکل صحیح ہے!...... اس میں کوئی مرحلہ نظر نہیں آتا...... لیکن اب دوسرا سوال یہ ہے کہ میں 18 سال تک ماورائی دنیا کے متضاد راستہ پر چلتا رہا...... کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے ماورائی دنیا

میں پہنچنے کیلئے 18 سال تک Reverse چلنا ہوگا؟......

میرے بچو!...... مجھے بتاؤ...... جب میں Reverse چلوں گا تو میری زندگی کے 70 یا 80 سال جس کو میں نے مستقبل کا نام دیا ہے وہ کیسے پورے ہوں گے؟......

میں نے اس بات پر بہت غور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ بات ڈالی ہے کہ انسان کی زندگی کے دو رُخ ہیں...... ایک رُخ اسے Reverse زندگی میں چلاتا رہتا ہے اور دوسرا رُخ اسے مستقبل کی زندگی کے لئے متحرک رکھتا ہے۔

ماورائی دنیا میں Time & Space نہیں ہے۔ ناسوتی دنیا میں Time & Space کے بغیر گزارہ نہیں......

پیارے بچو!......اصل بات یہ ہے کہ زندگی پابندی اور آزادی میں ردوبدل ہو رہی ہے......
جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو پابند زندگی میں سانس لیتے ہیں اور جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارے حواس آزاد ہو جاتے ہیں...... اگر ہم اس قانون کے تحت نصف زندگی جو ہماری آزاد زندگی ہے اُس کو اپنے اوپر غالب کر لیں......تو ناسوتی دنیا میں رہتے ہوئے بھی ہم ماورائی دنیا میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس کا آسان اور سہل طریقہ یہ ہے کہ ہم اس زندگی میں داخل ہو جائیں جو ماورائی دنیا سے نکل کر ہمارا پہلا مقام...... یعنی معصومیت اور بچپن ہے...... جب ہم وقت مقرر کر کے اپنے بچپن کو یاد کریں گے تو ہمارے قدم ازخود Reverse ہو جائیں گے اور ہم ماورائی دنیا کے دروازے پر پہنچ جائیں گے۔ ہمیں یہ علم ہے کہ ہم بچے تھے......اور بچپن ہمارے اندر محفوظ ہے...... ریکارڈ ہے...... بچپن کے خصائل اور عادتیں ہمارے حافظے میں نقش ہیں...... جب ہم اس نقش کو یاد کریں گے...... جتنا یاد کریں گے اسی مناسبت سے ماورائی دنیا کے قریب ہوتے چلے جائیں گے۔ وہاں یہ علم حاصل ہوگا کہ یہ ساری کائنات حرفوں اور لفظوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے......
سارے حروف Triangle اور Circle پر قائم ہیں۔

غالب Triangle ناسوتی دنیا ہے اور غالب Circle ماورائی دنیا ہے۔ جب ہم سوتے ہیں تو ہمارے اندر ماورائی دنیا کے حواس کام کرتے ہیں اور جب ہم بیدار ہوتے ہیں ہمارے اوپر شعور کا غلبہ ہوتا ہے......شعور کے غلبے کو کم کرنے کیلئے اور لاشعوری دنیا میں داخل ہونے کیلئے بہترین عمل ''مراقبہ'' ہے......

بہتر جہاں

انسان موت زیست میں ردّوبدل ہو رہا ہے۔ زیست کو سمجھنے کیلئے ہمارے پاس وہ اعمال و افکار اور حرکات و سکنات ہیں جو ہم زندگی بھر کرتے رہتے ہیں۔ حرکت جسمانی وجود کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک ایسی حالت بھی طاری ہوتی ہے کہ جسمانی وجود معطل ہو جاتا ہے لیکن حرکات و سکنات اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ قائم رہتی ہیں۔

انسان بھی عجیب معمّہ ہے!...... کہ اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ زندگی کے ماہ و سال...... ایک دن ایسا آئے گا ضرور نابود ہو جائیں گے اور اس عمل سے امیر ہو، غریب ہو، بادشاہ ہو یا فقیر سب کو گزرنا ہے۔

کوئی انسان اس حقیقت کو جاننے کے باوجود مرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

کیوں آمادہ نہیں ہوتا؟...... اس لئے آمادہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی پر اس کا یقین شک سے آزاد نہیں ہوتا۔ انسان کی ساری دلچسپیاں دنیوی لذّات کے تابع ہیں۔ اگر اُسے یہ یقین ہو جائے کہ دنیوی زندگی کے بعد کی زندگی بھی اس دنیا کی طرح ہے تو موت کا خوف اس کے ذہن سے نکل جاتا ہے...... انسان کو یہ بات پریشان کرتی ہے کہ میری عمر محدود ہے۔ اگر یہ محدود عمر ختم ہو جائے تو میں دنیوی آسائشوں اور لذّتوں سے محروم ہو جاؤں گا۔

کتاب ''سُپر برین ان اسلام'' میں امام جعفر صادقؒ اور جابر کا مکالمہ درج ہے:

جابر نے پوچھا: ''کیا دینِ اسلام میں پاداش کی بنیاد موت سے ڈرنے پر رکھی گئی ہے؟''......

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: ''موت سے ڈرنے کی بنیاد پر نہیں بلکہ موت کے بعد پاداش سے خوف کی بنیاد پر ہے۔ مومن مسلمان موت سے نہیں ڈرتا...... بلکہ اسے موت کے بعد سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ وہ موت کے بعد سزا سے بچنے کیلئے ساری عمر جن باتوں سے منع کیا جاتا ہے ان سے پرہیز کرتا ہے۔ ایک مومن مسلمان جو ساری عمر گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا...... میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ موت کی دعوت کو لبیک کہتا ہے اور اس کی روح آسانی سے اس کے جسم سے پرواز کر جاتی ہے......''

جابر نے کہا: ''خداوند تعالیٰ جو انسان کو تخلیق کرتا ہے اسے کیوں مارتا ہے؟''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''اے جابر!...... میں نے کہا ہے کہ موت جس طرح عام لوگ تصور کرتے ہیں وجود نہیں رکھتی بلکہ ایک حالت کی تبدیلی ہے۔ میں یہ بات دُہراتا ہوں کہ ایک مومن مسلمان اگر عالم ہے تو اس حالت کی تبدیلی سے نہیں ڈرتا کیونکہ اسے علم ہے کہ موت کے بعد زندہ ہوگا۔''

فرمایا: ''اے جابر!...... تو اپنے ماں کے پیٹ میں زندہ تھا یا نہیں؟''......

جابر نے کہا: ''ہاں میں زندہ تھا''......

امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: ''کیا ماں کے پیٹ میں کھاتا تھا یا نہیں!''......

جابر نے ہاں میں جواب دیا:

''امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''کیا تو ماں کے پیٹ میں ایک مکمل چھوٹا انسان شمار ہوتا تھا یا نہیں؟''

جابر نے کہا: ''میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میں ایک مکمل انسان تھا''......

امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: ''کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے ماں کے پیٹ میں موت کے بارے میں فکر کی تھی یا نہیں؟''......

جابر نے جواب دیا: ''مجھے یاد نہیں کہ ماں کے پیٹ میں موت کے بارے میں غور و فکر کرتا تھا یا نہیں!''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''یہ بتاؤ کہ ماں کے پیٹ میں تمہاری غذائیں کیا کیا تھیں؟''......

جابر نے کہا: ''ماں کے پیٹ میں زندگی کی حالت کے بارے میں مجھے کچھ بھی یاد نہیں''......

امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: ''کیا اپنی زندگی کو اس جہاں میں اچھا سمجھتے ہو یا ماں کے پیٹ میں؟''

جابر نے کہا: ''ماں کے پیٹ میں میری زندگی بہت مختصر یعنی تقریباً نو ماہ تھی۔''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''وہ نو ماہ کی مدت جو تم نے ماں کے پیٹ میں گزاری ہے شاید وہ نو ماہ کی مدت تمہیں اس دنیا کی اسی یا نوے سال کی عمر سے جو تم اس دنیا میں گزارو گے، تمہیں زیادہ نظر آئے گی کیونکہ زمانہ ہر قسم کے حالات میں تمام لوگوں کے لئے ایک جیسا

نہیں ہے اور ہر کوئی تھوڑے بہت غور و فکر کے بعد اپنی زندگی میں اس موضوع کا ادراک کر سکتا ہے......

مجھے یقین ہے کہ کبھی چند گھنٹے تم نے ایسے گزارے ہوں گے کہ تم نے سمجھا ہوگا ایک گھنٹہ گزرا ہے اور کبھی تمہارے لئے ایک گھنٹہ اس قدر لمبا ہوگا کہ تمہارا خیال ہوگا کہ تم نے چند گھنٹے گزارے ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جو نو ماہ کی مدت تم نے ماں کے پیٹ میں گزاری ہے شاید وہ تمہیں اس موجودہ دنیا کی عمر سے بھی طویل محسوس ہوئی ہوگی۔

اے جابر! تو ماں کے پیٹ میں ایک مکمل اور زندہ انسان شمار ہوتا تھا اور باشعور بھی تھا۔ باشعور ہونے کی نسبت سے شاید تمہاری کچھ آرزوئیں بھی ہونگی اور جبکہ تم اس دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہو تمہیں ماں کے پیٹ کے زمانے کی کوئی معمولی سی بات بھی یاد نہیں۔ کیا تم جو ایک فاضل انسان ہو یہ گمان نہیں کرتے کہ تمہارا ماں کے پیٹ سے باہر نکلنا اور اس دنیا میں داخل ہونا شاید ایک طرح کی موت تھی؟...... کیا تم یہ خیال نہیں کرتے کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تو تم چاہتے تھے کہ تم وہیں رہو اور وہاں سے ہرگز باہر نہ نکلو؟...... تمہارا خیال تھا کہ ماں کے پیٹ سے بہتر اور آرام دہ جہان موجود نہیں...... جب تم ماں کے پیٹ سے نکالے گئے (جس کے بارے میں، میں نے کہا ہے کہ وہ موت کی ہی ایک قسم ہے) اور اس جہاں میں پہنچے تو تم نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ لیکن کیا آج تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ جس دنیا میں تم زندگی گزار رہے ہو وہ ماں کے پیٹ کی دنیا سے کہیں بہتر ہے۔''

جابر نے کہا: ''اس کے باوجود کہ مجھے ماں کے پیٹ میں اپنی زندگی کی کیفیت کے بارے میں کچھ علم نہیں، اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میری زندگی ماں کے شکم کی زندگی سے زیادہ بہتر ہے۔''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''کیا موضوع کا قرینہ نہیں بتاتا کہ موت کے بعد ہمارے زندگی اس دنیا کی زندگی سے بہتر ہوگی۔''

جابر نے کہا: ''اگر اس دنیا سے بدتر ہو تو پھر؟''

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جو لوگ اس دنیا میں خداوند تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں ان کی دوسرے جہان کی زندگی اس موجودہ جہان کی زندگی سے بہتر ہوگی۔ اس میں شک وشبہ

کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اس موضوع کے بارے میں اپنے بندوں سے واضح وعدہ کیا ہے لہٰذا عقلی لحاظ سے بھی یہی بات درست ہے علاوہ ازیں خداوند تعالیٰ دانا، توانا اور عادل ہے۔ وہ حاسد نہیں کہ اپنے بندوں کو اچھے جہان سے برے جہان کی طرف لے جائے اگر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ انسانی تخلیق کا مقصد اسے کمال تک پہنچانا ہے تو ہمیں یہ بات قبول کرنی چاہیئے کہ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اس کے کمال میں اضافہ کرتا ہے۔ حتیٰ کے اگر خدا نے صریحاً اور کسی ابہام کے بغیر اپنے بندوں کو موت کے بعد ان کے اچھے اعمال کا اجر دینے کا وعدہ بھی نہ کیا ہوتا اور یہ نہ کہا ہوتا کہ وہ ابدی سعادت سے بہرہ مند ہوں گے پھر بھی ہماری عقل یہ سمجھتی۔ کیونکہ انسان کی تخلیق کا مقصد اسے کامل انسان بنانا ہے۔ لہٰذا اس جہان میں انسان کی زندگی کی حالت اس زندگی کی حالت سے بہتر ہوگی''......

امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: ''کیا تمہاری روح جو تم سے جدا ہوتی ہے اور نقلِ مکانی کرتی ہے، غذا کھاتی ہے؟''......

جابر نے کہا: ''ہاں''......

امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: ''کیا پانی پیتی ہے؟''

جابر نے کہا: ''جی ہاں''......

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''کیا جس وقت تمہاری روح کھانے اور پینے میں مشغول ہوتی ہے تو تمہارے منہ سے کھاتی ہوگی؟''......

جابر بولا: ''نہیں، کیوں کہ میرا منہ خواب میں متحرک نہیں ہوتا۔''

امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: ''کیا تمہاری روح کھانے پینے کیلئے اپنا منہ استعمال کرتی ہے؟''

جابر نے جواب دیا: ''نہیں''......

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''اس کے باوجود کہ اس کا منہ نہیں ہے تم سوتے ہوئے خواب میں غذا کی لذت اور پانی کا مزہ محسوس کرتے ہو؟''......

جابر نے اثبات میں جواب دیا......

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جب تم خواب دیکھتے ہو تو تمہاری روح چلتی ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا پہنچتی ہے۔ (مادّی) آنکھ نہیں رکھتی مگر دیکھتی ہے۔ اس کے (مادّی) کان نہیں ہیں لیکن سنتی ہے۔ اس کا (جسمانی) منہ نہیں لیکن وہ غذا کھاتی اور پانی پیتی ہے۔ لہٰذا

تمہاری روح ایک آزاد زندگی کی حامل ہے اور خواب دیکھنے کے دوران تمہاری روح کو زندگی گزارنے کیلئے تمہارے جسم کی کوئی ضرورت نہیں''......

جابر نے کہا: ''اگر میرا جسم نہ ہو تو میں ہرگز خواب نہیں دیکھ سکتا''......

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خواب نہیں دیکھ سکتے مگر تمہاری روح تمہارے جسم کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے۔ یاد رکھو!...... میں نے کہا ہے کہ میں فرض کر رہا ہوں تم مسلمان نہیں ہو اور میں ایک ایسے شخص سے مخاطب ہوں جو اپنے آپ کو دوسری دنیا میں لے جاتا ہے۔ تم نے کہا کہ اگر تمہارا جسم نہ ہو تو تم خواب نہیں دیکھو گے اور میں نے تمہارے قول کی تصدیق کی ہے۔ اب تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا خواب دیکھنے کے دوران تمہاری روح ایک آزاد زندگی کی حامل ہو جاتی ہے اور جہاں جانا چاہتی ہے جاتی ہے اور جو کرنا چاہتی ہے کرتی ہے۔ کیا وہ وجود رکھتی ہے یا نہیں؟''......

جابر نے کہا: ''ہاں''......

امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: ''کیا روح کے خواب دیکھنے کے دوران موجود ہونے اور اس کی آزادانہ زندگی میں تمہیں کوئی شک ہے یا نہیں؟''......

جابر نے جواب دیا: ''کوئی شک نہیں!''......

حضرت امام جعفر صادقؑ جو حضرت امام محمد باقرؑ کے سعید اور معزز فرزند ہیں۔ اسلامی دنیا کے مفکر اعظم ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقرؑ کی درسگاہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں اور اس درسگاہ میں ہر شخص کو علم سیکھنے کی اجازت تھی...... حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں بڑے بڑے محقق، مفکر اور سائنٹسٹ پیدا ہوئے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ بھی اسی محترم خاندان کے خانوادہ ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے موت و زیست کی موجودہ سائنسی ذہن کے مطابق عقدہ کشائی کی ہے اور خواب کے اوپر ایک مبسوط باب رقم کیا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ایک شاگرد نے پوچھا: ''سرکار!...... روح اور مادّی وجود کیا ہے؟''......

قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا...... ''جسمانی وجود روح کا لباس ہے۔ ہر انسان اس بات سے

واقف ہے کہ وہ جسمانی آرام اور جسم کو سرد و گرم سے محفوظ رکھنے کیلئے لباس بناتا ہے۔لباس پتوں کا ہو......درخت کی چھال کا ہو......کھال کا ہو......سوت کا ہو......اُون کا ہو یا نائلون کا ہو......لباس کی تعریف یہ ہے کہ وہ جسم کو اس طرح ڈھانپ لے یا جسم کے ساتھ اس طرح اس کی وابستگی ہوجائے کہ جسم چھپ جائے اور لباس ظاہر ہوجائے......ایسی صورت میں لباس کی حرکت جسم کے تابع ہوجاتی ہے......جسم میں حرکت ہوتی ہے تو لباس میں بھی حرکت ہوتی ہے......جسم میں حرکت نہیں ہوتی تو لباس میں بھی حرکت نہیں ہوتی''......

شاگرد نے پوچھا:''سرکار!......اس کی مزید وضاحت کیجئے''......

قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا:''ایک آدمی ہے۔گوشت پوشت اور اعضا کا بنا ہوا مکمل آدمی......اس آدمی نے لباس پہن لیا......جسم کے اوپری حصے پر قمیض پہن لی......اور باقی حصے پر شلوار یا پتلون پہن لی......اب ہم اس آدمی سے یہ کہتے ہیں کہ قمیض سے آستین چلاؤ......لیکن تمہارا ہاتھ نہ ہلے......وہ بندہ اس سلسلے میں عاجز ہے......اس لئے کہ آستین کی حرکت جسمانی وجود کے تابع ہے......جسمانی وجود، ہاتھ ہلے گا تو آستین ہلے گی۔ہاتھ نہیں ہلے گا تو آستین نہیں ہلے گی......

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ قمیض شلوار کو چارپائی پر اس طرح لٹا دیا جائے کہ اس پر کسی آدمی کا گمان ہو......اب اس لباس سے کہا جائے کہ تو اُٹھ کر بیٹھ جا......لباس میں ہرگز کوئی حرکت واقع نہیں ہوگی......اس تشریح کا واضح مفہوم یہ ہوا کہ جسم کے اوپر لباس کی اپنی ذاتی کوئی حرکت نہیں ہے۔لباس جسم کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے اور اس طرح جسم کے تابع ہے کہ جسم ہلے گا تو لباس ہلے گا......جسم میں حرکت ہوگی تو لباس میں حرکت ہوگی۔جسم میں حرکت نہیں ہوگی تو لباس میں حرکت نہیں ہوگی۔''

شاگرد نے پوچھا:''کیا آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ مادّی جسم روح کا لباس ہے؟''

قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا:''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ روح اصل ہے جسم قائم مقام ہے......یعنی مادّی وجود جو عناصر کا مرکب ہے......وہ لباس ہے......روح جب تک عناصر سے مرکب تخلیق یعنی مادّی وجود کو اپنے اوپر لباس کی طرح پہنے رہتی ہے تو مادّی وجود میں حرکت ہوتی ہے''......

شاگرد نے پوچھا:''کیا عناصر سے تخلیق شدہ مادّی وجود کی کوئی حیثیت نہیں؟''......

قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا:''حیثیت ہے!......لیکن حرکت میں ذاتی عمل دخل نہیں ہے......اور اس کی مثال ہمارے سامنے مردہ اجسام کی ہے......مادّی وجود سے جب روح رشتہ منقطع کرلیتی ہے تو مادّی وجود کے تمام اعضا موجود ہونے کے باوجود ان میں کوئی حرکت نہیں ہوتی......مذہبی رسومات کے تحت مردہ جسم کو قبر میں اُتار دیا جائے یا جلا دیا جائے یا چیل کوؤں کو ڈال دیا جائے۔پوسٹ مارٹم کر کے عضو عضو الگ کر دیا جائے۔مادّی وجود میں کوئی حرکت واقع نہیں ہوتی۔لیکن اس کے برعکس جب روح مادّی وجود کو لباس کی طرح پہنے رہتی ہے تو سوئی چبھنے کا درد ہوتا ہے''......

شاگرد نے پوچھا......''جب مادّی وجود کی حیثیت لباس کی ہے اور روح کی حیثیت اصل جسم کی ہے تو کیا مرنے کے بعد روح کھاتی پیتی......سوتی جاگتی......پہنتی بولتی اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہتی ہے؟......اگر مصروف رہتی ہے تو مادّی وجود کی حیثیت پھر کیا ہوئی؟''......

قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......''اس کی مثال یہ ہے......آدمی خواب دیکھتا ہے۔خواب کے بارے میں مختلف نظریات ہیں کوئی کہتا ہے خواب محض خیالات ہوتے ہیں......کوئی کہتا خواب ناآسودہ خواہشات کا عکس ہے......ہر شخص اپنی فکر و علم کے مطابق خواب کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتا ہے......لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ جس طرح گوشت پوست کے جسم کے ساتھ روح حرکت کرتی ہے اسی طرح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی روح متحرک رہتی ہے......جب روح متحرک رہتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دنیا کی طرح دوسری دنیا میں بھی خواہشات، جذبات، احساسات اور تسکین کے عوامل موجود ہیں......

ہر شخص ایک دو یا زیادہ خواب ایسے ضرور دیکھتا ہے کہ خواب دیکھنے کے بعد جب وہ بیدار ہوتا ہے تو خواب میں کئے ہوئے اعمال کا اثر اس پر باقی رہتا ہے۔اس کی ایک بڑی واضح مثال خواب میں کئے گئے اعمال کے نتیجے میں غسل کا واجب ہوجانا ہے......جس طرح کوئی آدمی بیداری میں جنسی لذت حاصل کرنے کے بعد ناپاک ہوجاتا ہے اور مذہباً اس کے اوپر غسل واجب ہوجاتا ہے اسی طرح خواب میں کئے گئے اس عمل کے بعد بھی اسکے اوپر غسل واجب ہوجاتا ہے اور وہ اس وقت تک نماز ادا نہیں کرسکتا جب تک وہ غسل جنابت سے فارغ نہ ہو۔اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ روح مادّی وجود کے بغیر بھی اگر حرکت کرے

تب بھی مادّی وجود پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ جسم پر پوری طرح موت وارد نہ ہو...... مذہب نیند کو آدھی موت قرار دیتا ہے''......

حضرت امام جعفر صادقؑ کے ارشاد کے مطابق اگر روحانی وجود کا علم حاصل کرلیا جائے تو مادّی وجود کی ثانوی حیثیت مشاہدہ بن جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مرجاؤ مرنے سے پہلے''

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ شریف، جلد چہارم۔ حدیث 1150)

مرجاؤ مرنے سے پہلے کا مفہوم یہ ہے کہ اس زندگی میں رہتے ہوئے مرنے کے بعد کی زندگی کا علم حاصل کرلو۔ انسان کو جب روح کا علم حاصل ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر سے موت کا خوف نکل جاتا ہے......اور وہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا میں جانے کی اس لئے تمنا کرتا ہے کہ دوسری دنیا اس دنیا سے بدرجہ بہتر ہے۔

جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خداوند تعالیٰ دانا، توانا اور عادل ہے۔ وہ حاسد نہیں کہ اپنے بندوں کو اچھے جہان سے بُرے جہان کی طرف لے جائے۔''

دماغ

آدمی جب سوچتا ہے اور سوچ کے ڈانڈے ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اس پر بہت سی ایسی باتیں عیاں ہوتی ہیں جن کے بارے میں سوچنے والا خود حیران رہ جاتا ہے۔

آدمی اگر نہ سوچے تو ساری زندگی گزر جاتی ہے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ سوچ کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ جتنا زیادہ آدمی غور وفکر کرتا ہے اسی حساب سے دماغ کے اندر خلیے کھل جاتے ہیں۔ اور ان خلیوں کے کھلنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ سائنس دان بتاتے ہیں کہ انسانی دماغ ایک ایسا کمپیوٹر ہے جس میں کھربوں چپس فٹ ہیں...... اس دنیا کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکی کوئی کہتا ہے دنیا کھربوں سال پرانی ہے۔ کوئی کہتا ہے ڈھانچہ دستیاب ہوا ہے جو کروڑوں سال پُرانا ہے کہیں سے آواز آتی ہے کہ دنیا لاکھوں سال پُرانی ہے اور جب دنیا کی تاریخ زیر بحث آتی ہے تو اعلیٰ دماغ لوگ کہتے ہیں کہ پانچ ہزار سال سے زیادہ دنیا کی تاریخ پُرانی نہیں ہے۔ لیکن یہ پانچ ہزار سال کی تاریخ بھی ہمیں کہیں محفوظ نظر نہیں آتی۔

حد یہ ہے کہ اگر ہم دو ہزار سال سے زیادہ کی بات کرتے ہیں تو اس پر بھی ہمیں قبلِ مسیح کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ دو ہزار قبل مسیح۔ تین ہزار قبل مسیح۔ چھ ہزار قبل مسیح۔ ہمارے پاس کوئی ایسی مستند بات نہیں ہے کہ جس سند کی بنیاد پر زمین کی عمر اور انسان کی تاریخ کا تعین کرسکیں۔ جب نظریات کے اوپر غور وفکر کرتے ہیں۔ ہر نظریہ کسی دوسرے نظریے سے دست وگریباں نظر آتا ہے۔ کروڑوں سال کی دنیا میں چند نام ایسے ہیں جو نظریات کے ستون سمجھے جاتے ہیں لیکن ہر نظریہ کچھ دور چل کر دوسرے نظریہ کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

ہر زمانے میں ایجادات ہوتی رہی ہیں ان ایجادات کی بنیاد پر یہ کہا گیا ہے کہ دنیا نے بہت ترقی کرلی ہے لیکن ایک دن ایسا آتا ہے یہ ساری ترقیاں اس طرح پردے میں چلی جاتی ہیں کہ ان کا تذکرہ تو رہتا ہے وہ ایجادات سامنے نہیں رہتیں۔

تفکر کرنے کے بعد جب یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ ترقی بھی دراصل Repeatation کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پہلے کبھی کسی زمانے میں اُڑن کھٹولے ہوتے تھے۔ آج بھی اُڑن کھٹولے

Aeroplane کے نام سے معروف ہیں۔

ہزاروں سال پہلے بھی کرشن جی کے دور میں آشوک چکر ہوتا تھا اس کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ جب اسے چلایا جاتا تھا تو وہ خلا میں رُک کر گھومتا تھا اس چکر کے گھومنے کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کے اندر سے Rays نکلتی تھیں۔ وہ Rays اتنی زیادہ تیز اور گرم ہوتیں کہ زمین کے جس حصے پر چکر گھومتا تھا تو زمین کے اندر معدنیات پگھل جاتی تھیں۔ اور زمین تانبے کی طرح بن جاتی تھی۔ آج چکر کی شکل تبدیل ہوگئی ہے نامعلوم اس کا نام ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، نیپام بم اور کیا کچھ رکھ لیا گیا ہے۔

یہ بھی عجیب منطق ہے کہ نوعِ انسانی کی ترقی میں نوع انسانی کو سکون کم ملا ہے اور پریشانیوں، نئی نئی بیماریوں، الجھنوں اور دماغی انتشار سے اس کا مقدر تاریک ہوگیا ہے آج کے دور میں جتنا آسائش و آرام کا سامان زیادہ ہے۔ اتنا انسان پریشان حال اور برباد ہے ...... اس بربادی نے عقل وشعور پر پہرے بٹھادیئے ہیں۔

ہم یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ مریض علاج کیلئے معالج کا محتاج ہوتا ہے لیکن اس کارخانہ گیتی میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک معالج جسے علاج پر پورا عبور ہوتا ہے تجربہ یہ ہوا ہے کہ جب وہ کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ کسی دوسرے معالج کا محتاج ہوتا ہے۔ ہم بہترین دو تصوریں بناتے ہیں ایک مؤنث ایک مذکر لیکن دونوں تصویروں کے ملاپ سے تسکین حاصل نہیں ہوتی۔

اگر سمندر کا پانی میٹھا ہوتا تو کیا سارا سمندر سڑ نہیں جاتا۔ اگر جما ہوا برف اپنے وزن کے اعتبار سے پانی کی تہہ میں چلا جاتا تو سمندر میں اٹھنے والی لہریں ختم ہوجاتیں اور جب سمندر سے اُٹھنے والی لہریں ختم ہوجاتیں تو پانی کے آبی بخارات نہ بنتے ...... جب آبی بخارات نہ بنتے تو ہوا اُنہیں اُٹھا کر فضا میں نہ لے جاتیں ...... اور جب ہوا انہیں اُٹھا کر فضاء میں نہ لے جاتی تو بادل نہ بنتے ...... بادل نہ بنتے تو اونچے اونچے پہاڑوں پر بارش نہ برستی ...... اور بارش نہ برستی تو آبشاروں کا نظام ختم ہوجاتا ...... اور جب آبشاروں کا نظام ختم ہوجاتا تو دریا سوکھ جاتے اور جب ندی نالے ویران ہوجاتے ...... تو زمین کی کوکھ اُجڑ جاتی۔

''وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے تمہیں رزق بہم پہنچایا۔''

(سورۃ البقرہ۔ آیت 22)

''وہی جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے ہر قسم کی نباتات اُگائیں اور پھر اس کے ذریعے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے پھر ان پر تہہ در تہہ جڑے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ سے جھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے بھی ہیں لیکن ہر ایک کی خصوصیت الگ الگ ہے۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں یعنی مشاہداتی نظر کو استعمال کرتے ہیں۔''

(سورۃ الانعام۔ آیت 99)

ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ترقی کا دارومدار بھی اس بات پر ہے کہ انسانی دماغ کے خلیے کھلے ہوئے ہیں۔ دماغ کے کھربوں خلیوں کے بارے میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ خلیے کسی انسان کی ایجاد میں ایجادات کا سہرا تو انسان بڑے فخر کے ساتھ، غرور وتمکنت کے ساتھ اپنے ماتھے پر سجا لیتا ہے لیکن وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ دماغ کے کھربوں خلیوں میں سے صرف ۵ فیصد خلیے کھلے ہوئے نہ ہوں تو دنیا میں کوئی ترقی نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اس میں لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے چوپاؤں کے پیٹوں میں جو گوبر اور جو خون ہے۔ اس کے بیچ میں سے نکال کر اللہ تمہیں دودھ پلاتا ہے، جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔''

(سورۃ النحل۔ آیت 66)

جو لوگ عقل وفکر سے کام لیتے ہیں سوچ بچار کرتے ہیں ان کے لئے ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں۔

نوع انسانی کو اس وقت تک سکون میسر نہیں آسکتا جب تک اس کی سوچ یہ نہیں ہوتی کہ ایجادات کے پس پردہ جو دماغ کام کررہے ہیں وہ دماغ کس نے بنائے ہیں اور جب دماغ بے جان ہوجاتے ہیں ان سے کوئی ایجاد واقع کیوں نہیں ہوتی؟

فکر کی گہرائی

جب ہم کسی علم کی کنہ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے ہمیں ایسی فکر اور سوچ کی ضرورت پیش آتی ہے جو گہرائی میں سفر کرے...... سطحی سوچ سے کسی علم کی کنہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے......

دنیا کا کوئی بھی علم ایسا نہیں ہے جس کی بنیاد میں تحقیق، تجسس، تلاش اور گہرائی موجود نہ ہو...... جیسے جیسے ہم کسی علم کے اندر تفکر کرتے ہیں اسی مناسبت سے اس علم میں ہمیں نئے نئے پہلو نظر آتے ہیں۔ جب ہم ان پہلوؤں پر اور زیادہ گہری نظر سے تفکر کرتے ہیں تو علم کی بہت سی شاخیں بن جاتی ہیں۔

علم کوئی بھی ہو...... فلسفہ ہو، منطق ہو یا علم الکلام ہو......

سب ہی کی طرزیں مشترک ہیں......

یعنی جس علم کے بارے میں جتنے زیادہ لوگ تفکر کرنے والے موجود ہوتے ہیں یا کسی ایک علم کی ریسرچ میں جتنے زیادہ باہوش دماغ شامل ہوجاتے ہیں، وہ علم اسی مناسبت سے ترقی کرتا رہتا ہے اور نتیجہ میں وہ ایک مستحکم اور مبسوط علم بن جاتا ہے...... ایسا علم!...... جس کا اپنا ایک نظریہ، ایک فلسفہ اور اپنا ایک طرزِ عمل اور طرزِ استدلال ہوتا ہے......

موجودہ دور کے سائنسی علوم میں بھی یہی طریقہ کار موجود ہے...... ایک سائنس دان نے علم کے کسی ایک شعبہ پر تفکر کیا، تفکر کرتے کرتے وہ کسی مثبت نتیجہ پر پہنچا اور پھر وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا...... اس سائنسدان کو حاصل ہونے والا نتیجہ راہ نمائی تو کرتا تھا لیکن ابھی اس کی علمی حیثیت قائم نہیں ہوئی تھی۔

دوسرے آدمی نے، دوسرے طالب علم نے یا دوسرے سائنس دان نے اس علم کو آگے بڑھایا...... یوں کچھ روشن پہلو مزید نمایاں ہوگئے...... رفتہ رفتہ سینکڑوں اعلیٰ دماغ اس ریسرچ میں شریک ہوتے رہے اور علم کی ایک حیثیت قائم ہوگئی...... اس کی ایک تھیوری بن گئی...... پھر یہ علم اور آگے بڑھا...... اس میں مزید باہمت، باذوق دماغ شریک ہوئے اور اس تھیوری کو پریکٹیکل کی صورت دے دی گئی...... نتیجہ میں ایک ایسا علم تشکیل پا گیا جس سے کوئی عقل کا اندھا بھی انکار نہیں

کر سکتا......

ہر نئے علم کو عوام الناس میں متعارف کرانے کیلئے اس علم کی مختلف طرزوں میں، مختلف پیرایوں میں، مثالوں سے، نئی نئی ترغیبات اور تشبیہات کے ذریعے تشریح کی جاتی ہے...... جیسے جیسے یہ تشریحات دماغ کے اوپر وارد ہوتی ہیں یا ان تمثیلات، ترغیبات اور تشبیہات سے شعور آشنا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے شعور کے اندر سکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سکت کے نتیجے میں شعور گہرائی میں سفر کرنے لگتا ہے......

شعور کی گہرائی کا دوسرا نام لاشعور ہے!......

طالب علم جب شعور کی گہرائی میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے لاشعور کا دروازہ آجاتا ہے......

اسی طرح جب روحانی علوم کا کوئی طالبعلم شعور کی گہرائی سے گزر کر لاشعور کی گہرائی میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ ورائے لاشعور میں داخل ہو جاتا ہے......

ورائے لاشعور ہی ایسا علم ہے کہ جہاں انسان جان لیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق کون ہے!......

تخلیق کائنات میں اس کی کون کون سی مصلحتیں اور رموز پوشیدہ ہیں!......

اگر انسان کے اندر تفکر کی راہیں موجود ہوں تو روحانی علوم کی تھیوری سے گزر کر پریکٹیکل میں داخل ہونا...... کائنات اور خالقِ کائنات کو جان لینا، پہچان لینا، آسان عمل بن جاتا ہے......

علم روحانیت کے تین اوراق ہیں!...... ہر ورق میں دو صفحے ہیں......

پہلے ورق کے پہلے صفحے پر تجلی کا عکس موجود ہے اور تجلی کے اس عکس میں وہ تمام رموز اور وہ تمام مصلحتیں نقش ہیں جو تخلیقِ کائنات کا بنیادی مصالحہ ہیں...... اس عکس، ان رموز اور مصلحتوں کو سمجھنے کے لئے دوسرے صفحے پر ایک ایسی تحریر ہے، جس تحریر کو پڑھ کر انسان پہلے صفحے کی تشریحات رموز اور مصلحتوں سے واقف ہو سکتا ہے......

دوسرے ورق کے پہلے صفحے پر احکامات کا ریکارڈ ہے اور دوسرے صفحے پر کائنات کا اجتماعی پروگرام یا کائنات کے اجتماعی اعمال کی تشریح ہے...... کائنات سے مراد مخلوق کی تمام نوعیں ہیں جو کائنات میں موجود ہیں اور ہر آن اور ہر لمحہ زندہ ہیں......

تیسرے ورق کے پہلے صفحے پر انفرادی احکامات ہیں اور دوسرے صفحے پر ان احکامات کے

نتیجے میں انفرادی اعمال وحرکات کا ریکارڈ ہے......

آخری الہامی کتاب قرآن پاک میں جہاں آدمؑ کی خلافت و نیابت کا تذکرہ بیان ہوا ہے، وہاں بنیادی بات یہ بیان ہوئی ہے کہ آدمؑ کو علم الاسماء عطا کیا گیا ہے...... یہ علم الاسماء ہی تھا جس کی بنیاد پر فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا...... انسان کا شرف صرف اس بات پر قائم ہے کہ اسے خالقِ کائنات کی نیابت حاصل ہے اور وہ نیابت کے علوم سے واقف ہے......

خالقِ کائنات نے جب آدمؑ کو علم الاسماء عطا کر دیا اور اپنی تخلیقی صفات سے آدمؑ کو آگاہ کر دیا تو آدمؑ کا یہ علم پوری نوعِ انسانی کا ورثہ بن گیا......

تخلیق کا فارمولا یہ ہے کہ انسان کے اندر روح کام کر رہی ہے...... اگر انسان کے اندر یا آدم زاد کے اندر روح موجود نہیں ہے تو آدم زاد کا وجود ناقابل تذکرہ ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں......

جب خالق کائنات نے آدمؑ کے اندر اپنی روح پھونک دی تو اس کے اندر حواس بیدار ہو گئے......

روح کیا ہے؟...... خالق کائنات اللہ تعالیٰ کا امر ہے......

اللہ تعالیٰ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے...... ''ہوجا''......

اور وہ چیز ہو جاتی ہے......

پیدائش کا مطلب یہ ہے کہ روح اپنے لئے ایک وجود بنا کر اس دنیا میں اپنا مظاہرہ کرتی ہے......

بچہ میں اگر روح نہ ہو تو وہ بچہ مردہ کہلائے گا......

روح جسم کی تشکیل اور پیدائش کے بعد جسم کو بڑھاتی رہتی ہے...... لیکن بڑھنے کے اس عمل سے پہلا جسم غائب ہوتا رہتا ہے...... ہر پہلے منٹ کو فنا ہے اور دوسرے منٹ کو بقا ہے...... ہر تیسرے منٹ کو فنا ہے تو چوتھے منٹ کو بقا ہے......

فنا غیب ہے اور بقا شہود ہے......

ساری کائنات غیب اور شہود کی ایک بیلٹ پر چل رہی ہے......

جو چیز کبھی شہود ہوتی ہے، وہ غیب میں چلی جاتی ہے...... غیب اور شہود دونوں ایک دوسرے سے اس طرح چپکے ہوئے ہیں کہ غیب کو شہود سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ شہود کو غیب سے علیحدہ کیا

جاسکتا ہے......

آپ 40 سال کے ایک فرد سے اس کے بچپن کے دو ماہ الگ نہیں سکتے!.....اس کی جوانی علیحدہ نہیں کر سکتے!..... 70 سال کی عمر تک کون سی علامت ہے جس میں تبدیلی ظاہر نہیں ہوئی؟..... چہرے کے نقش ونگار، خدوخال..... ہر چیز تبدیل ہوگئی.....یعنی ایک دن کا بچہ! جس کا نام رکھا گیا تھا، وہ غیب میں چلا گیا.....

اللہ تعالیٰ نے اس کائناتی سسٹم کو غیب اور شہود پر متحرک رکھا ہوا ہے..... چونکہ شہود بذاتِ خود متغیر شئے ہے، اس لئے متغیر شئے کو قائم رکھنے کیلئے بھی متغیر چیزیں درکار ہیں.....ان میں دن، رات بھی شامل ہیں.....کروڑوں سال سے دن رات باری باری بدل بدل کر آرہے ہیں.....اسی طرح لاکھوں سال سے انسان گندم کھا رہے ہیں، جو موسم کے حساب سے کبھی غیب میں چلی جاتی ہے اور پھر دوبارہ موجود ہوجاتی ہے..... یہ تغیر وتبدل حیات ومَمات کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے.....

حیات ومَمات کو قائم رکھنے کیلئے مخلوق کو ایک نظام کے تحت وسائل کا پابند ومحتاج رکھنا بھی ضروری ہے.....ہم سب ہوا، پانی اور غذا کے محتاج ہیں.....اور اگر پانی یا ہوا نہ ہو تو زمین مردہ ہوجائے گی.....

نتیجہ میں مخلوق ختم ہوجائے گی..... لیکن اس سارے سسٹم میں اصل حیثیت روح کی ہے!.....

کائنات میں جتنی بھی اشیاء موجود ہیں..... وہ زمین کے اوپر ہوں یا زمین کے اندر..... آسمانی مخلوق، سات آسمان یا عرش وکرسی..... ہر شے میں روح موجود ہے!.....اور جو چیز ہمیں ظاہری آنکھوں سے یا صفاتی آنکھوں سے نظر آتی ہے وہ سب روح کا لباس ہے.....روح آدمی کے خدوخال کے مطابق گوشت پوست کے جسم کے ذریعے اپنا مظاہرہ کرتی ہے.....اس جسم سے روح جب اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو یہ جسم منتشر ہوجاتا ہے اور منتشر ہوکر مٹی کے ذرات میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

روح سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ دُنیوی دلچسپیاں کم کرکے زیادہ سے زیادہ وقت ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا جائے.....

روحانیت میں ایک نقطے پر توجہ مرکوز کرنے کا نام مراقبہ ہے!.....

مراقبہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرف سے توجہ ہٹا کر ایک ذاتِ اقدس واکبر سے ذہنی ربط قائم کرلیا جائے..... جب کسی بندے کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم ہوجاتا ہے اور اس کے اوپر سے مفروضہ حواس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے تو وہ مراقبہ کی کیفیت میں داخل ہوجاتا ہے.....

مراقبہ ایسے عمل کا نام ہے جس میں کوئی بندہ بیداری کی حالت میں رہ کر بھی اس عالم میں سفر کرسکتا ہے جس کو ہم روحانی دنیا کہتے ہیں..... روحانی دنیا میں داخل ہونے کے بعد بندہ اس خصوصی تعلق سے واقف ہوجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان بحیثیت خالق ومخلوق ہر لمحہ اور ہر آن موجود ہے۔

صبر

پس تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یعنی جہاں صبر ہے وہاں اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جہاں اللہ تعالیٰ ہے وہاں اُمید ہے، جہاں امید ہے وہاں یقین ہے، جہاں یقین نہیں ہے وہاں شک ہے، جہاں شک ہے وہاں شیطان ہے، جہاں شیطان ہے وہاں آدمی باغی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔ اور سماعت کو Sealed کر دیتا ہے اور آنکھوں پر گہرے دبیز پردے پڑ جاتے ہیں جن کے پیچھے کچھ نظر نہیں آتا۔

ایسے ہی لوگ گونگے بہرے بن جاتے ہیں اور جب ایسا ہوجاتا ہے تو یہ آنکھوں کے اندھے قدرت کی نشانیاں دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے۔ صبر ایک ایسا عمل ہے جس کی Belt پر زندگی رواں دواں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وہ جو ماں کے پیٹ میں طرح طرح کی تصویریں بناتا ہے۔''

(سورۃ آلِ عمران۔ آیت 6)

عملِ تخلیق کی مختصر تعریف یہ ہے کہ تخلیق مسلسل صبر وضبط ہے۔ صبر کے ساتھ رہنے کا انتظار عالم موجود میں مظہر بنتا ہے۔ پیدائش کے بعد ہر مرحلہ صبر اور ہر لمحہ مظہر ہے۔

والدین اور خود بچے کو اس بات کے لئے صبر اور انتظار کرنا پڑتا ہے کہ بچہ دو دن کا کب ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس یہ دن ہفتوں، مہینوں اور سالوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یوں کہا جائے کہ بلوغت بچپن کے انتظار کا ثمر ہے اور بڑھاپا جوانی کے انتظار کا مظاہرہ ہے۔ ایک دن کے منٹ اور گھنٹے زمانیت ہیں۔ ان گھنٹوں اور منٹوں کی تقسیم کے بعد حاصل جمع...... دو دن کی عمر ہے۔ اسی طرح پوری زندگی زمانیت کے اوپر سفر کر رہی ہے۔ جہاں سفر ہے وہ زمانیت ہے۔ جہاں مشاہدہ ہے وہ مکانیت ہے۔ زمانیت نظروں سے اوجھل رہتی ہے اور آنکھ مکانیت کو دیکھتی ہے۔ زمانیت جہاں ہے وہاں صبر ہے۔ جہاں صبر ہے وہاں اللہ تعالیٰ ہیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''زمانے کو بُرا نہ کہو، زمانہ اللہ ہے۔''

(موطا امام مالک، جلد اول۔ حدیث 2355)

جب کوئی بندہ اس راز سے واقف ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو زندگی کے ہر دو لمحات کے درمیان اس کا ذہن اَز خود اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز فرشتے حضرت ایوبؑ کی اطاعت گزاری اور اللہ رب العالمین کے حضور عبادت و ریاضت، عاجزی، انکساری اور فرمانبرداری کی تعریف کر رہے تھے کسی طرح ابلیس بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔ ایوبؑ پر اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام کی بارش کی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نیک اور عبادت گزار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایوبؑ پر مصیبت نازل کر دے تو وہ شکر گزار بندہ نہیں رہے گا......

اچانک حضرت ایوبؑ کے حالات خراب ہو گئے۔ مصیبتوں اور آزمائشوں کے دور نے حضرت ایوبؑ کو تہی دست کر دیا۔ آپؑ کے غلے کے گوداموں میں آگ لگ گئی، مال اسباب جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے، حملہ آوروں نے غلاموں اور نوکروں کو ہلاک کر دیا، سب کچھ لوٹ لیا اور مویشی ساتھ لے گئے۔

حضرت ایوبؑ کی اولاد ایک ضیافت میں شریک تھی کہ مکان کی چھت گر گئی اور سب ملبے میں دب گئے۔ اولاد، مال و دولت، جاہ و حشم دیکھتے ہی دیکھتے نابود ہو گیا۔ خوشحالی کی ایک علامت بھی باقی نہیں رہی۔ تباہی کی داستانیں لوگ آ کر سناتے تھے۔ لیکن حضرت ایوبؑ کی پیشانی پر خوف اور حزن کی ایک شکن بھی نہیں اُبھری۔

حضرت ایوبؑ نے سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی!

''اے اللہ میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا۔ برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا۔ تو نے ہی مجھے یہ سب کچھ دیا تھا اور تو نے ہی اپنی امانت واپس لے لی۔''

سب کچھ ختم ہو گیا لیکن آزمائش کا دور ابھی باقی تھا۔ پیروں کے تلوے سے لے کر سر میں اور سارے جسم میں تکلیف دہ پھوڑے نکل آئے۔ جن میں ٹیسیں بھی اُٹھتی تھیں۔ حضرت ایوبؑ ٹھیکرا لے کر راکھ پر بیٹھ جاتے اور اپنا جسم کھجاتے رہتے۔ زبان صبر کے ساتھ حمد و ثناء میں مصروف رہی

اور شکایت کا ایک لفظ منہ سے نہیں نکلا۔ دنیا کے دستور کے مطابق عزیز و اقربا نے قطع تعلق کر لیا صرف شریک حیات ساتھ رہ گئیں۔

حضرت ایوبؑ کی تباہ حالی اور بیماری کی خبر بستی میں پھیلی تو تین دوست آپؑ کے پاس آئے...... انہوں نے حضرت ایوبؑ کو راکھ کے اوپر لیٹے اور ٹھیکرے سے کھجاتے دیکھا تو درد و کرب اور غم و اندوہ سے ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ یہ دوست سات دن اور سات راتیں حضرت ایوبؑ کے پاس خاموش بیٹھے رہے۔

اللہ تعالیٰ دانا و بینا اور علیم و خبیر ہیں، حضرت ایوبؑ کے اس صبر کو بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت عطا ہوا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے:

''اور ایوبؑ کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا۔ اے میرے رب! شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔'' رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور حکم ہوا: ''زمین پر پیر مارو، یہ چشمہ نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں ہے۔''

(سورۂ ص۔ آیت 42-41)

حضرت ایوبؑ نے زمین پر پیر مارا، زمین سے شفا بخش پانی اُبل پڑا...... حضرت ایوبؑ نے غسل کیا، پیاس بجھائی...... دیکھتے ہی دیکھتے بدن پھوڑوں اور زخموں سے صاف ہو گیا۔ حضرت ایوبؑ کی زوجہ کا نام بی بی رحمہ (رحمت) ہے۔ بی بی رحمہ شام کو واپس لوٹیں تو بیمار اور ناتواں شوہر کو نہ پا کر پریشان ہو گئیں، دل گداز ہو گیا، آنکھیں برسنے لگیں، روتے ہوئے اپنے شوہر کو ڈھونڈ رہی تھیں کہ قریبی ٹیلے پہ ایک صحتمند نوجوان مرد کو دیکھا۔ حضرت ایوبؑ نے مسکراتے ہوئے احوال سنایا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور عنایت و رحم سے حضرت ایوبؑ اور ان کی بیگم کا شباب لوٹ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو پہلے سے زیادہ اولاد عطا کی اور آزمائش کے دنوں میں جن آسائشوں سے محروم کر دیئے گئے تھے وہ کئی گناہ بڑھا کر عطا کر دی گئیں۔

سورۂ انبیاء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ایوب کا ذکر کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا مجھے بیماری لگ گئی ہے (کہ

مجھے ایذا ہورہی ہے) اور تو رحم کرنیوالوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی، اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کر دی۔اور ان کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور بخشے اور عبادت کرنیوالے کیلئے نصیحت ہے۔"

(سورۃ الانبیاء۔آیت 83-84)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کہہ دو، اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو۔ اپنے پروردگار کے ساتھ تقویٰ اختیار کرو۔جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کیلئے بھلائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ ہے۔جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار اجر ملے گا۔"

(سورۃ الزمر۔آیت 10)

صبر اللہ تعالیٰ کا نور ہے، جو مادی حواس میں نورانیت داخل کر کے انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیتا ہے۔صبر کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی تدابیر اور کوششوں کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اپنے ارادے کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کو "قادر مطلق" جان لے اور اپنے کاموں میں تاخیر اور ناکامی پر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور فیصلے کا انتظار کرے۔قدرت کی جانب سے جو حاصل ہو اس پر راضی رہے۔صبر فرماں برداری کا سسٹم ہے۔صابر انسان پریشانی میں بھی مطمئن رہتا ہے اور اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔صبر کرنے سے آدمی بے بس اور مجبور ہونے کا تجربہ کر لیتا ہے۔ صبر کرنے سے آدمی کے اندر نور کی مقداروں میں بے بہا اضافہ ہو جاتا ہے۔جب کوئی بندہ صبر کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم کہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔"

(سورۃ الاحقاف۔آیت 35)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق صبر آدمی کو اولوالعزم بناتا ہے۔جو پیغمبروں کی صفت ہے۔ صبر زندگی کے آداب سکھاتا ہے۔صبر اسفل سے علیین کی طرف رجوع کرنے کی قوت عطا کرتا

ہے۔

ارشاد ہے:

"جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے۔یہی ہیں جن کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔"

(سورۃ ہود۔آیت 11)

"اور صبر اور صلوٰۃ سے مدد لیا کرو بیشک یہ کام "دشوار" ضرور ہے مگر ان لوگوں پر "دشوار" نہیں جو عجز کرنے والے ہیں۔"

(سورۃ البقرہ۔آیت 45)

"ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ صبر کرتے ہیں اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے رہے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے۔اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

(سورۃ القصص۔آیت 54)

"اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ یہ سب صبر کرنے والے تھے۔ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ نیک تھے۔"

(سورۃ الانبیاء۔آیت 85-86)

صبر کا مفہوم ہے روکنا اور آخری حد تک قوت برداشت سے سہارا لینا۔ ہر انسان اس بات سے واقف ہے کہ اس کی اصل روح ہے۔روح کے بغیر انسان ناقابلِ تذکرہ شے ہے۔روح جسم کو صبر کی تلقین کرتی رہتی ہے۔صبر کی تلقین سے مراد ہے کہ روح شعور کو انسپائر کرتی ہے کہ یہ تکلیف عارضی ہے۔ہر تکلیف گزر جانے والی ہے۔دنیا میں کوئی شے مستقل نہیں ہے۔اس انسپائریشن سے آدمی کے اندر تکالیف کا مقابلہ کرنے کی جرأت اور ارادے میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

جب کوئی بندہ پریشان ہوتا ہے۔اس کے اندر دور کرنے والی روشنیوں میں اعتدال نہیں رہتا۔صبر ان روشنیوں کو اعتدال میں رکھتا ہے چونکہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے۔

ان اللہ مع الصبرین

(سورۃ البقرہ۔آیت 153)

غیب

میں ایک بندہ بشر ہوں...... میری زندگی ایک کتاب کی مانند ہے جس میں ماہ وسال اور شب وروز چھپے ہوئے ہیں۔

اس طرح زمین پر موجود ہر بشر کی ایک کتاب ہے۔ جتنے سال یہ بشر دنیا میں رہتا ہے، کتاب زندگی میں اتنے ہی ورق ہیں۔

میں اگر 83 برس کا ضعیف العمر ہوں تو میری زندگی میں 83 ورق ہیں......

ورق کا ایک صفحہ ظاہر ہے اور دوسرا صفحہ باطن ہے۔

زندگی کا پہلا ورق یہ ہے کہ میں نے اس دنیا میں قدم رکھا، ایک سال تک اس ورق پر نقش ابھرتے رہے...... دوسرے سال پہلے سال کے نقوش گہرے ہوگئے لیکن نقوش میں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ کتابِ زندگی دس، بیس، تیس، چالیس اور ساٹھ صفحہ کی ہوئی اور پھر 83 اوراق تک جا پہنچی......

اس عمل کو اہلِ دانش ارتقائی عمل قرار دیتے ہیں...... ارتقائی عمل بھی خوب ہے کہ کسی ایک نقطے پر جا کر اس طرح ختم ہوجاتا ہے کہ وجود ناپید اور ہستی عدم ہوجاتی ہے...... دانشوروں کے بیان کردہ ارتقائی عمل پر غور وفکر کیا جائے تو ذہن کی اسکرین پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ ستّر، اسّی سال کی زندگی حال اور مستقبل کس طرح ہوئی؟......

جبکہ حقیقت تو یہی ہے کہ زمین پر موجود ہر شے، ہر تخلیق، ہر نوع کا ہر فرد اور سارا ارتقائی عمل ماضی ہے......

آیئے! اس بات کو سمجھنے کیلئے ایک تجربہ کر کے دیکھتے ہیں......

آپ آنکھیں بند کر کے یہ تصور کیجئے کہ آپ اپنی بارہ سال کی عمر کے دور میں موجود ہیں...... اور اس تصور کے دوران بارہ سال کی عمر کا جو نقش آپ کے ذہن کی اسکرین پر واضح ہوا، اسے تحریر کر لیجئے۔

اس کے بعد اس بات پر غور کیجئے کہ چند لمحوں میں آپ بارہ سال کی عمر میں کس طرح پہنچ گئے؟

بڑے بڑے دانشور، فلسفی، حکماء، سائنسدان، ماہرِ نفسیات، ماہرِ ارضیات اور نہیں معلوم کتنے شعبوں کے ماہرین کیا یہ ثابت کر سکے کہ ماضی، حال اور مستقبل کی کیا حیثیت ہے......؟

کیا واقعتاً زمین ان تین دائروں میں قید ہے؟......

کیا ہر انسان ماضی، حال اور مستقبل کے دائروں میں بند ہے؟......

آپ نے بارہ سال کی عمر کا جو تصور کیا، اس تصور میں آپ کو دور دراز علاقے میں گزارا ہوا وقت بھی یاد آیا ہوگا اور چند لمحوں کے دوران آپ نے یہ محسوس کیا کہ نا صرف آپ بارہ سال کی عمر میں پہنچ گئے بلکہ سینکڑوں یا ہزاروں میل کا سفر طے کر کے وہ مقام بھی آپ کے ذہن کی اسکرین پر ابھر آیا جہاں آپ کا بچپن گزرا......

اس بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہر انسان کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہے کہ وہ ماضی کو دیکھ سکتا ہے...... یا ماضی میں سفر کرسکتا ہے......

اگر ہماری گذشتہ زندگی کا ریکارڈ موجود نہ ہوتا تو ہم ماضی کے کسی لمحہ کو یاد نہیں رکھ پاتے......

غور کیجئے! اگر آپ کی عمر بیس، پچیس، تیس، چالیس، پچاس، یا ساٹھ ستر سال ہے تو آپ اپنی گزشتہ زندگی کو کیا نام دیں گے؟...... ظاہر ہے آپ اسے ماضی ہی کہیں گے......

پیدائش، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا...... زندگی کے یہ تمام ادوار ماضی سے ہی متعلق ہیں......

ماضی چونکہ ریکارڈ ہے اس لیے غیر متغیر ہے......

ازل سے ابد تک کا تمام زمانہ ماضی (ریکارڈ) ہے اور جو لمحہ اس سارے زمانے کا احاطہ کرتا ہے اس کو اہلِ روحانیت لمحۂ حقیقی یا زمانِ حقیقی کہتے ہیں...... اسی زمانے کا تذکرہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اس حدیثِ مبارکہ میں ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ ہونیوالا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے...... یعنی لازمانیت (لمحۂ حقیقی) کی حدود میں ہر چیز مکمل طور پر ہو چکی ہے...... جو کچھ ہو رہا ہے وہ ماضی کا حصہ ہے......

کہا جاسکتا ہے کہ اگر حال و مستقبل نہ ہوں تو ماضی کی تقسیم نہیں ہوگی، عمر کا تعین نہیں ہوگا، ماہ و سال نہیں ہوں گے...... لیکن ماہ و سال کی Base بنیاد ماضی کے علاوہ کچھ نہیں......

اس بات کو مزید سمجھنے کیلئے ذہن میں موجود اپنی تصوراتی نگاہ کو پیدائش سے پہلے کے دور پر مرکوز کیجئے......

سوچئے تو سہی کہ اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے ہم کہاں تھے؟......

الہامی کتابوں کی روشنی میں مرتب کی گئی روحانی تعلیمات سے ہمیں یہ آگہی ملتی ہے کہ ہم دنیا میں اپنی پیدائش سے قبل عالمِ ارواح میں تھے۔

بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا گزار کر انسان غیب میں چلا جاتا ہے اور غیب بھی دراصل ماضی ہی ہے۔ ہر انسان ماضی سے آتا ہے اور ماضی میں چلا جاتا ہے...... مرنے کے بعد کی دنیا غیب ہے...... یعنی ماضی ہے......

اس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی اصل غیب ہے، انسان ہر لمحہ غیب سے نکل کر غیب میں داخل ہو رہا ہے...... غیب سے آنے کے بعد اور غیب بن جانے کے بعد کی جو زندگی ہے وہ ایک سفر ہے...... کہیں قیام نہیں ہے......

اس سفر کا آغاز اس لمحہ ہوا جب اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات کے بعد فرمایا الست بربکم...... میں تمہارا رب ہوں...... مخلوق نے جواباً عرض کیا جی ہاں! ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں......

کوتاہ عقل والا بندہ بھی اس بات کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخاطب کیا تو مخلوق کے کان میں آواز پڑی، جیسے ہی سماعت سے آواز ٹکرائی مخلوق کی نظر اُٹھی اور مخلوق نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا...... دیکھنے کے بعد مخلوق فوراً پکار اُٹھی کہ جی ہاں ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں......

مخلوق کے کان میں پہلی آواز اللہ تعالیٰ کی پڑی اور مخلوق کی نظر نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا...... سماعت نے پہلی جو آواز سنی وہ اللہ تعالیٰ کی آواز تھی...... دیکھنے کی بنیاد یہ بنی کہ نظر نے جس چیز کو پہلی بار دیکھا، وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے!......

کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں، اجتماعی طور پر سب نے اللہ تعالیٰ کی آواز سن کر اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا...... اجتماعی شعور حاصل ہونے کے بعد دوسری چیز جو مخلوق کو حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ مخلوق کو اپنا ادراک حاصل ہوگیا...... یعنی مخلوق نے اس بات کو سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تخلیق کیا ہے......

تخلیق کی بنیادی حیثیت پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ آدم زاد اللہ تعالیٰ کی سماعت سے سنتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بصارت سے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فہم سے سوچتا ہے......

جو بندے اللہ تعالیٰ کی قربت کیلئے جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں، ان کی کوشش اس لئے کامیاب ہوتی ہے کہ انسان جس نظر سے دیکھ رہا ہے وہ نظر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نظر ہے، جس سماعت سے وہ سن رہا ہے فی الواقع وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سماعت ہے۔

غیب کا زون، مظاہر کا زون

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں نے ہمیں بتایا ہے، جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ تھا...... اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنانے کا ارادہ کیا تو اس کے ارادہ میں جو کچھ تھا اس نے حکم فرمایا کہ ہوجا...... اس حکم کی تعمیل میں پوری کائنات بن گئی...... کائنات میں اربوں کھربوں دنیائیں اور کروڑوں کہکشائیں موجود ہیں، کہکشانی نظاموں کا پورے کا پورا ریکارڈ لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے۔

کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے در پے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہمیں موصول ہوتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں۔

انسان دورخوں پر زندہ ہے...... ایک ظاہر رُخ ہے اور ایک اس کا باطن رُخ ہے...... جب انسان ظاہری رُخ میں ہوتا ہے تو وہ باطنی رُخ سے دور جاتا ہے اور جب اسکے اوپر باطنی رُخ کی دنیا روشن ہوتی ہے تو ظاہر دنیا چھپ جاتی ہے......

ابھی تک انسان اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ انسان دراصل زمانی اور مکانی فاصلوں میں بے دست و پا ہے......

حقیقت یہ ہے کہ کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے اور یہ فاصلے لہروں سے بنتے ہیں...... لہریں ایک طرف نزول کرتی ہیں یعنی اوپر سے نیچے آتی ہیں اور دوسری طرف صعود کرتی ہیں یعنی نیچے سے اوپر جاتی ہیں۔ نزول سے مراد یہ ہے کہ باطن سے ظاہر میں آتی ہیں اور صعود سے مراد یہ ہے کہ ظاہر سے باطن کی طرف جاتی ہیں...... انسان ہمہ وقت غیب سے ظاہر میں نزول کرتا ہے اور ظاہر سے غیب میں صعود کرتا ہے...... یعنی انسان بیک وقت غیب وظہور کے دائرہ میں گردش کر رہا ہے...... جب وہ غیب کے دائرہ میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کا شعور مغلوب ہوجاتا ہے، لاشعور غالب آجاتا ہے اور جب وہ ظاہر میں داخل ہوتا ہے لاشعور پس پردہ چلا جاتا ہے اور شعور غالب آجاتا ہے......

ہر انسان ظاہر اور باطن میں زندگی گزار رہا ہے...... اللہ تعالیٰ نے جب کن کہا تو یہ زون غیب

کا زون ہے......اور عالم ارواح سے سفر کر کے عالم ناسوت میں آنا عالمِ ظاہر کا زون ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا (پھر مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے یہاں اور مقرر ہے...... پھر بھی تم شک کرتے ہو۔''

(سورۃ انعام۔ آیت 2)

''ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا پھر اس کو ایک مضبوط جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا پھر نطفہ کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔''

(سورۃ المومنون۔ آیت 12-14)

اس دنیا میں جو بھی آتا ہے اور جو بھی یہاں سے چلا جاتا ہے اس کی زندگی کا دارومدار روح پر ہے۔ جب تک جسم میں روح رہتی ہے جسم زندہ رہتا ہے اور جب روح جسم کو چھوڑ دیتی ہے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں، جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔''

(سورۃ الحجر۔ آیت 28-29)

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر میں اپنی روح پھونکی ہے۔ اب ہم یوں کہیں گے کہ یہ ساری کائنات دراصل اللہ تعالیٰ کی پھونک کا کرشمہ ہے...... پھونک ہے تو جہان ہے...... پھونک ہے تو کائنات ہے اور پھونک ہے تو روح ہے...... روح ہے تو زندگی ہے!......

ہر ذی روح کی زندگی کا دارومدار سانس پر ہے...... سانس کیلئے دو حرکتیں متعین ہیں...... سانس اندر جاتا ہے یا سانس باہر آتا ہے...... سانس کا اندر جانا یا سانس کا باہر نکلنا پھونک سے قریب تر ہے...... اور زندگی کے تمام حواس، زندگی کی تمام قدریں، زندگی کے تمام تقاضے، سب سانس کے اوپر قائم ہیں......

بزرگوں کا کہنا ہے...... دَم ہے تو جہان ہے!......

ہم جب گفتگو کرتے ہیں، گفتگو میں جو آواز باہر نکلتی ہے یا جو آواز کانوں سے ٹکرا کر اندر جاتی ہے وہ اپنا اظہار لفظوں کی شکل میں کرتی ہے...... الفاظ کرخت ہوتے ہیں یا لطیف ہوتے ہیں...... الفاظ کرخت ہوں یا لطیف ہوں، دونوں حالت میں آواز کے ٹکراؤ سے انسان کے اندر جھنجھناہٹ پیدا ہوتی ہے، اس جھنجھناہٹ کا نام ہم ناگواری رکھتے ہیں یا اسے ہم خوش گوار کہتے ہیں۔ آواز کوّے کی بھی ہے!...... آواز کوئل کی بھی ہے!......

آواز کا اثر جس طرح انسانوں کو متاثر کرتا ہے اسی طرح کائنات کی دوسری مخلوقات بھی صوتی اثرات سے متاثر ہوتی ہیں......

آیئے!...... تجربہ کریں......

میرے عزیز دوستو!

حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی بات کا یقین حاصل کرنا ہو تو مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے...... فارسی کی مثال ہے:

شُنیدہ کے بود مانند دیدہ

یعنی سنی ہوئی چیز دیکھی ہوئی کی مانند نہیں ہوتی...... مشاہدہ میں تفکر بھی شامل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار تفکر کرنے کا حکم دیا ہے......

☆☆☆

صاف شفاف شیشہ کے تین گلاس سفید چاندنی پر رکھیں...... چاندنی بچھانے میں دقت ہو تو سفید آرٹ پیپر 23 x 36 انچ کے سائز کا زمین پر بچھا لیں...... اس کے اوپر تینوں گلاس چھ چھ انچ کے فاصلہ پر رکھ دیں...... تینوں گلاس میں پانی پکا کر ٹھنڈا کر کے بھر دیں...... لیکن پورا گلاس پانی سے نہ بھریں گلاس کا اوپری ایک تہائی حصہ خالی رہنے دیں......

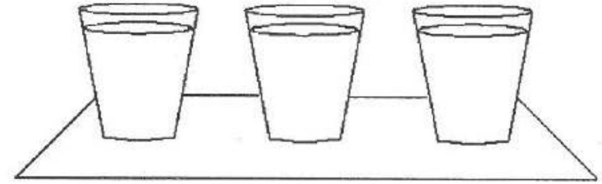
پہلے گلاس کی طرف منہ کر کے پانی کو بُرا کہیں...... جتنی برائی ہو سکتی ہے کریں......

ایک یا دو منٹ توقف کے بعد (گھڑی پاس رکھ لیں) دوسرے گلاس کی طرف متوجہ ہوں اور پانی کے زیادہ سے زیادہ فوائد بیان کریں...... پھر دو منٹ کے بعد تیسرے گلاس کی طرف متوجہ ہوں!...... اور بسم اللہ کے ساتھ سورۂ اخلاص پڑھ کر پانی میں تین پھونکیں ماریں......

اب آپ کا پریکٹیکل ہو گیا...... تینوں پانی کو علیحدہ علیحدہ غور سے دیکھیں۔ آپ کو فرق نظر

آئے گا......

زیادہ وضاحت کے لئے محدب عدسہ Magnified Glass سے دیکھیں......



شادی

شادی کی تاریخ اتنی پرانی ہے کہ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں بتائی جاسکتی۔ چونکہ شادی کے سلسلے میں تاریخی اعتبار سے ہم گونگے بہرے ہیں اس لیے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جب سے دنیا کی ابتدا ہوئی وہی شادی کی تاریخ ہے۔

دنیا کی ابتدا کون سے سن میں ہوئی......اس کے بارے میں بھی دنیا کے تمام دانشور مہر بہ لب ہیں۔ قیاس اور اندازوں کی کوئی وقعت اس لیے نہیں ہے کہ قیاس بہرحال قیاس ہے اور مفروضے سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

خالقِ کائنات نے کائنات کب تخلیق کی؟......کیا اس وقت ماہ وسال تھے؟...... پہلے سے دن رات کا وجود تھا؟......ٹائم اسپیس کا کوئی سراغ ملتا ہے؟......اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے البتہ اتنا علم ہمیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ضرور حاصل ہے کہ

علم الانسان مالم یعلم

''اور ہم نے انسان کو وہ علم سکھا دیئے جو یہ نہیں جانتا تھا''

(سورۃ العلق۔آیت 5)

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو علوم سے آراستہ کردیا اور فرشتوں نے آدم کے علم کی فضیلت کو جانچ کر، پرکھ کر اور سمجھ کر آدم کی بڑائی کو تسلیم کرلیا تو......اللہ تعالیٰ نے آدم سے کہا کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہو خوش ہوکر جہاں سے دل چاہے کھاؤ پیو......لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا......مذکر مؤنث بنایا مرد عورت بنایا......یعنی وجود ایک رُخ پر نہیں بلکہ دو رخوں پر تخلیق ہوا......

آدم کا ہر فرزند اور حوا کی ہر دختر یہ جانتی ہے کہ جب آدم وحوا سے جنت میں بھول چوک ہوگئی......تو دونوں کو اسفل السافلین میں پھینک دیا گیا......اور زمین پر ہی دونوں سے آدم وحوا کی

نسل شروع ہوئی...... دیکھتے ہی دیکھتے نسلِ انسانی نے زمین کے ہر خطے پر سکونت اختیار کر لی......
زمانے کے تغیر و تبدل اور سرد و گرم حالات برداشت کرتے کرتے آدم و حوا کی نسل نے ارتقائی منازل طے کیں اور بزعم خود وہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ یا ترقی پذیر قوم کہتی رہی...... شعوری ارتقا کیا ہے؟...... اگر ہے تو کس طرح عمل پذیر ہوا...... اور کیا واقعتاً جس چیز کو نوعِ انسانی ارتقا سمجھتی ہے اس کی کوئی حیثیت ہے یا یہ کوئی تنزل کی ترقی یافتہ شکل ہے؟ اس کے بارے میں بھی مفکرین کی مختلف آراء ہیں اور یہ ساری موشگافیاں 99 فیصد قیاس پر مبنی ہیں۔

ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ آدم و حوا کی شادی کے بعد جس کو ہم دو وجود کا ملاپ کہتے ہیں، نسلِ انسانی کی ابتدا ہوئی...... آدمؑ جب زمین پر تشریف لائے اور حوا ان کی رفیق کار بنیں...... تو دراصل دو وجود کا بندھن عمل میں آیا...... دو وجود سے مراد دو شعور، دو فہم، دو عقلیں اور سوچ بچار کی دو قدریں ہیں...... یعنی جب آدم و حوا کے دو وجود آپس میں ملے یعنی جان جان سے گلے ملی جان جان میں پیوست ہوئی یا آدم حوا میں اور حوا آدم میں جذب ہو گئے تو نتیجے میں تیسرا وجود عالمِ دنیا میں داخل ہوا......

اسی بات کو اس طرح کہا جائے گا کہ آدم و حوا کے دو شعور جب آپس میں باہم دگر جذب ہو گئے تو تیسرا شعور آدم کی اولاد کی شکل میں زمین پر وارد ہوا......

آدم کی اولاد نے مذکر اور مؤنث کے روپ میں جب اس عمل کو دہرایا تو نتیجے میں 6 شعور سے مرکب ایک اور آدم زاد وجود میں آ گیا...... اور اس طرح شعور در شعور Multiply ہو کر لاکھوں، کروڑوں شعوروں کی دستاویز بن گیا۔

دُنیوی طرزوں میں آپ جب بھی دو چیزوں کو ایک دوسرے میں جذب کر دیں گے تو لازماً تیسری چیز تخلیق ہو جائے گی۔ اور جب اس تیسری چیز میں مزید کوئی ایک چیز یا زیادہ اشیاء ملا دیں گے یا یکجان کر دیں گے تو ایک اور نئی تخلیق آنکھوں کے سامنے آ جائے گی۔ یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔

یہ قانون انسانوں پر ہی نافذ نہیں ہوتا بلکہ اس میں حیوانات، نباتات، جمادات، حشرات الارض سب شامل ہیں اللہ تعالیٰ اتنے اعلیٰ وارفع، بہترین، بے مثال خالق ہیں کہ انہوں نے تخلیق کا ایک ایسا فارمولا بنا دیا ہے کہ ہر شئے دوسری شئے کی تخلیق میں حصے دار ہے۔ ہر شئے دوسری شئے کی معاون و مددگار ہے۔ ہر شئے دوسری شئے کی خدمت گزاری پر مجبور ہے۔ ہر شئے جب فنا ہوتی

ہے تو فنائیت کے نیچے بقا نظر آتی ہے اور جب ہم بقا کو ڈھونڈتے ہیں تو اس کی تہوں میں فنا جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یعنی تخلیقی مراحل میں جتنی اہمیت بقا کو حاصل ہے، نشو و نما کی بھی ہے اور اتنی ہی اہمیت فنا کو بھی حاصل ہے۔

ایک چھوٹا سا جرثومہ رحمِ مادر میں خود کو نیست کر کے ایک تخلیق کی داغ بیل ڈال دیتا ہے۔ خود نظروں سے معدوم ہو جاتا ہے اور ماں کے پیٹ میں ایک خوبصورت تصویر جنم لے لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وہ جو ماں کے پیٹ میں طرح طرح کی تصویریں بناتا ہے۔''

(سورۃ آلِ عمران۔ آیت 6)

زمین پر آنے والا ہر فرد ایک طرف گھٹتا ہے دوسری طرف بڑھتا ہے اگر ایک طرف بڑھتا ہے تو دوسری طرف گھٹتا ہے۔ ایک رُخ میں نشو و نما پاتا ہے تو دوسرے رُخ میں پہلا مرحلہ عدم میں چلا جاتا ہے۔ لفظ شادی کے معنی خوشی کے ہیں۔ یعنی ایسا عمل جس کے پسِ پردہ خوشیوں کا ہجوم ہے۔ شادی ایک ایسا باغ ہے جس میں طرح طرح کے نت نئے رنگ رنگ شگوفے پھوٹتے ہیں، کھلتے ہیں اور رنگ و نور کی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔

شادی کا مطلب ہے...... جان سے جان کا ملنا...... شادی کا مطلب ہے جان میں جان پڑنا...... شادی کا مطلب ہے دو وجود کا آپس میں یگانگت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے ایک راستے کا انتخاب کرنا۔ شادی کا مطلب ہے احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ذیلی تخلیقات کو عمل میں لانا۔

شادی کے بارے میں لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں۔ زیادہ تر شادی سے پہلے شادی کو خوشنما، خوش رنگ، خوشحال اور خوش بخت زندگی کی ابتدا کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ شادی کو ایک مصیبت بھری کہانی کا کردار بتاتے ہیں...... شادی سے پہلے محب محبوب سے کہتا ہے میں تیرے لئے آسمان سے ستارے توڑ لاؤں گا۔ اور شادی کے بعد محبوب کہتا ہے کہ اگر میں آسمان پر پہنچ جاؤں تو تجھے وہاں چھوڑ آؤں گا۔

غیر جانبدارانہ زاویئے سے تفکر کیا جائے تو شادی دراصل اللہ تعالیٰ کی ذیلی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ تعاون کا نام ہے۔

ماں کی مامتا، باپ کی شفقت!...... اس کا تذکرہ عام ہے۔ ماں کی مامتا کو سب جانتے ہیں...... باپ کی شفقت سے سب آگاہ ہیں...... مامتا اور شفقت نہ ہو تو بچے کی پرورش ہی ایک معمہ بن جاتی ہے۔

مخلوق میں جتنے بھی افراد ہیں، ان سب میں اگر فضیلت ہے تو وہ پیغمبروں کو حاصل ہے...... پیغمبر اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ نوعِ انسانی کو اچھائی اور برائی کا درس دینے والے ہیں۔ شعوری اور لاشعوری اعتبار سے انسانوں کی تربیت کرنے والے ہیں...... یہ سب قدسی حضرات بھی ماں باپ کے بیٹے ہیں......

اس عمل سے ماں باپ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یعنی شادی ماں باپ کی فضیلت کا سب سے بڑ ذریعہ ہے۔ اس لئے خالق کائنات نے سسٹم ہی ایسا بنایا ہے کہ خالق کے علاوہ ہر مخلوق والدین کے التفات کی محتاج ہے۔ ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت عطا کی ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ سوچتا ہے...... سوچ منفی ہو یا مثبت بہر حال وہ سوچتا ہے...... بیٹھے بیٹھے ایک دن مجھے خیال آیا کہ لفظ ''شادی'' کا مطلب ہے خوش ہونا یا خوشی کا ماحول میسر آنا...... میں نے شادی کے ابتدائی مرحلے سے سوچنا شروع کیا۔

بچہ جوان ہوا...... تو ماں کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑی...... کہ بیٹے کی شادی کرنا ہے۔ دوسری ماں کے دل میں خوشی کی لہر اُٹھی کہ بیٹی کی شادی کرنی ہے...... یہ خوشی نمبر ایک ہوئی اب آگے خوشیوں کی گنتی کرتے جایئے...... شادی کے خیال سے جس قدر خوشی ہوتی ہے وہ سب مائیں، باپ، بہن اور بھائی...... اچھی طرح جانتے ہیں...... منگنی کی رسومات کا مرحلہ پیش آیا...... سارا خاندان ہی خوشی میں سرمست ہو گیا...... منگنی کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی......

فرحاں وشاداں سارا خاندان جمع ہو گیا...... دولہا دلہن اسٹیج پر براجمان ہوئے...... سلامی کی رسم ادا ہوئی...... اپنوں پرایوں نے کھانا تناول کیا...... اور خوشی خوشی گھر میں دلہن کی ڈولی آگئی...... پورا گھر خوشی سے جھوم اُٹھا...... روشنیوں سے گھر بقعہ نور بن گیا...... اتنی خوشی ملی کہ احساس ہوا کہ وقت ٹھہر گیا ہے...... شادی کے بعد گھر گھر دعوتوں کا اہتمام بھی خوشی کے دائرہ کار سے باہر نہیں ہے...... اللہ میاں ہمیشہ ہی اپنے بندوں کو خوش رکھنے کیلئے وسائل بناتے رہتے ہیں...... اور اپنی مخلوق کے خوش ہونے سے خوش ہوتے ہیں۔ اب تخلیقی عمل کا دور آیا...... لیجئے خوشی کا ایک اور دروازہ کھل گیا...... مبارک باد کے پیغام آتے رہے۔ اسی خوشی میں انتظار کے نو مہینے گزر گئے......

اللہ تعالیٰ نے چاند سا بیٹا یا بیٹی عطا فرمادی...... خاندان میں نہیں پورے محلے میں خوشی کی مہک پھیل گئی...... نومولود نے آنکھیں کھول کر دیکھا، جس کو دیکھا وہ خوش ہو گیا کہ مجھے دیکھ رہا ہے...... مجھے پہچان رہا ہے...... بچے نے غوں غاں کی تو ماں باپ کے ساتھ چھوٹے بہن بھائی بھی کھِل اُٹھے...... کروٹ بدلی تب خوش ہوئے...... تکیوں کے سہارے سے بچے کو بٹھایا گیا تو خوشی ملی...... کلکاریاں بھریں تب گھر کے افراد مخمور ہو گئے...... گھٹنوں چلا تو پورے گھر کے افراد کی آنکھوں میں خوشی کی چمک اُبھر آئی...... بچہ اور بڑا ہوا تو اس نے کاغذ پر ایک لکیر کھینچی...... جناب خوشی کا کیا ٹھکانہ ہے وہ کاغذ ہر آنے جانے والے کو دکھایا جا رہا ہے کہ ہمارے منّے نے الف لکھا ہے۔ ہر آدمی اس بات پر یقین کر رہا ہے کہ الف لکھا ہے...... کوئی نہیں سوچتا کہ اس بچے کو کیا پتہ کہ الف کیا ہوتا ہے...... خوشی میں شعور بے شعور ہو گیا۔ بچہ اسکول جانے کے قابل ہوا۔ یونیفارم خریدا گیا...... ماں نے صبح پانچ بجے اُٹھ کر پاک صاف کر کے منہ، ہاتھ دھو کر تیار کیا...... یونیفارم پہنایا...... ہر آدمی بچہ کے اوپر یونیفارم کو دیکھ کر خوش ہے، مگن ہے۔ بچہ اسکول میں پاس ہوا۔ اچھے نمبر لیے...... اس سے خوشی حاصل ہوئی...... میٹرک یا O لیول کر لیا اس کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں لوگ آ رہے ہیں، خوش ہو رہے ہیں...... تحفے تحائف کا تبادلہ ہو رہا ہے...... پڑھ لکھ کر الحمدللہ بیٹا یا بیٹی فارغ التحصیل ہوئے...... ملازمت مل گئی...... کاروبار میں لگ گئے...... اس خوشی کا کوئی بدل نظر نہیں آتا...... اور پھر اماں ابا شادی کی تیاری میں مصروف ہو گئے......

قصہ مختصر شادی ایک ایسا لفظ ہے...... ایسا عمل ہے...... اور ایک ایسا اسٹیج ہے جس اسٹیج کا ہر کردار خوشی سے معمور ہے......

میرے عزیز بچو!

جن کی شادیاں ہو گئی ہیں یا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہو جائیں گی...... شادی کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ لوگ پریشان ہو جاتے ہیں...... میاں بیوی ایک دوسرے کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے...... گھر اُلجھن اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے بعد دونوں وجود ایک دوسرے کے وجود سے ہم آہنگ نہیں ہونا چاہتے...... دونوں وجود ایک دوسرے کے وجود کی قدر و منزلت سے واقفیت حاصل نہیں کرنا چاہتے...... دونوں وجود کے درمیان حفظِ مراتب نہیں ہوتا...... دونوں وجود اقتدار کے خواہشمند ہوتے ہیں اور جب اقتدار کی خواہش پوری نہیں ہوتی تو اختلافات کا ایسا سیلاب آجاتا ہے جس پر بند باندھنا آسان کام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو......''

(سورۃ البقرہ۔آیت 35)

کا مفہوم یہ ہے کہ میاں بیوی جب تک اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل کو باہم دگر شیر و شکر ہو کر استعمال کریں گے وہ خوش رہیں گے...... اور جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک یا دونوں خوشی کو اہمیت دینے کے بجائے اپنی ذات کو اہمیت دیں گے تو ناخوش ہو جائیں گے اور جب وہ ناخوش ہو جائیں گے تو اپنے اوپر ظلم کریں گے...... اور جب ظلم کریں گے تو ان کا گھر جنت کے بجائے اسفل السافلین بن جائے گا۔ میرے آقا...... میرے پیارے نبی...... حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''اچھی بیوی گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ بیوی ہی اچھی ہوگی تو گھر جنت بنے گا اچھا شوہر بھی گھر کو جنت بنانے کا ذریعہ ہے۔

میری والدہ صاحبہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے......

...... اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، کہتی تھیں۔

''ہر لڑکی وہ بہن ہو، بیٹی ہو، بہو ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے ذیلی تخلیق کے لئے پیدا کیا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر عورت ''ماں'' ہے۔ ماں اگر بچے کی صحیح تربیت کر دے تو یہی اس کا عروج ہے اور یہی اس کا کمال ہے۔ بیوی اگر ماں کی خصوصیت کو سامنے رکھ کر شوہر کی تربیت کرے تو شوہر بیوی کے ہاتھ سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ اس لیے کہ شوہر بھی کسی ماں یعنی عورت کا بیٹا ہے۔

میاں بیوی آپس میں ذہنی ہم آہنگی کو برقرار رکھیں تو اولاد صالح ہوتی ہے۔ ماں باپ کی خدمت گزار ہوتی ہے۔ خاندان اور معاشرے میں نیک نام ہوتی ہے اور یہ نیکی بہر حال ماں باپ کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔ ذہنی ہم آہنگی کا بہترین عمل یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں...... اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس بنایا ہے۔ عورت مرد دونوں میں سے جب کوئی اپنے لباس کو نوچتا ہے تو لازماً جسم بھی مجروح ہوتا ہے۔

انکشافات

انکشاف 01

ہم سب جانتے ہیں کہ عمارت اینٹوں اور سیمنٹ سے بنتی ہے۔ اس عمارت میں دروازے، کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ ہوا اندر آنے کیلئے اور ہوا اندر سے باہر جانے کیلئے راستے ہوتے ہیں۔ سورج کی تپش اور دھوپ کی شدت سے گھر گرم ہو جاتا ہے اور ٹھنڈی ہوا سے گھر کا ٹمپریچر کم ہو جاتا ہے۔ گھر میں چھت ہوتی ہے اور چھت کے نیچے فرش ہوتا ہے۔

یہ اس عمارت کا ذکر ہے جو بجری، کرش، سیمنٹ اور لوہے سے مل کر بنتی ہے......

جس طرح عمارت بنائی جاتی ہے، اسی طرح قدرت نے انسانی جسم کو بھی بیشمار خلیات سے بنایا ہے۔ خلیات کو انگریزی میں Cells کہتے ہیں۔

یہ Cells زندگی کو توانائی بخشتے ہیں اور اس توانائی سے زندگی قائم رہتی ہے۔ ان سیلز کی جسمِ انسانی میں شکست و ریخت ہوتی رہتی ہے۔ ہر Cell کے اندر بہت سارے اجزاء ہوتے ہیں اور انہی اجزاء سے زندگی قائم رہتی ہے۔ جس طرح Cell میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے، اسی طرح جسم میں بھی ہمہ وقت تعمیر و تخریب کا عمل ہوتا رہتا ہے۔

تعمیر و تخریب کا یہ عمل ایک طرف نشو و نما میں اضافہ کرتا ہے تو دوسری طرف نشو و نما کو ماضی میں ریکارڈ کرتا ہے اور تعمیر و تخریب کا یہ عمل انسانی وجود کو Grow کرتا ہے۔

نو مہینے کی یہ ٹوٹ پھوٹ تخلیق کو پورا کر کے بچہ کو عالمِ رنگ و بو میں لے آتی ہے۔

اس تخلیق میں مرد و عورت دونوں کا حصہ ہے۔ لیکن تخلیقی عمل میں مرد کے مقابلے میں عورت کا کردار زیادہ نمایاں ہے......

☆☆☆

بتایا جاتا ہے کہ مرد اور عورت بہت پیچھے ماضی میں ایک تھے...... اور عورت مرد کے اندر اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ آدم کے علاوہ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا......

آدم نے جنت میں اپنی مخالف جنس حور کو دیکھا...... حور کی اور آدم کی ساخت مختلف تھی......

تخلیقی اجزاء دونوں کے ایک سے تو تھے لیکن یکسر جدا جدا تھے...... جنسِ مخالف حور کو دیکھ کر آدم نے اپنے وجود کے اندر عورت کو یعنی حوا کو دیکھا تو حوا سے قربت کا اور حوا سے لمس کا تقاضہ پیدا ہوا......

اور یہ تقاضہ اتنا بڑھا کہ آدم کا ذہن اس نقطے پر مرکوز ہو گیا جہاں قانونِ قدرت کے تحت تخلیقی نظام حرکت میں آجاتا ہے......اور نتیجے میں حوا آدم کے وجود سے باہر نکل آئی......

یہی حوا عورت ہے!...... جو پوری نوعِ انسانی کی ماں ہے!......

عجیب صورتحال یہ ہے کہ ماں کا وجود مرد کے وجود کے تابع ہے لیکن صلبی نظام کا پورا کنٹرول ماں کے ساتھ وابستہ ہے۔

ماں!......تخلیق......تغیر......نشو ونما......تولید......اور نومولود کے بقا کی ذمہ دار ہے......

صورتحال یہ ہے کہ صلبی نظام میں عورت ہر اعتبار سے مرد پر فوقیت رکھتی ہے۔

تخلیق میں مرد کا عمل اتنا ہے کہ وہ اپنے جسم سے افزائش نسل کیلئے بیج فراہم کرتا ہے......اس طرح مرد کے وجود کی اہمیت بلاشبہ اجاگر ہوتی ہے......لیکن اگر نطفے کو ماں کا رحم تخلیقی عمل میں آگے نہ بڑھائے تو تخلیق نہیں ہوتی!......

اسی لئے ہم مرد وعورت، ماں اور باپ دونوں کو لازم وملزوم قرار دیتے ہیں۔

انکشاف 02

زمین پر پیدا ہونے والا ہر باشعور فرد اس بات کا تجربہ رکھتا ہے کہ مرد انتقالِ نطفہ کے بعد اس طرح جدا ہو جاتا ہے کہ جیسے دونوں کا ملاپ جُز وقتی تھا......

جبکہ عورت مستقبل کے خوش کن نتائج کے انتظار میں مسلسل ایثار کرتی رہتی ہے۔

عورت!...... ماں کے روپ میں دو کروڑ 33 لاکھ 28 ہزار لمحات ایک نئے انسان کے تصور میں گزار دیتی ہے، جو خود اسی کے جسم وجان کا ایک حصہ ہے!......

نطفہ!......یعنی بیج کو اگر Die تسلیم کر لیا جائے تو اس Die میں انسانی وجود کے جتنے اعضا ہیں وہ سب ماں کے خون سے تخلیق ہوتے ہیں۔

ایک کومل نرم ونازک اور خوبصورت بچے کے اعضا کو دیکھا جائے تو ہر عضو ماں کے خون سے بنا ہوا ہے......

صحتمند بچے کے اندر تقریباً بارہ کھرب سیلز Cells کام کرتے ہیں......اور یہ سارے Cells یا خلیے بچے کو ماں سے منتقل ہوتے ہیں......

عورت!...... مرد سے حاصل کردہ ایک قطرے کو اپنے بطن میں قبولیت کے ساتھ جگہ دیتی ہے اور اپنے اندر کی حرارت سے اس میں تحریک وتغیر پیدا کرتی ہے۔

یہ تحریک ہی دراصل بچے کی نمو کا پیش خیمہ ہے!......

عورت!...... ماں ہے...... ماں اپنے خون سے بچے کو غذا فراہم کرتی ہے......قدرت کی عطا کردہ قوتِ تخلیق سے اس کو بڑھاتی ہے اور یہ رقیق قطرہ منجمد صورت اختیار کر کے مضغہ میں تبدیل ہو جاتا ہے......حجم بڑھتا رہتا ہے......عضلات ترتیب پاتے رہتے ہیں اور گوشت کا لوتھڑا انسانی نقش ونگار میں تبدیل ہو جاتا ہے......کم وبیش نو ماہ کے بعد یہ مولود اپنی ماں کے جسم سے الگ ہو کر اس دنیا میں برملا اپنے وجود کا اعلان کر دیتا ہے......

ابتدائے حمل سے وضع حمل تک...... یہ پورا عمل عورت کے اندر موجود تخلیقی قوتیں سرانجام دیتی ہیں......اس عمل میں ہر طرح عورت کی جسمانی توانائی صرف ہوتی ہے......دیکھا جائے تو اس پورے عمل میں مرد کا حصہ صرف اتنا ہے کہ اس نے عورت کے بطن میں خود عورت کی قبولیت کے ساتھ بیج بو دیا......

انکشاف 03

وضع حمل کے بعد عورت کے فرائض ختم نہیں ہو جاتے۔ ولادت کے بعد نومولود کو سوا دو سال تک 19 ہزار چار سو چالیس گھنٹے تک غذا بھی اپنے جسم سے فراہم کرتی ہے۔ جس میں چار مہینے ایسے ہیں کہ بچے کو مزید کسی قسم کی غذا کی ضرورت پیش نہیں آتی، حتیٰ کہ پانی پینے کا تقاضہ بھی ماں کے دودھ سے پورا ہو جاتا ہے اور بارہ سال کی عمر تک ماں ہی بچے کی دیکھ بھال، موسمی اثرات سے بچاؤ اور حفاظت کرتی ہے......

غرض پرورش اور تربیت......سب کی ذمہ داری عورت کے اوپر ہے......

ان مشاہدات اور تجربات کے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہر صاحبِ عقل انسان ولادت کے مسئلے پر عورت کی فضیلت تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

عورت......

ماں!......

انکشاف 04

تقریباً تمام تہذیبوں اور مذہب وتاریخ کے تذکروں میں درج ہے کہ نسلِ انسانی کی ابتدا

آدم وحوا سے ہوئی ہے۔

قدیم روایتوں میں جہاں جہاں بھی انسانی زندگی کے آغاز کا ذکر ملتا ہے...... وہاں یہ کہا گیا ہے کہ پہلے نر وجود میں آیا...... اور پھر اس کے وجود سے مادہ نے جنم لیا......

یہ قدیم روایتیں اندھی تقلید کی طرزِ فکر کے تحت مذاہب کے پیروکاروں نے بھی اپنا لیں...... اور ان کے اثرات ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی قائم رہے...... حالانکہ آخری کتاب قرآن سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی کہ آدم پہلے پیدا ہوئے اور پھر آدم کی پسلی سے حوا کی پیدائش ہوئی......

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! بیان کرو اسماء، جب اس نے اسماء بیان کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمان اور زمین کے غیب کا علم رکھتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا اور تکبر میں آ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو اس میں سے کھاؤ بے روک ٹوک جہاں سے تمہارا جی چاہے۔ مگر اس درخت کے قریب کے نہ جانا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ پھر شیطان نے دونوں کو بہکایا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے کہا اب تم سب نیچے اترو ایک دوسرے کے دشمن ہو کر اور تمہیں ایک وقت تک زمین پر ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے۔ پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کر لی، بے شک وہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان۔ ہم نے کہا تم سب نیچے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی اتباع کرے تو اسے کوئی خوف اور غم نہ ہوگا اور وہ لوگ جو کفر کریں گے اور میری نشانیوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہیں۔ انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔''

(سورۃ البقرہ۔ آیت 33-39)

''اور ہر پھل کے جوڑے دہرے بنائے۔''

(سورۃ الرعد۔ 3)

''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا جس کے ذریعے ہر قسم کے اعلیٰ جوڑے پیدا کیے۔''

(سورۃ لقمان۔ آیت 10)

''پاک ہے وہ ذات جس نے تخلیق کیا جوڑوں میں، ان چیزوں میں جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں میں، ان چیزوں میں جن کا وہ علم نہیں رکھتے۔''

(سورۃ یٰسین۔ آیت 36)

''اور ہم نے ہر چیز کو جوڑوں میں تخلیق کیا تاکہ تم سوچو اور یاد رکھو۔''

(سورۃ الذریٰت۔ آیت 49)

''تخلیق کیا تمہیں نفسِ واحدہ سے پھر اُسی سے اس کا جوڑا بنایا۔''

(سورۃ الاعراف۔ آیت 189)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو تفکر کرتے ہیں۔''

(سورۃ الروم۔ آیت 21)

ان آیات میں پیدائش کے متعلق یہ نظریہ کہ آدم کی پسلی سے حوا پیدا ہوئی ہیں...... ثابت نہیں ہوتا...... جہاں جہاں آدم کا تذکرہ ہوا ہے وہاں آدم سے مراد اجتماعی تشخص ہے...... اور جہاں آدم کے علاوہ دوسرے فرد کا تذکرہ ہوا ہے......

''اے آدم تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو۔''

(سورۃ البقرہ۔ آیت 35)

اس آیت میں عربی لفظ ''زوج'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی جوڑے کے ہیں...... اس لفظ کو زوجہ تصور کر کے اس کا ترجمہ بیوی کر دیا گیا......

قرآن پاک میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد جوڑا ہے!...... بیوی نہیں......

انکشاف 05

تفکر رہنمائی کرتا ہے کہ آدم کے ساتھ حوا کی بھی تخلیق ہوئی...... ان کو بھی علم الاسماء منتقل

ہوئے اور فرشتوں نے ان کی بھی علمی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے سامنے سجدہ کیا...... شجر ممنوعہ کے قریب جانے کا سہو دونوں سے ہوا......

نہ حوا نے آدم کو بہکایا......

نہ ہی آدم نے حوا کو......

بلکہ دونوں شیطان کے وسوسوں کے شکار ہوئے اور جنت کی لامحدود فضا سے نکل کر پابند مادی دنیا میں آگئے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت و نیابت کی منتقلی کا جہاں تذکرہ فرمایا ہے وہ تذکیر و تانیث کا ذکر نہیں ہے......

اللہ تعالیٰ کی نیابت وخلافت کے علوم آدم وحوا دونوں کو منتقل ہوئے۔

''اے آدم! تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو۔''

(سورۃ البقرہ۔ آیت 35)

انکشاف 06

روحانی آنکھ دیکھتی ہے...... کہ ہر شئے دو رخوں سے مرکب ہے......

اس قانون کے تحت مرد کا وجود بھی دو رخوں پر قائم ہے اور عورت کا وجود بھی دو رخوں پر قائم ہے......

ہر فرد دو پرت سے مرکب ہے...... ایک پرت ظاہر ہے اور دوسرا چھپا ہوا ہے۔

مرد ہو یا عورت دونوں دو رخوں سے بنے ہوئے ہیں۔

ایک ظاہر رُخ اور ایک باطن رخ......

انکشاف 07

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ فرعون بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کے قتل کا حکم صادر کر چکا تھا۔ بنی اسرائیل کے گھروں میں چھاپے پڑ رہے تھے اور پیدا ہونے والے بچوں کو مارا جا رہا تھا۔

ایسے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور ان کے اہل خاندان سخت پریشان تھے کہ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد فرعون کے سپاہیوں سے اسے کس طرح محفوظ رکھیں...... ہر طرف فرعون

کے جاسوس پھیلے ہوئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور بہن کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے اِلقا کیا کہ تابوت کی مانند ایک ایسا صندوق بناؤ جسکے اندر پانی داخل نہ ہو سکے۔ پھر اپنے بچے کو اس میں لٹا دو اور اس کے بعد صندوق دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس اِلقا کے متعلق کسی قسم کے شکوک وشبہات کا اظہار کیے بغیر غیبی ہدایت پر عمل کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ نیل کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے چل کر صندوق کی نگرانی کرے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کس طرح کرتا ہے!......

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''(اے موسیٰ) جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف وحی کی۔''

(سورۃ القصص۔ آیت:7)

روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کیلئے کوہِ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے موسیٰ اب تم سنبھل کر آنا...... تمہاری ماں کا انتقال ہو گیا ہے...... جب تم ہمارے پاس آتے تھے تو تمہاری ماں سجدہ میں جا کر ہم سے دعا کرتی تھی......

اے سب جہانوں کے رب!......

میرے بیٹے سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اسے معاف کر دینا......

انکشاف 08

''وہ وقت قابل ذکر ہے جب فرشتوں نے مریم سے کہا...... اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے کلمے کی بشارت دیتا ہے اور اس کا پورا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں صاحبِ وجاہت اور ہمارے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ لوگوں سے گہوارے میں پختہ عمر کے زمانے میں کلام کرے گا اور وہ نیکوکاروں میں سے ہوگا۔

مریم نے کہا...... میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہ لگایا......

فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ جب کچھ چاہتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔ وہ جب کسی شئے کیلئے حکم کرتا

ہے......ہوجا......اور وہ ہو جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اس کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کا علم عطا کرے گا اور وہ بنی اسرائیل کی جانب اللہ تعالیٰ کا رسول ہوگا۔"

(سورۃ آلِ عمران۔آیت:45-49)

جب دردِ زہ شروع ہوا تو تکلیف و اضطراب کی حالت میں کھجور کے تنے کا سہارا لے کر حضرت مریم علیہ السلام بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں......

کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور لوگ مجھے بھول چکے ہوتے!......

تب نخلستان کے نشیب سے فرشتے نے پکارا......

مریم! غمگین نہ ہو...... تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو اس درخت کے تنے کو ہلا...... تیرے اوپر تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی...... پس تو کھا اور پی......اور اپنے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر...... پھر اگر کوئی آدمی نظر آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کیلئے روزہ رکھا ہے......اس لئے آج میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔

حضرت مریم!...... وحیٔ الٰہی کے ان پیغامات سے مطمئن ہو کر بچے کو گود میں لے کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئیں...... جب شہر میں پہنچیں تو لوگوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا......اور بولے......

مریم! یہ تو نے کیا بھاری تہمت کا کام کیا ہے!......اے ہارون کی بہن!...... تیرا باپ برا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدچلن تھی پھر تو یہ کیا کر بیٹھی؟......

حضرت مریم علیہ السلام نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا...... جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھو...... میں آج روزے سے ہوں......

لوگوں نے نہایت تعجب سے کہا......

ہم کس طرح شیر خوار بچے سے کوئی بات پوچھ سکتے ہیں جو ابھی ماں کی گود میں ہے؟......

مگر بچہ بول اٹھا......

میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے مبارک بنایا خواہ میں کسی حال اور جگہ میں ہوں۔ اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک

زندہ ہوں اور میرے پروردگار نے مجھ کو ماں کا خدمت گزار بنایا...... خودسر اور نافرمان نہیں بنایا......

انکشاف09

ایک غزوہ میں کسی عورت کا بچہ گم ہوگیا، محبت مادری کا یہ جوش تھا کہ کوئی بھی بچہ مل جاتا تو اسے سینے سے لگا لیتی اور اس کو دودھ پلاتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: "کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے؟"......

لوگوں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!......کبھی نہیں!"......

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس سے کئی گنا زیادہ محبت کرتے ہیں، جتنی محبت اس عورت کو اپنے بچے سے ہے۔"

(بخاری، جلد سوم۔حدیث 937)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے پیدا کیا۔"

(سورۃ الاحقاف۔آیت 15)

"اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا۔"

(سورۃ بنی اسرائیل۔آیت 23)

اقوال زرّیں

☆... ماں کی نافرمانی پر جنت حرام کر دی گئی ہے۔ (سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام)

☆... جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں روزہ رکھ کر جہاد کرنے اور رات بھر عبادت کرنے جیسا ثواب ملتا ہے۔ (سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام)

☆… اللہ تعالیٰ کو پہچانو اور ماں کا حق ادا کرو۔ (حضرت آدم علیہ السلام)

☆… میں تم سے تمہاری ماں کے لئے سفارش کرتا ہوں جس نے تمہیں پیدا کیا۔ مدرسہ کی طرف رہنمائی کی۔ شب و روز تمہاری فکر میں لگی رہی۔ تمہیں کھلایا پلایا۔ اسے اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تم سے خفا یا مایوس ہو کر بد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، یقیناً خدا اس کی شکایتوں کو سنتا ہے۔ (حضرت لقمان علیہ السلام)

☆… ماں کو اذیت پہنچانا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام)

☆… پہلا حکم یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری کرو۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)

☆… ماں کے قدموں سے چمٹے رہو، وہیں جنت ہے۔ (حضرت فاطمہ الزہرہؓ)

☆… اگر تو اپنی ماں کو کندھوں پر اٹھا کر ستر مرتبہ حج کروائے، پھر بھی ماں کا حق پورا نہیں ہوتا۔ (حضرت حسن بصریؒ)

☆… ماں کے چہرے پر محبت سے نظر کرنا بھی خدا کی خوشنودی کا موجب ہے۔ (حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ)

☆… میں تخت و تاج بچانے کیلئے بھی ماں کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ (رام چندر جی)

☆… سوتیلی ماں کی شان میں بھی برے کلمات نہ کہو کہ وہ تمہاری ماں ہے۔ (کرشن جی)

☆… اگر کوئی برگزیدہ ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ پہلے اپنی ماں کی خدمت کرے۔ (گوتم بدھ)

اولاد کی تربیت

ہم جب کائناتی نظام پر غور کرتے ہیں...... تو پورا ایک Network ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

اس Network کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام کے چلانے والے جتنے بھی کارکن ہیں ان سب کا آپس میں ذہنی اشتراک ہے۔

کائنات ایک اسٹیج ڈرامے کی طرح ہے...... ڈرامے میں اگر مختلف کرداروں کا آپس میں اشتراک نہ ہو اور ہر ایکٹر اپنے کریکٹر کو ڈرامہ نویس اور پروڈیوسر کے مطابق پورا نہ کرے تو ڈرامہ فلاپ ہو جاتا ہے......

کائناتی نظام کے سلسلے میں کائنات کو ڈرامے سے تشبیہ دینا کوئی اچھی اور قابلِ تعریف بات نہیں ہے۔ لیکن نوعِ انسانی کی مجبوری ہے کہ اس کے پاس حقائق بیان کرنے کی Vocabulary اتنی کم ہے کہ تہی دامن ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسی مثالوں کا سہارا لیا جاتا ہے جن سے مضمون کا مفہوم واضح ہو جائے۔

کائناتی Network میں بے شمار زمینیں...... ان زمینوں پر شماریات سے زیادہ سورج، چاند اور ستارے...... زمین کے اوپر خلا میں...... زمین کی سطح پر...... زمین کے اندر تہہ در تہہ پرتوں میں...... تخلیقات کا ایک سلسلہ ہے جو کسی بھی طرح الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا...... لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرتا ہے...... تو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں خود اس بندے کی رہنمائی کرتی ہیں...... اور وہ نشانیاں بولتی ہیں...... کہ قدرت نے ہمارے اندر فلاں فلاں صلاحیتیں ودیعت کردی ہیں۔

کائنات کا Network ان روشنیوں پر قائم ہے جو روشنیاں نظر نہیں آتیں...... لیکن ان روشنیوں کا تعامل انسان کو ادراک عطا کرتا ہے کہ روشنی Flow کرتی ہے یعنی چلتی ہے...... روشنی لطیف ہے...... روشنی بھاری ہے...... لطیف روشنی سے لطیف حواس تخلیق پاتے ہیں اور بھاری روشنی

سے کثیف جذبات عمل میں آتے ہیں۔ یہ روشنیاں انسان کے اوپر یہ راز کھول دیتی ہیں کہ کائنات میں کوئی بھی مخلوق پہلے لطیف روشنی ہے اور کائنات میں ہر مخلوق اس لطیف روشنی کا عکس ہے لیکن لطیف روشنی کے عکس کے مظاہرے میں کسی نہ کسی حد تک کثافت داخل ہوجاتی ہے اور پھر اس کثافت میں مزید کثافت داخل ہوکر تعفن بن جاتا ہے۔

چند مخلوقات میں کثافت زیادہ ہوتی ہے...... کچھ مخلوقات میں کثافت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے......اور کچھ مخلوقات لطیف روشنی کی تخلیق ہیں......

کائناتی تخلیقی قوانین کے مطابق کائنات میں ہر شے...... اس میں زمین کا چھوٹے سے چھوٹا کرّہ اور بڑے سے بڑا سیارہ شامل ہے اور ان کرّوں اور سیاروں میں مخلوقات بھی شامل ہیں......اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسی قانون کے تحت پیدا ہونے، جوان ہونے، بوڑھا ہونے اور مرنے کی پابند ہے......

ہم سب انسان ہیں!......

انسانی تخلیق پر آج کی مجلس میں چند معروضات پیش کرنا ہمارے پیش نظر ہے......

جب ہم اولاد کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا شعور اس طرف متوجہ ہو یا نہ ہو لیکن ہم مجبور ہیں کہ یہ بات تسلیم کریں ہم بھی چھوٹے بچوں کی طرح تھے...... جس طرح ہماری اولاد پیدا ہوئی ہے اسی طرح ہم بھی پیدا ہوئے ہیں۔ جس طرح ہماری اولاد جوان ہوکر ماں باپ بنتی ہے اسی طرح ہم بھی ماں باپ بنے ہیں۔

کائناتی Network کے قانون کے مطابق تمام دنیاؤں میں ایک ہی قانون نافذ ہے!......

یہ دنیائیں کتنی ہیں؟......اس کا اندازہ سپر کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا!......

جب خدائی Network کا ذکر ہوتا ہے تو بتایا جاتا ہے......ایک کتاب المبین ہے......

ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوحِ محفوظ ہیں!......

ہر لوحِ محفوظ پر اسّی ہزار حضیرے ہیں!......

ہر حضیرے میں بارہ کھرب غیر مستقل نظام ہیں اور ایک کھرب مستقل اور آباد نظام موجود ہیں۔

ہر نظام میں ایک سورج کے گرد نو یا بارہ سیارے گردش کرتے ہیں......

ہماری زمین (ایک سیارہ) پر انسانوں کی آبادی چھ ارب بتائی جاتی ہے......

ذرا کرسی پر آجائیے اور اپنا کمپیوٹر آن کیجئے...... اور حساب لگا کر بتائیے کہ کتنی Trillion مخلوق بنتی ہے......اگر کسی بہن بھائی یا بچوں نے کمپیوٹر میں حساب لگا کر ہمیں بھیج دیا تو ان کی خدمت میں بہترین انعام پیش کیا جائے گا......

ہماری دانست میں ایک زمین کے اوپر جو نوعیں آباد ہیں انکی تعداد تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار ہے۔

ہر بالغ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اولاد کی نعمت سے نوازے......اولاد ہونا اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نعمت سے صرف والدین ہی خوش نہیں ہوتے، خاندان اور معاشرے میں بھی خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے...... اولاد ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کے لئے پیغمبروں نے بھی اللہ تعالیٰ سے التجا اور دعا کی ہے......

حضرت زکریاؑ نے دعا کی:

''میرے رب تو اپنے پاس سے مجھے پاکباز اولاد عطا فرما بیشک تو دعا سننے والا ہے''......

(سورۃ آل عمران۔ آیت 38)

اللہ تعالیٰ نے اولاد کے حقوق متعین کیے ہیں اور بار بار ارشاد فرمایا ہے

''اور بے شک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے''......

(سورۃ الحج۔ آیت 58)

جو لوگ اولاد کو ضائع کرتے ہیں......ضائع کرنے سے مراد یہ بھی ہے کہ ان کی صحیح تربیت نہیں کرتے......وہ انتہائی سنگدل لوگ ہیں......

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وہ لوگ انتہائی گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو ناسمجھی میں اپنی حماقت سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

(سورۃ الانعام۔ آیت 140)

اولاد کی تربیت کے سلسلے میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا ارشاد ہے:

قیامت کے روز والدین سے اللہ تعالیٰ یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے اپنی اولاد کو کیا کھلایا

ہے..... کیا پلایا ہے..... اور کیسا لباس پہنایا ہے..... اسلئے کہ اللہ تعالیٰ والدین کے رزق کے ساتھ ساتھ اولاد کا رزق بھی عطا کرتے ہیں..... اللہ تعالیٰ یہ پوچھیں گے کہ تم نے اولاد کی تربیت کیسی کی؟''.....

اولاد کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ آپ اولاد کو بار بار ڈانٹنے، جھڑکنے اور بُرا کہنے سے گریز کریں..... ان کی شرارتوں، کوتاہیوں پر بیزار ہونے اور نفرت کا اظہار کرنے کے بجائے..... محبت کے ساتھ انہیں سمجھائیے کہ وہ اچھی باتیں اختیار کریں..... ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ والدین اپنی اولاد سے جو کچھ چاہتے ہیں وہ تمام صفات والدین کے اندر موجود ہوں.....

جب ایک بیوی شوہر کے ساتھ خوش رہے گی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گی..... تو بچے خود بخود فرمانبردار بن جائیں گے..... اور جب شوہر بیوی کے جذبات و احساسات کا خیال کرے گا اور اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرے گا، اس کے اندر عفو و درگزر کا جذبہ ہوگا تو یقیناً اولاد بھی سعادت مند ہوگی۔ اس کے اندر معافی کی صفات پیدا ہو جائیں گی.....

ایک مرتبہ اقرع بن حابس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت حسنؓ کو پیار کر رہے ہیں..... اقرع کو دیکھ کر تعجب ہوا..... اور بولے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی بچوں کو پیار کرتے ہیں!..... میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''اگر خدا نے تیرے دل سے رحمت و شفقت کو نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟''.....

(مسلم۔ جلد سوئم۔ حدیث 1530)

فاروق اعظمؓ کے دور میں حضرت عامرؓ ایک بار حضرت عمرؓ سے ملنے کے لئے آئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ لیٹے ہوئے تھے اور بچے ان کے سینے پر اُچھل کود کر رہے تھے..... حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی.....

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اعلیٰ درجے کے مردم شناس تھے..... حضرت عامرؓ کی ناگواری کو محسوس کر کے ان سے پوچھا..... ''آپ کا اپنے بچوں کے ساتھ کیا برتاؤ اور رویہ ہے؟''.....

حضرت عامرؓ بولے ''جب میں گھر میں داخل ہوتا ہوں تو گھر والوں پر سکتہ طاری ہو جاتا

ہے..... سب خوف کے مارے دم سادھ کر چپ ہو جاتے ہیں''..... حضرت عمرؓ نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا:

''عامر! آپ امت محمدیہ کے فرزند ہوتے ہوئے یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کس طرح نرمی اور محبت کا سلوک کرنا چاہئے''.....

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہونے کیلئے والدین کو چاہیئے کہ وہ اولاد کو اعلیٰ درجے کی تعلیم اور پاکیزہ تربیت سے آراستہ کریں..... تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا جائے.....

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مومنوں بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے۔''

(سورۃ التحریم۔ آیت 6)

جہنم کی آگ سے بچنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ اولاد کی دین اور دنیا کی تعلیم اچھی ہو.....

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دے سکتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت ہے''.....

(مفہوم حدیث، مشکوٰۃ شریف، جلد سوم۔ حدیث 354)

یاد رکھئے!..... صالح اولاد ہماری روایات، تہذیب، دینی تعلیمات اور توحید کے پیغام کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہے.....

ماؤں کے اوپر فرض ہے.....

بچوں کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھیں..... انہیں پابندی کے ساتھ نہلائیں دھلائیں..... پاک صاف اور دیدہ زیب لباس پہنائیں.....

دوسروں کے سامنے بچوں کا عیب کبھی بیان نہ کریں..... جو کچھ کہنا ہے بچوں کو تنہائی میں کہیں، کسی کے سامنے بچوں کو برا کہنا ان کو شرمندہ کرنے اور ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہے.....

بچوں کو نبیوں کے قصے اور اولیاء اللہ کے واقعات سنایئے..... تمام مصروفیات کے باوجود

بچوں کیلئے وقت نکالیں...... خوش الحانی کے ساتھ انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اوصاف ان کے سامنے بیان کریں......

ماں اور باپ دونوں کا فرض ہے کہ اپنے بچوں سے غریبوں کو پیسے دلوائیں...... کھانا کھلوائیں...... بہن بھائیوں میں چیزیں تقسیم کروائیں...... تقریبات میں بہن بھائیوں سے آپس میں تحفوں کا تبادلہ کروائیں...... بچوں کیساتھ کرخت آواز میں نہ بولیں اسلئے کہ کرخت آواز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے......

والدین کے اوپر فرض ہے کہ اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کریں...... لین دین میں ہمیشہ مساوات کا لحاظ رکھیں......

ایک بار حضرت نعمانؓ کے والد حضرت بشیرؓ اپنے بیٹے کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا...... ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک غلام تھا...... میں نے وہ غلام اپنے اس لڑکے کو بخش دیا''......

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا......

''کیا تم نے اپنے ہر لڑکے کو ایک ایک غلام بخشا ہے؟''......

بشیرؓ بولے...... ''نہیں!''......

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس غلام کو تم واپس لے لو...... اور فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات کا سلوک کرو''......

حضرت بشیرؓ گھر واپس آئے اور نعمان سے غلام واپس لے لیا......

(جامع ترمذی، جلد اول۔ حدیث 1380)

ہر ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ بچے سے یا بچے کے سامنے جھوٹ نہ بولیں...... بچے وہی کچھ سیکھتے ہیں، وہی کچھ بولتے ہیں، وہی کچھ کرتے ہیں جو ماں باپ کرتے ہیں......

حضرت عبداللہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں ''میری والدہ نے مجھے بلایا اور کہا کہ یہاں آؤ میں تمہیں ایک چیز دوں گی''......

یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سن لی اور پوچھا: ''تم بچے کو کیا چیز دینا چاہتی

ہو؟''......

وہ بولیں ''میں اس کو کھجور دینا چاہتی ہوں''......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم اپنے بچے کو چیز دینے کا بہانہ کر کے بلاتیں اور بچے کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامے میں جھوٹ لکھ دیا جاتا''......

(مشکوٰۃ شریف، جلد چہارم۔ حدیث نمبر 809)

ہمارے معاشرے میں یہ بات عام طور سے دیکھی جاتی ہے بلکہ یوں کہیے کہ رائج ہو گئی ہے کہ لڑکی کی پیدائش پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی خوشی لڑکے کی پیدائش پر ہوتی ہے......

حدیث شریف میں ہے......

''جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں فرشتے بھیجتا ہے...... وہ کہتے ہیں اے گھر والو...... تم پر سلامتی ہو...... اور یہ کہہ کر وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں...... اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں...... یہ کمزور جان ہے...... جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے...... جو اس لڑکی کی نگرانی اور پرورش کرے گا قیامت تک اللہ تعالیٰ کی مدد اس کی شامل حال رہے گی''......

(حضرت نبیط بن شریطؓ۔ طبرانی الصغیر۔ 1/61۔ حدیث 70۔ ص 62)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

''جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی، انہیں تعلیم دلائی، تہذیب سکھائی...... بہترین تربیت کی، ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا...... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے نیاز کر دے (یعنی وہ اپنے گھر کی ہو جائیں)...... تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت واجب کر دی ہے۔''

مجلس میں موجود ایک آدمی بولا......

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!...... اگر دو لڑکیاں ہوں؟''......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو لڑکیوں کی پرورش کا بھی یہی صلہ ہے''......

(مشکوٰۃ شریف، جلد چہارم۔ حدیث 901)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں......ایک دن ایک عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ میرے پاس آئی......میرے پاس اس وقت ایک ہی کھجور تھی وہ میں نے اسے دے دی......اس عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے......آدھی ایک بچی کو دی آدھی دوسری بچی کو دے دی......اس کے بعد وہ چلی گئی......فوراً ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے آئے......میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ایک عورت آئی تھی......

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری بات سن کر فرمایا:

''جو شخص بھی لڑکیوں کی پیدائش کے ذریعے آزمایا جائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرکے آزمائش میں کامیاب ہو......تو یہ لڑکیاں اس کیلئے قیامت کے روز جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال بن جائیں گی''......

(مشکوٰۃ شریف، جلد چہارم۔ حدیث 875)

تاریخ کے صفحات پر جتنے بھی لوگ اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے ہیں......ان کے پیچھے والدین اور خصوصاً ماں کی تربیت کا عمل دخل ہے......

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی والدہ کا نام حضرت بی بی زلیخاؒ ہے......

محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں......ایک روز گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، امّاں نے کہا......آج ہم اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں......تھوڑی دیر میں ایک آدمی آیا......اور اناج کی ایک بوری دے گیا...... یہ اناج اتنے دنوں تک چلا کہ طبیعت گھبرا گئی کہ یہ اناج ختم کیوں نہیں ہوتا؟......

حضرت نظام الدین اولیاءؒ جب رشد و ہدایت اور خانقاہی امور میں بہت زیادہ مصروف ہوگئے تو آپؒ نے والدہ سے ملاقات کیلئے ہر ماہ کی چودہ تاریخ مقرر کی۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''نظام آنے والے مہینے میں کس کے قدموں پر سر رکھو گے؟''......نظام الدینؒ سمجھ گئے، روتے ہوئے عرض کیا: ''امّاں جان! آپ مجھ غریب لاچار کو تنہا چھوڑ کر جا رہی ہیں؟''......

بی بی زلیخاؒ نے کہا: ''کل صبح بات ہوگی آج رات شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے گھر آرام کرو۔'' صبح صادق کے وقت ملازم نے آکر کہا کہ آپ کو بی بی صاحبہ بلا رہی ہیں......حضرت نظام الدین اولیاءؒ ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: ''کل تم نے کچھ پوچھا تھا میں اب

تمہیں بتاتی ہوں''......اور حضرت نظام الدینؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''اے اللہ! اسے میں نے تیرے حوالے کیا''......اور ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کرلیں۔

قطب الدین بن علاؤالدین خلجیؒ نے جامع مسجد تعمیر کرائی اور حکم دیا کہ لوگ نمازِ جمعہ جامع مسجد میں ادا کیا کریں لیکن شیخ نظام الدینؒ نے جامع مسجد میں جانے سے انکار کردیا اور فرمایا: ''ہمارے قریب کی مسجد زیادہ مستحق ہے۔'' دوسرا مسئلہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے حکم جاری کردیا کہ ہر ماہ کی چاند رات کو تمام مشائخ، علماء اور رؤسا نئے چاند کی مبارکباد پیش کرنے کے لئے بادشاہ کے حضور حاضر ہوں۔

حضرت نظام الدینؒ خود ان تقاریب میں نہیں گئے بلکہ اپنے کسی نمائندے کو بھیج دیا۔ حاسدوں نے اس بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اسے بادشاہ کی توہین قرار دیا...... بادشاہ نے جلال کے عالم میں حکم دیا کہ آئندہ ماہ کی پہلی تاریخ کو جو شخص حاضر نہیں ہوگا اسے سخت سزا دی جائیگی...... یہ بات شیخ نظام الدینؒ کو معلوم ہوئی تو کچھ کہے بغیر اپنی والدہ بی بی زلیخاؒ کی قبر پر گئے اور عرض کیا: ''بادشاہ مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے اور اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوگا تو میں آپ کی زیارت کیلئے نہیں آسکوں گا''......

اگلے ماہ کی پہلی تاریخ کو عجیب واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کے مقرب خرد خان نے بادشاہ کو قتل کرکے اسکی لاش محل سے باہر پھینک دی۔

چہرہ

یورپ میں 24 گھنٹے کھلے ہوئے اسٹوروں میں، بڑے بڑے دفاتر میں۔ آسمان سے چھوتی ہوئی ۱۱۰ منزلہ عمارتوں میں کیمرے نصب ہیں، کیمرے سے لگا ہوا چند انچ کا شیشہ ہر آنے جانے والے فرد اور ماحول میں جو کچھ موجود ہے اس کا عکس قبول کرتا ہے اور یہ عکس فلم کی طرح ریکارڈ ہوتا رہتا ہے۔

سُپر اسٹور کا مالک شام کرسی پر بیٹھ کر T V اسکرین کے ذریعے پورے دن کی کارگزاری دیکھ لیتا ہے۔ کسی سیلز مین یا مینیجر نے اسٹور میں سے ایک سیب بھی کھالیا تو اس کی فلم بھی اسٹور کے مالک کے سامنے آجاتی ہے۔ کہکشانی نظام کو دیکھنے کے لئے بھی دوربین ایجاد ہوئیں ہیں۔ مائیکرواسکوپ پر کروڑوں سال پر محیط موجود ستارے اور کہکشائیں نظر آتی ہیں۔ مادی سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ مادے کو صیقل کر کے جین Gene اور DNA انسان کے سامنے آ گیا ہے۔

ہر مذہب کے پیروکار کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے وہ سب پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ پہلے سے لکھی ہوئی تحریریں زمین کی اسکرین پر T V اسکرین کی طرح نظر آ رہی ہیں۔

سائنسی طریقہ کی یہ مثالیں ہمیں اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ یہ دنیا ماضی ہو حال ہو یا مستقبل ہو......ایک ریکارڈ شدہ عمل ہے یعنی فلم ریلز ہو رہی ہے۔ زندگی کا تجزیہ کرنے سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ ہر انسان ایک فلم ہے اور اس فلم میں اس کی زندگی کا ہر لمحہ...... ہر خیال ہر تصور...... ہر احساس ریکارڈ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''ہم نیکوں کاروں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے ان کے چہرے کو ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھیں گے اور انہیں جنت میں بہترین مقام عطا کریں گے۔''
> (سورۃ یونس۔آیت 26)

''ہم بدکاروں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دیں گے۔ ذلت و رسوائی سے ان کے چہرے سیاہ ہوجائیں گے۔ ان کی کھال کا رنگ ایسا ہوجائے گا جیسے سیاہ تاریک شب کا کوئی ٹکڑا ان کے چہرے پر چپکا دیا ہو۔ یہ لوگ جہنم میں رہیں گے''۔

(سورۃ یونس۔ آیت 27)

قانون یہ ہے کہ بندہ جس قسم کا کام کرتا ہے اسی مناسبت سے اس کے چہرے پر تاثرات قائم ہوتے رہتے ہیں اور یہ تاثرات دراصل اچھے اور بُرے اعمال کا عکس ہیں۔......

مشاہداتی آنکھ سے دیکھنے والے خواتین و حضرات بتاتے ہیں کہ ہر انسان کے دائیں بائیں کندھوں پر دو فرشتوں کی ڈیوٹی ہے اور ان دونوں فرشتوں کے پاس دو الگ الگ وڈیو کیمرے ہیں اور یہ وڈیو کیمرے اس طرح فٹ ہیں کہ انسان کا ہر اچھا بُرا عمل اور حرکت کی فلم مسلسل بن رہی ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں سڑکوں اور شاہراہوں پر ٹریفک کنٹرول کرنے کے لئے کیمرے نصیب ہیں۔ یہ کیمرے ٹریفک کے قواعد و ضوابط کے خلاف ورزی کا ریکارڈ رکھتے ہیں انتہا یہ ہے کہ وہ موٹر کار کی اسپیڈ کو بھی ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ U.A.E میں ایک صاحب کا تیز رفتاری میں چالان ہوگیا۔ انہوں نے اس جرم کو قبول نہیں کیا۔ پولیس نے انہیں بلا کر ایک کمرے میں بٹھایا اور ان کی تیز رفتاری کی فلم ان کو دیکھائی۔ مفہوم یہ ہے کہ مادی دنیا بھی انسانی زندگی کا ہر عمل ریکارڈ ہو سکتا ہے۔

جب مادی دنیا میں زندگی کا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے تو یہ بات ہر طرح قابل قبول ہے کہ کراماً کاتبین بھی ہماری زندگی کی وڈیو فلم بنا رہے ہیں۔ کراماً کاتبین کی بنائی ہوئی فلم انسانی چہرے پر چلتی رہتی ہے۔

ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ایک پریشان حال مصیبت کا مارا اور غموں و آلام میں ڈوبے ہوئے آدمی کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے پورے پورے آثار موجود ہوتے ہیں۔ ایسا کوئی ایک پریشان حال لوگوں کی محفل میں آجائے تو ساری محفل افسردہ ہوجاتی ہے اور یہ بات بھی مشاہدے میں ہے کہ ایک مطمئن پُرسکون اور پاکیزہ شخص کسی محفل میں موجود ہو تو پوری مجلس میں خوشی یا مسرت و سکون کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔ ہر انسان کو اس بات کا یقین کر لینا چاہئے کہ کسی بڑی بلڈنگ کی طرح ...... سُپر اسٹور کی طرح یا ٹریفک کنٹرول کرنے والے کیمرے کی طرح انسان پر بھی دو کیمرے لگے ہوئے ہیں اور یہ ہر ہر انسانی عمل کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ اس ریکارڈ

میں کسی بھی طرح کی خرابی یا کوتاہی اس لئے نہیں ہوتی کہ ان کیمروں کا کنٹرول فرشتوں کے ہاتھ میں ہے یہی وہ فلم ہے جس کو انسان زندگی میں بھی دیکھتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی یہی فلم دکھائی جائے گی ......

کوئی انسان جب غمگین، پریشان، بے چین اور مضطرب ہوتا ہے تو غم و آلام کے خیالات اس کے شعور پر مسلط ہوجاتے ہیں اور جب کوئی انسان خوش ہوتا ہے تو اسے اطمینان و سکون قلب حاصل ہوتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے شعور میں پاکیزہ لطیف اور معطّر خیالات کا غلبہ ہوتا ہے یعنی انسانی زندگی کی وڈیو فلم کے مناظر اس کے ذہن کی اسکرین پر نشر ہوتے ہیں۔

ہر انسان آنکھ سے دیکھتا ہے آنکھ سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ کے اندر ہزاروں عضلات ہیں جو دیکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں آنکھ کے کیمرے کو دماغ کنٹرول کرتا ہے دماغ میں ۱۲ کھرب خلئیے کام کرتے ہیں۔

اچھے یا بُرے خیالات، اچھے یا بُرے اعمال ...... خوشبو، بدبو کی طرح ہیں۔ ماحول میں جب خوشبو پھیلتی ہے کوئی سونگھے یا نہ سونگھے خوشبو اسے ضرور آتی ہے۔ ماحول میں جب بدبو پھیلتی ہے اس سے بھی ماحول میں رہنے والے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

اسی طرح جب اچھے اعمال کا عکس چہرے پر پڑتا ہے لوگ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں جب بُرے اعمال کا عکس چہرے پر پڑتا ہے تو لوگ پراگندہ خاطر ہوتے ہیں۔

ہر آدمی کا چہرہ اس کا انڈکس ہے ...... ہمیں اگر اس بات کا یقین حاصل ہوجائے کہ ہمارے اعمال کی ہر وقت فلم بن رہی ہے اور فلم چہرے کی اسکرین پر موجود رہتی ہے تو ہمارا رویہ منفی رویہ کی بجائے خود بخود مثبت ہوجائے گا۔

ریکارڈ

نو کروڑ تیس لاکھ میل دور مشرق سے ہر روز سورج طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوجاتا ہے۔ زمین سورج کے گرد تیس کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ سائنسدانوں کے کہنے کے مطابق طلوع غروب کا یہ سلسلہ ساڑھے تیس ارب سال سے جاری وساری ہے۔

روز شب کی گردش خود کو کھربوں مرتبہ دہرا چکی ہے۔ لیکن آدمی کا شعور یہ جانتا ہے کہ ہر صبح نئی صبح ہے اور ہر شام نئی شام ہے۔

ایک بندہ بشر جس کا نام کوئی بھی رکھ لیجئے...... پیدائش کے پہلے دن سے پچاس سال تک، ہر دن گیہوں کی روٹی یا چاول کھاتا ہے۔ سمجھتا یہ ہے کہ میں نئی روٹی کھا رہا ہوں۔ ایک ہی کمرے میں، ایک ہی بستر پر سالہا سال سوتا ہے۔ کہتا یہ ہے کہ ہر شب، شبِ نو ہے۔ صبح دم بیدار ہوتا ہے لیکن ہر صبح کو نیا دن کہتا ہے۔

کائنات ایک نقطہ ہے...... ریاضی دانوں کی اصطلاح میں نقطہ نہ لمبائی رکھتا ہے نہ چوڑائی رکھتا ہے اور نہ گہرائی رکھتا ہے...... وہ صرف شعور کی تخلیق ہے۔ یہی نقطہ شعور سے مسافرت کر کے ادراک بالحواس بنتا ہے...... اس کا ادراک بالحواس بننے کا عمل بہت سادہ ہے۔

پہلے یہ سمجھنا ضروری یہ کہ شعور فی نفسہ کیا چیز ہے؟

شعور خود کو قائم رکھتا ہے...... اور

اپنی یاد دہانی میں مصروف رہتا ہے۔

شعور جس ریکارڈ پر قائم ہے اس کو دہراتا رہتا ہے۔ نوزائیدہ بچہ جب بڑھاپے میں داخل ہوتا ہے تو دراصل یہ شعور کے ریکارڈ کا دہرانا ہے...... شعور اگر اپنے ریکارڈ کو نہ دہرائے اور شعوری یاد دہانی میں مصروف نہ رہے تو بچہ جوانی میں داخل نہیں ہوسکتا...... جو فرد تیس سال کا ہے وہ بچپن سے تیس سال تک سفر کرتا رہا ہے...... جوانی درصل بچپن سے جوانی تک شعوری ریکارڈ کی یاد دہانی ہے۔

بچپن میں جب ہوش وحواس کا دور شروع ہوتا ہے...... ماں سکھاتی ہے...... یہ باپ ہے، یہ

بہن ہے...... یہ پانی ہے، یہ چاند ہے، یہ سورج ہے، یہ میز ہے، یہ کرسی ہے،...... شعور میں جب
وسعت پیدا ہوجاتی ہے تو سکھایا جاتا ہے...... یہ قلم ہے۔ لکھنے کے کام آتا ہے، یہ کتاب ہے، اس
سے آدمی علم سیکھتا ہے...... یہ درخت ہے، اس سے bed بنتا ہے، دروازہ بنتا ہے، میز بنتی ہے
، chair بنتی ہے وغیرہ وغیرہ...... یہ سب شعوری ریکارڈ بن جاتا ہے، یہی ریکارڈ بچہ بڑھاپے
سے موت تک بڑھتا رہتا ہے اور اس پر عمل کرتا رہتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بچہ کتاب کو درخت
کہے یا درخت کو قلم کے نام سے پکارے......

شعور اپنے ریکارڈ کو...... یا ریکارڈ میں موجود نقوش کو...... یا ریکارڈ میں موجود تصویروں کو
مختلف طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔

فرض کیجئے......

ہم شعور کا نام زید رکھتے ہیں...... زید کون ہے؟

زید محمود کا بیٹا ہے...... زید پڑھا لکھا ہے۔ اس عمر 25 سال ہے...... یہ شخص جس کا نام زید
رکھ لیا گیا ہے...... خوش اخلاق ہے...... عقل مند ہے...... نوجوان اور وجیہہ ہے...... بُردبار
ہے......

آپ کیا سمجھتے ہیں؟ ان باتوں کا مطلب کیا ہے......؟

ان باتوں کا مطلب یہ ہے کہ ہم زید کی صفات کا تذکرہ کر رہے ہیں یعنی زید بہت ساری
صفات کا مجموعہ ہے...... ہم گوشت پوست اور ہڈیوں سے بنے ہوئے زید کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ
ان اوصاف کا تذکرہ کرتے ہیں جو زید کی ذات کے اندر جمع ہیں۔

اگر ہم زید کی زندگی کا تجزیہ کریں تو یہ کہیں گے کہ زید صفات کی فلم ہے۔ اس فلم اور فلم کے
اندر آثار و احوال اور حوادث کو ایک لمحے میں لپیٹ دیا جائے تو زید کی زندگی کا ایک لمحہ بنا۔

یعنی بے شمار لمحات کا مجموعی نام زید ہے۔ یہ وہی زید ہے جس کو حواس دیکھتے ہیں، چھوتے
اور جانتے ہیں......

بے شمار لمحات کی لپٹی ہوئی سربستہ فلم کا تعلق اطلاع سے ہے...... اطلاع کہیں سے آتی
ہے...... ذہن پر وارد ہوتی ہے...... دماغ اسے محسوس کر کے معانی پہناتا ہے...... اور جب اطلاع
کی تکمیل ہوجاتی ہے تو یہی تکمیل جذبہ یا تقاضا بن جاتی ہے......

زندگی کہیں سے آرہی ہے......

جو زندگی کہیں سے آرہی ہے وہ زندگی
کہیں جا بھی رہی ہے......
زندگی کا تسلسل قائم ہے......

ایک ہی جذبہ بار بار بیدار ہوتا ہے...... بار بار وہ جذبہ کہیں غائب ہوجاتا ہے...... جذبہ
ابھرتا ہے...... جذبے کی تکمیل ہوتی ہے...... اور جذبہ ریکارڈ (فلم) بن جاتا ہے...... فلم میں تغیر ہی
شعور کی ہستی ہے۔

''لوح محفوظ کے نقوش عالم تخلیط کی حدود میں داخل ہوکر عنصریت کا لباس قبول کر
لیتے ہیں۔ عنصریت کا لباس قبول کرتے ہی مکانیت کی بنیاد پڑ جاتی ہے
...... مکانیت کا قیام زمانیت پر ہے۔''

(کتاب: لوح وقلم)

خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں لوح محفوظ کا مالک ہوں۔ جس حکم کو چاہوں برقرار رکھوں اور جس حکم کو چاہوں
منسوخ کردوں......

''ہر وعدہ ہے لکھا ہوا۔ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور رکھتا ہے۔ اس کے پاس ہے
اصل کتاب''

(سورۃ الرعد۔ آیت 38-39)

یہاں جو کچھ ہے وہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ کتاب ازل ہے اور ازل ماضی ہے...... ازل
میں جو کتاب لکھی گئی ہے اس میں تعمیر اور تخریب دونوں طرزیں متعین ہیں۔

قدریں

سائنسی افادیت کے پیش نظر دنیا جیسے جیسے آگے بڑھ رہی ہے۔ عالمگیر انحطاط ہمارے سامنے ہے۔ عالمگیر انحطاط سے مراد یہ ہے کہ انسان برادری میں موجود قدروں میں انحطاط واقع ہونا...... ہزاروں سال میں انسانی معاشرے کیلئے جو بات شرف کی حیثیت رکھتی ہے اس میں تغیر ہونا......ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ دنیا تغیرات سے خالی ہے۔ دراصل تغیرات پر ہی دنیا قائم ہے، لیکن تغیرات کی اپنی متعین سمتیں ہیں۔

۱۔ اخلاقی قدریں
۲۔ معاشرتی قدریں
۳۔ آزاد اور غلام قدریں
۴۔ جنسی قدریں

تاریخِ انسانی نے اس بات پر سیر حاصل بحث نہیں کی کہ انسان اس دنیا میں کیوں آیا ہے؟......کہاں سے آیا ہے؟......اور پابند سلاسل رہ کر مسافر کی طرح کہاں چلا جاتا ہے؟......

اتنی بات ہم جانتے ہیں کہ آدم وحوا زمین پر اترے......اور دونوں سے نسلی سلسلہ شروع ہوگیا......

بتایا جاتا ہے کہ آدم جب زمین پر اترے تو ان کے اندر شعوری سکت اتنی تھی کہ انہوں نے غاروں میں رہنا پسند کیا۔ پھر درختوں پر قیام ہوا......اس کے بعد پتھروں کا زمانہ آیا......آگ دریافت ہوئی......دھاتوں کا علم ہوا......بجلی بنی......اس سب صورتحال کو ارتقا کا نام دیا گیا......
ارتقا سے مراد یہ ہے کہ انسان نے حیوانیت کے راستے سے الگ اپنے لئے ایک راستہ منتخب کیا۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانی اور انسانی تقاضوں میں یکسانیت ہے۔ کھانا......انسان بھی کھاتا ہے اور کھانا چوہے بھی کھاتے ہیں......جنسی اختلاط حیوانوں میں بھی ہے اور انسانوں میں بھی ہے......اخلاقی قدریں انسانوں میں بھی ہیں اور حیوانات میں بھی ہیں۔ بے حیائی بے شرمی اگر حیوانات میں ہے تو انسانوں میں بھی ہے......

جب ہم کھانے کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارے اندر اور حیوانات میں جو باہمی اشتراک ہے اس میں ہمیں شرم نہیں آتی...... لیکن جب انسان اپنے وضع کردہ خاص طریقے سے کھانا نہ کھائے تو اسے شرم آتی ہے......

یہی صورتحال نسل کشی میں ہے...... جنسی مباشرت کا عمل اگر حیوانات کی طرح کیا جائے تو باعثِ شرم ہے۔ وہی عمل انسانی اقدار کے تحت پردے کے پیچھے کیا جائے تو باعثِ شرم نہیں ہے۔ لیکن عمل کا نتیجہ دونوں صورتوں میں یہی ہے کہ حیوان کی بھی نسل چلتی ہے اور انسان کی بھی نسل آگے بڑھتی ہے۔ حیوانی وظائف کو مصنوعی طور پر مخفی کرنے کا نام وقار ہے...... عزت ہے...... اور شرف ہے......

انسانی بچہ جیسے ہی دنیا میں آتا ہے، سب سے پہلے اس بات پر توجہ دی جاتی ہے کہ اس کی ستر پوشی کی جائے جیسا کہ بچہ خود یہ نہیں چاہتا کہ اس کی ستر پوشی کی جائے...... ستر پوشی کا یہ عمل اتنا زیادہ دقیق ہوتا ہے کہ ماں باپ، بہن بھائی اور خاندان کا ہر فرد مسلسل بچے کی توجہ اس طرف مبذول کراتا رہتا ہے کہ ستر پوشی ضروری ہے...... ایسا لگتا ہے زندگی کا مقصد ہی ستر پوشی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ بچے کے شعور میں ستر پوشی کا ایک ایسا پیٹرن تشکیل پا جاتا ہے کہ وہ ستر پوشی کو اپنا شرف سمجھنے لگتا ہے جبکہ ستر پوشی سے زندگی کی تکمیل ہوتی ہے اور نہ زندگی آگے بڑھتی ہے......

بول و براز کے اعضا ستر پوشی کے زمرے میں آتے ہیں...... حیوانات بول و براز کرتے ہیں تو ان کو شرم وحیا سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور جب انسان بول و براز کے اعضا کو پردے میں چھپا کر وہی عمل کرتا ہے جو حیوانات کرتے ہیں تو یہ حیا ہے...... شرم ہے اور انسانی شرف ہے...... اور یہ سب اس لئے ہے کہ نوعِ انسانی کے افراد نے جب خود کو حیوانات سے ممتاز کرنا چاہا تو اپنے اوپر پابندیاں عائد کیں...... اور ان پابندیوں میں پیدائشی پابندی ستر پوشی قرار پائی...... جہاں تک شرم و حیا کا تعلق ہے۔ بن مانس میں بھی شرم وحیا ہے...... ان کے ہاں مہمان نوازی بھی ہے ان کے ہاں جنسی اختلاط میں حیا اور شرم بھی پوری طرح موجود ہے۔

آج کی دنیا میں بداخلاقی کے شعبے میں سب سے بڑا اگراف جنسی آزادی کا ہے...... جو ایک عالمگیر وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنسی آزادی کا رویہ انسان کے لئے اس کی آزادی کا مظہر ہے...... ماہرین اخلاقیات کہتے ہیں کہ جنسی آزادی انسانی معاشرے کیلئے بگاڑ ہے...... اس سے انسانیت کی درجہ بندی کو نقصان پہنچتا ہے...... کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسانی

زندگی میں اگر محدودیت غالب ہے تو انسان کبھی لامحدود دائرے میں داخل نہیں ہوسکتا...... ایک محدود شے لامحدود شے سے کس طرح ہم وصف ہوسکتی ہے؟

یہی صورتحال اخلاقی پستی کی ہے......

اخلاقی پستی سے مراد انسانی برادری میں جو تعینات ہیں ان پر عمل کرنا۔ مثلاً کسی کی حق تلفی نہ کرنا...... کسی کو نقصان نہ پہنچانا...... کسی کے مال میں اصرافِ بے جا نہ کرنا...... کسی کے گھر کو اپنا گھر نہ سمجھ لینا...... وغیرہ۔ اس اخلاقی رویئے پر بھی اگر غور کیا جائے تو موجودہ ترقی یافتہ دور میں ہمیں انحطاط کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا......

بلاشبہ زندگی گزارنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے...... ضرورت الگ چیز ہے اور وسائل کو زندگی کا مقصد بنالینا بالکل الگ بات ہے...... اس رویئے پر غور کیا جائے تب بھی ہمیں مایوسی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا...... ہر وہ فرد یا ہر وہ گروہ جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہے...... وہ دوسروں کو چوپایوں کی طرح ہانک رہا ہے...... ہر وہ گروہ جس نے چالاک ذہنی...... عیاری...... مکاری اور فریب سے وسائل پر قبضہ کرلیا ہے...... اس نے اقوام پر اس طرح تصرف کیا ہوا ہے کہ پوری پوری قومیں بھیڑ بکریوں کی طرح اس کے سامنے بے بس ہیں......

دانشوروں کا یہ بھی خیال ہے کہ سائنس اور مذہب دونوں الگ الگ نہیں ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تصادم کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے...... اگر سائنس نے مذہب پر دست درازی کی تو مذہب کا کچھ نہیں بگڑے گا سائنس ختم ہوجائے گی...... دوسری طرف مذہبی اقدار کے حامی لوگ یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو اگر سائنس کے ساتھ متوازن نہیں کیا گیا تو مذہبی اقدار اتنی معدوم ہوجائیں گی کہ مذہب کا کوئی نام لیوا نہیں ہوگا۔

اس کی مثال وہ یورپ سے دیتے ہیں......

یورپ میں مذہب کی صورتحال یہ ہے کہ اب وہاں کے مذہبی دانشوروں نے یہ طے کیا ہے کہ چرچوں میں گانا بجانا کیا جائے تا کہ لوگ رقص وسرور کی محفل میں آکر ہی اللہ تعالیٰ کا نام سنیں اور شاید اس طرح بے آباد گرجے آباد ہوجائیں......

تعلیمی معیار بھی ایک اخلاقی ضرورت ہے۔ جس قوم میں تعلیم نہیں ہوگی وہ قوم حیوانات سے بھی بدتر ہوجاتی ہے، اس کے اندر سے انسانی زندگی کا وصف ''آزادی'' مفقود ہوجاتا ہے...... ایسی قومیں احساس کمتری کے گڑھے میں جاگرجاتی ہیں جہاں سے نکلنے کا کوئی دروازہ نہیں

ہے......

ہم جب ابتدائے آفرینش سے اب تک کے گزرنے والے واقعات کا کھوج لگاتے ہیں تو ہمیں تہذیبوں کے فروغ اور عالمگیر وسعت کے نشانات ملتے ہیں...... انسانی دنیا تباہ و برباد ہوتی رہی...... اور انسانی دنیا فروغ پاتی رہی...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بات امر مسلمہ ہے کہ انسان کے اندر یہ صلاحیت ودیعت کر دی گئی ہے کہ جب وہ اپنی کمزوریوں کی بناء پر تباہ و برباد ہو جاتا ہے تو ان تباہیوں و بربادیوں سے وہ نکل بھی آتا ہے......

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ مزید سائنسی ترقی سے ایک دن ایسا آئے گا کہ دنیا سے تباہ کاریاں ختم ہو جائیں گی...... یہ ایک ایسی پُر فریب بات ہے کہ جس کے جواب سے عقل قاصر ہے...... کوئی سائنسدان جب ایک ایٹم بم سے تین لاکھ آدمیوں کو مارنے کا سامان فراہم کرتا ہے اور ستر ہزار ایٹم بم اور اس سے بھی زیادہ بڑے مہلک ہتھیار بنا رہا ہے تو وہ یہ کیسے کہتا ہے کہ سائنسی ترقی سے دنیا کی تباہ کاریاں ختم ہو جائیں گی؟......

جبکہ سائنسی طور پر ترقی یافتہ قوموں کی جانب سے لگایا جانے والا دنیا کی فلاح و بہبود کا نعرہ خودستائی اور خودنمائی ہے...... سائنس کی ہر ترقی کے پیچھے مالی منفعت ہے...... ڈراوا ہے...... اور تباہ کن اسلحہ جمع کر کے ساری دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھنا ہے......

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ شہروں کی آبادی میں اضافہ ہو جائے گا...... زمین پر بلند و بالا اور فلک بوس عمارتیں بن جائیں گی......

آج ساری دنیا میں شہر مسائل کا گہوارہ ہیں۔ ہر آن اس گہوارے سے پیچیدہ اور گھمبیر مسائل پیدا ہو رہے ہیں...... مثلاً ناکافی آب رسانی...... ناگفتہ بہ سڑکوں کی حالت...... کوڑے کرکٹ کے ڈھیر...... سبزے کی قلت...... بھیڑ بھاڑ...... ماحول کی آلودگی...... اور سب سے بڑا مسئلہ انسانیت سے دوری...... یہ مسائل بذاتِ خود وبائیں پھوٹ پڑنے کی صورت ہیں۔ اس دنیا کا ہر بڑا شہر ٹوکیو...... لندن...... نیویارک...... ممبئی...... کلکتہ...... کراچی محدّب شیشے میں زندگی کی بربادیوں کو نمایاں کرنے کا مظہر ہیں...... پلوشن اور ناقص انتظام کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں...... کینسر...... گردوں کا ناکارہ ہونا...... ہیپاٹائیٹس بی اور سی...... دمہ...... اور اس قبیل کی سینکڑوں بیماریاں...... ہماری توجہ اس طرف مبذول کراتی ہیں کہ ٹی وی...... کمپیوٹر...... لاسلکی

نظام...... موبائل فون...... ایٹم بم...... میزائل...... جاسوسی کرنے والے مواصلاتی سیارے، نوعِ انسانی کے مسائل کا حل نہیں ہیں...... انسان برادری اذیّت ناک مراحل سے گزر کر اب اس تکلیف میں مبتلا ہے جس تکلیف کا نام نزع ہے...... اس کے بعد موت ہے...... انسان جو کھلی زمین پر جھلمل کرتے ستاروں کے نیچے رہتا تھا اسی انسان کو اب کبوتروں کے کابک کی طرح بلند و بالا فلیٹوں میں بند کر دیا گیا ہے۔ حفظانِ صحت کے ان اصولوں کو جو صاف ستھری ہوا...... کھلی آکسیجن...... اور صاف پانی پر قائم ہیں پامال کر دیئے گئے......

قلتِ زمین کا نعرہ لگا کر اس بات کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ کم سے کم رقبے میں رہائش مجبوری ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے...... قلتِ زمین نہیں ہے...... یہ سارا فساد تبادلۂ آبادی کا ہے...... کہ لوگ کھلی زمینوں سے مہاجرت کر کے شہروں کا رُخ کر رہے ہیں۔

یہ ساری روئداد میں نے لکھی...... آپ نے پڑھی...... اس کا نتیجہ کیا نکلا؟......

یہ وقت گھنٹی بجا کر آپ کو، مجھے اور نوعِ انسانی کو بتا رہا ہے کہ ابھی سوچنے سمجھنے کا وقت ختم نہیں ہوا۔ انسان کو اپنی شناخت کرنا ہوگی...... انسانی شناخت محض ستر پوشی نہیں ہے...... انسانی شناخت محض مختلف طریقوں سے کھانا کھانا نہیں ہے...... انسانی شناخت مال و دولت کے انبار جمع کرنا نہیں ہے...... انسانی شناخت یہ نہیں ہے کہ انسان دو پیروں دو ہاتھوں سے چلتا ہے اس لئے کہ اگر انسان کے دو پیر نہ ہوں یا دو ہاتھ نہ ہوں تو وہ چل نہیں سکتا جس طرح ایک کبوتر دو پیروں اور دو پَروں کے بغیر چلتا نہیں...... اُڑتا نہیں...... جس طرح ایک چوپایہ چار پیروں کے بغیر چلتا نہیں ہے۔

انسانی شناخت محض تھوڑی سی اضافی عقل نہیں ہے کہ انسانی شرف کے نام پر مہلک ہتھیار بنائے جائیں اور اس کی حرکت سے درندے شرمائیں...... کسی شیر نے زمین کی تاریخ میں اپنی شیر برادری کیلئے مہلک ہتھیار بنائے...... کسی بھی چالاک لومڑی نے اپنے چالاک ذہن سے اپنی برادری کو غلام بنایا......

انسانی شناخت یہ ہے کہ گوشت پوست کے انسان کو چلانے والی ایک مخصوص صفت ہے...... اور یہ مخصوص صفت سراپا خدوخال ہے...... یہ خدوخال بالکل اس طرح کے خدوخال ہیں جس طرح جسمانی وجود اعضا اور خدوخال سے آراستہ ہے۔ اگر انسان اپنے اس وصف سے یعنی اپنی روح سے واقف ہے تو اس کے اوپر واضح ہو جاتا ہے کہ روح جو فی الواقع حرکت ہے......

روح جو فی نفسہ زندگی ہے...... روح جو درحقیقت ارتقا ہے...... اس میں خود غرضی نہیں ہوتی...... اس میں کبر نہیں ہوتا...... اس میں پوری برادری کو غلام بنانے کا تقاضہ نہیں ہوتا...... سائنس اور مذہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ سائنس مختلف ذرائع سے...... پُر پیچ طریقوں سے...... مکر و فریب سے...... زر و جواہرات اکٹھا کرنے کی ایک کوشش ہے۔ جس میں ذاتی غرض اٹھانوے فیصد اور عوام الناس کا فائدہ دو فیصد ہے...... مذہب ان قدروں کو اجاگر کرتا ہے جو قدریں انبیاء علیہم السلام سے نوعِ انسانی کو ورثے میں ملی ہیں...... انبیاء کی طرزِ فکر رہنمائی کرتی ہے کہ روح کے تابع انسان میں دو فیصد ذاتی غرض اور اٹھانوے فیصد ایثار و خلوص ہوتا ہے......

باشعور انسان

آدم و حوا کا پہلا مسکن جنت ہے!......

جنت ایک ایسی اسپیس پر آباد ہے جہاں مکانات عالیشان محلات، نہریں، مرغزار...... نیلے پیلے، اودے پیراہن سے آراستہ پھولوں کے تختے...... خوبصورت لان...... حور و غلمان...... پھلدار اور سایہ دار درخت ہیں...... باغات، پانی سے اُبلتے فوّارے، کِل کِل کرتے جھرنے اور آبشاریں، ندی نالے، دریا، بوستان و نخلستان......

یہ سب چیزیں ہماری زمین پر بھی موجود ہیں......

زمین ایک اسپیس ہے!...... اسپیس کا مطلب ہے بہت بڑی جگہ کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل کر دینا......

جب ہم اپنی زمین کا تذکرہ کرتے ہیں تو زمین سے مراد کوئی ایک ملک یا کسی ملک کے کئی شہر مراد نہیں ہوتے......

زمین سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اتنا بڑا رقبہ کہ جو اعداد و شمار میں نہ آئے......

ہماری زمین کے اعداد و شمار جو بھی بیان کیے جاتے ہیں...... زمین کا وہ حصہ ہے جو معلوم زمین ہے!......

بتایا جاتا ہے کہ زمین پر تین حصے پانی ہے، ایک حصہ خشکی ہے...... زمین کی یہ صورت بھی نظر آتی ہے کہ زمین کے اوپر کڑوں یا چھلوں کی شکل میں پہاڑ ایستادہ ہیں اور ان پہاڑوں کے درمیان خالی جگہ یا Vallies، ملک، شہر، اور محلّوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

زمین کا رقبہ جو کچھ بتایا جاتا ہے وہ محض قیاس پر مبنی ہے...... زمین کا پورا ناپ تول ابھی تک ممکن نہیں ہوا...... سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی ایسے علاقے ہیں جو ابھی دریافت نہیں ہوئے اور ان علاقوں کو Uncivilized کہا جاتا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ زمین واحد سیارہ ہے جس پر زندگی کے آثار نظر آتے ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے!...... ہر سیارے پر آبادیاں ہیں...... بالکل اسی طرح جیسے ہماری زمین آباد ہے......

ہر سیارے کی زمین پر چاند، سورج، ستارے اور کہکشائیں نظر آتی ہیں......

ہم شعوری طور پر مانتے ہیں کہ آکسیجن پر زندگی کا دارومدار ہے!......

جبکہ یہ بات عقل تسلیم نہیں کرتی......

عقل رہنمائی کرتی ہے کہ ایک گھر میں چھ آدمی ہیں اور یہ چھ آدمی آکسیجن کے اوپر زندہ ہیں......

لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان چھ آدمیوں میں سے ایک آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے...... اگر ہم گھر کو ایک غبارہ سمجھ لیں اور اس غبارے کے اندر کلیتاً آکسیجن کا عمل دخل مان لیں تو یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ غبارے میں آکسیجن موجود ہے...... غبارے میں آکسیجن موجود ہونے کے باوصف پانچ آدمی زندہ رہتے ہیں اور ایک آدمی مرجاتا ہے...... اگر زندگی کا دارومدار آکسیجن پر نہیں ہے تو آکسیجن ایک آدمی کیلئے کیوں زندگی کا سہارا نہیں بن رہی؟...... باقی پانچ آدمی آکسیجن سے کیوں مستفید ہورہے ہیں؟......

اور آکسیجن کے ذریعے مرنے والے فرد کو کیوں زندہ نہیں کرلیا جاتا؟......

جس طرح زمین پر حیات وممات ہے...... اسی طرح دوسرے سیاروں میں بھی موت اور زندگی کا سلسلہ جاری ہے......

ہماری زمین پر بلڈنگیں تعمیر ہوتی ہیں...... کھیتی باڑی ہوتی ہے، فیکٹریاں لگتی ہیں، ہوائی جہاز اُڑتے ہیں، بڑے بڑے پانی کے جہاز سمندر کی سطح پر تیرتے ہیں...... بادبانی کشتیاں سمندر کی منہ زور لہروں کا مقابلہ کرکے سفر کرتی ہیں......

اسی طرح دوسری دنیاؤں میں بھی سب کچھ ہورہا ہے......

زمین جس طرح سے بھی بنی اور زمین کے اوپر فضا اور زمین کے اندر موجود تہوں میں بے شمار گیسز Gases کام کررہی ہیں...... دوسرے سیاروں کا بھی یہی حال احوال ہے...... زمین کی ایک خصوصیت ہے...... وہ خصوصیت یہ ہے کہ زمین اپنے حسن کو دوبالا کرنے کیلئے...... تزئین و آرائش کیلئے اپنے اندر سے تخلیق کرتی ہے...... اس تخلیق میں رنگینی ہے...... کائنات میں نافذ تخلیقی قانون کے مطابق زمین پر کوئی ایک شے ایسی نہیں ہے جو بے رنگ ہو...... کھیت کھلیاں دیکھئے تو وہاں رنگ ہیں...... پھول پھلواری پر توجہ کیجئے!...... رنگ رنگ...... سینکڑوں رنگ ہیں...... درخت کے سراپا نظر ڈالئے...... درخت میں ہر چیز رنگین ہے...... درخت کی جڑوں کا رنگ الگ ہے...... تنے کا رنگ الگ ہے...... درخت کے لباس کا رنگ الگ ہے...... لباس سے مراد درخت کی چھال ہے...... پتوں کا رنگ الگ ہے...... درخت میں لگے ہوئے پھولوں کا رنگ منفرد ہے......

اور درخت میں لگنے والے پھل بھی بے رنگ نہیں ہوتے...... یہ رنگینی دراصل زمین کی زیبائش

ہے...... اس زیبائش سے مخلوق کو آسائش ملتی ہے......

زمین پر تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار نوعیں آباد ہیں!...... ہر نوع میں کم سے کم دو سو مخلوقات شمار کی جاسکتی ہیں...... کتنی زیادہ ہوسکتی ہیں؟...... اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے!......

مچھلی ایک نوع ہے!......

بہت بڑے Aquarium کے اندر رنگ برنگ مچھلیوں میں کوئی سرخ ہے...... کوئی Purple ہے...... مچھلی کی کوئی مخلوق Transparent ہے...... کوئی چھوٹی ہے...... کوئی بہت بڑی ہے......

کوئی مچھلی اتنی بڑی ہے کہ اس کی خوراک کا ایک لقمہ کئی ہزار مچھلیاں بن جاتی ہیں......

یہی مثال درختوں کی، پرندوں، چوپایوں کے اوپر بھی صادق آتی ہے......

ہماری زمین!...... کائناتی تخلیقی قوانین کے مطابق دو حصوں میں تقسیم ہے......

ایک حصہ وہ زمین ہے جس پر آدم زاد چلتا پھرتا، سوتا جاگتا اور کھاتا پیتا ہے......

زمین کا دوسرا حصہ خلا میں واقع ہے...... خلا میں واقع زمین بھی ہماری زمین کی طرح ہے...... اس زمین پر جنات کی آبادیاں ہیں...... جنات کی آبادی میں مذکر مؤنث دونوں افراد ہیں...... نسلی سلسلہ بھی انسانی آبادیوں کی طرح قائم ہے...... جنات کی دنیا میں لہلہاتی کھیتیاں ہیں، باغات ہیں، جمادات، نباتات، معدنیات، دریا، سمندر سب ہیں۔

جنات کی مخلوق انسانوں کی طرح کھاتی پیتی ہے، کاروبار کرتی ہے...... اور ان کے یہاں سائنسی ایجادات وترقی کا گراف انسانوں کی ترقی سے زیادہ ہے......

ہم نے بات شروع کی تھی کہ آدم وحوا کا پہلا مسکن جنت تھا...... اور اب بھی ہے......

باشعور انسان اسے کہتے ہیں جو گردونواح کی صورتحال سے واقف ہو...... باشعور انسان وہ ہے جو اپنے آپ سے واقفیت رکھتا ہو......

ذی شعور اسے کہا جاتا ہے جو اپنے اندر کی دنیا سے باخبر ہو......

میرے بچو!......

یہ ساری تمہید اس لئے ہے کہ ہمیں غور کرنا ہے......

آدم وحوا جب جنت میں رہتے تھے تو ان میں کون سے حواس یا شعور کام کرتا تھا؟......

اس لئے کہ ہم جنت کے شعور کو رد نہیں کرسکتے!......

جنت!...... ایک لامحدود رقبہ ہے...... علم الٰہی سے منکشف ہوتا ہے کہ وہاں باغات ہیں......

انار اور کھجور کے درخت ہیں...... انگور کی بیلیں ہیں...... خوشنما قطار در قطار درخت ہیں...... پھولوں کے تختے ہیں...... ایسے پھول جن میں کئی کئی رنگوں کی آمیزش ہے...... ہوا چلتی ہے تو ساز بجتے ہیں...... پھول ہلتے ہیں تو جل بجھ روشنیوں کا ادراک ہوتا ہے...... خوشبو کا یہ عالم ہے کہ فضاء میں سے پھولوں کی مہک گھونٹ گھونٹ اندر اُتر جاتی ہے......

حوریں!...... اتنی خوبصورت ہیں کہ آدمی دیکھ لیتا ہے تو لرزہ طاری ہو جاتا ہے......

غلمان!...... عنفوانِ شباب کی مکمل تصویر ہیں......

پانی!...... دودھ جیسا سفید اور میٹھا ہوتا ہے......

شہد!...... شہد کا سنہری رنگ اور ذائقہ ہماری زمین کے شہد سے ہزار گنا افضل ہوتا ہے......

جب قطار در قطار درخت، انار، کھجور اور انگور کا تذکرہ آتا ہے تو شعور ایک قدم آگے نہیں بڑھتا...... لیکن وہ یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ جنت میں شعور اور حواس دونوں موجود ہیں......

اب سوچنا یہ ہے کہ جنت کے شعور سے آدم وحوا کو عارضی محرومی کیوں ہوئی؟......

یہ عام بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر انعام واکرام کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آدمی انعام واکرام کرنے والی ہستی کا شکرگزار ہو اور اس کے احکامات کی تعمیل کرے...... جو ضابطے اس نے متعین کر دیئے ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرے......

جنت میں ایسا نہیں ہوسکا...... آدم وحوا کیلئے جو احکامات صادر ہوئے تھے ان پر عملدرآمد نہیں ہوسکا...... ان احکامات میں بنیادی بات یقین کا درجہ حاصل کرنا تھا...... اور یہ بات ذہن نشین کر دی گئی تھی کہ اگر تعمیل حکم سے سرمو انحراف ہوا، چاہے وہ سہواً کیوں نہ ہو...... تو جنت کے شعور پر پردہ آجائے گا...... جیسے ہی جنت کے شعور پر پردہ آگیا...... آدم وحوا کا پہلا مسکن جنت نہیں رہی...... اور لامحدود شعور پر محدود شعور کا غلبہ ہوگیا......

محدود شعور کا مطلب احساسِ محرومی اضطراب اور گھٹن ہے......

اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر آدم وحوا کی اولاد محدود شعور سے نکل کر جنت کے لامحدود شعور میں داخل ہو جائے تو یہ دنیا اس کیلئے جنت بن جاتی ہے۔ جتنی دیر اس دنیا میں قیام رہے گا جنت کی کیفیات اس کے اوپر غالب رہیں گی......

اور جب اس دنیا کا سفر ختم ہوگا...... تو جنت کا ابدی سکون اسے حاصل ہو جائے گا......

رنگ برنگ

یہ مرکزی مراقبہ ہال ہے۔ بدھ کا دن گزر گیا۔ جمعرات کی شب نے شیفون کا سیاہ دوپٹہ اوڑھ لیا ہے۔ ہوا بند ہے۔ سخت حبس میں مچھروں کی یلغار ہے۔ کھلے آسمان پر اُفق سے چاند نمودار ہو رہا ہے۔ چند دوست زمین پر بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔ گفتگو کا محور مرشدِ کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ ہیں۔ بات سے بات نکلتی چلی گئی، گھنٹوں کا وقفہ منٹوں میں گزر گیا۔ اتنے میں چاند نے اپنی چاندنی سے پوری فضاء کو اس طرح منور کر دیا کہ اندھیرے کا احساس ختم ہوگیا۔ میٹھی ٹھنڈی چاندنی میں ذوقِ شاعری نے ہاتھ پیر نکالے۔ چاندنی نے پھولوں کی پنکھڑیوں میں سے چھن چھن کر مخملی سبزلان پر نقش ونگار بنا دیئے۔ آسمان پر ستاروں کی ایک انجمن نے چاند کو خوش آمدید کہا۔ چاند کے اردگرد ستاروں کے سائے مرکری سفید دھند کی طرح چھا گئے اور اس دھند نے آنکھوں کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ چاندنی نے اس طرح مست و بے خود کر دیا کہ خود فراموشی غالب آگئی۔ مستی وسرور نے آنکھوں کو بوجھل کر دیا اور وجود ساکت ہوگیا۔

اس وقت رات کے دو بجے ہیں۔ خنک ہوا چل پڑی ہے۔ مراقبہ ہال میں کھلے ہوئے پھولوں میں سے خوشبو نے دماغ معطر کر دیا ہے۔ ٹھنڈی ہوا جسم میں چبھنے لگی تو دوست احباب اٹھ گئے میں نے چادر اوڑھ لی۔

آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں۔ پہلا خیال یہ آیا کہ اللہ کتنا خوبصورت ہے جس نے زمین پر خوبصورتی بکھیر دی ہے۔ جس نے آسمان کو چاند جیسی دلہن اور ستاروں جیسی دلہن کی سہیلیوں سے زینت بخشی ہے۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے جس نے زمین بچھا دی ہے اور زمین کو اتنا نرم نہیں بنا دیا کہ مخلوق کے پیر دھنس جائیں نہ اتنا سخت بنایا ہے کہ اس پر ہل نہ چل سکے۔ لمبے، طویل، چھتری کی طرح گول درخت اُگا دیئے۔ درخت کی شاخوں پر پھل لٹکا دیئے۔ حسین وجمیل رنگ رنگ پھول زمین کی ردا پر ٹانک دیئے۔ گھاس کو مخملی فرش بنا دیا۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے کہ زمین کی شریانوں میں پانی دوڑایا۔ ایک پانی سے اَربوں کھربوں

چیزوں کو وجود بخش دیا۔ پانی کو یہ صلاحیت عطا کر دی کہ جہاں بھی جائے اپنا مظاہرہ شئے کے روپ میں کرے...... کیلے کے درخت میں قیام کرے تو میٹھی نرم قلفی بن جائے...... انار کا میزبان بنے تو ہزاروں دانوں میں نا صرف خود کی نفی کر دے بلکہ انار کا رنگ بھی اپنا لے...... کھجور کو اپنا مسکن بنائے بیٹھا ہو جائے...... املی کو اپنا مستقر ٹھہرائے تو کھٹا ہو جائے...... کڑواہٹ کی ڈائی میں کڑوا بن جائے...... زقوم میں ٹھہر جائے تو زہر بن جائے......!

اللہ کتنا خوبصورت ہے کہ اس نے گنتی سے زیادہ Dies بنادی ہیں۔ ہر ڈائی اپنا وجود مقررہ مقداروں کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہے۔ کسی طرح مقدار سے انحراف نہیں کرتی۔ گندم کی ڈائی گندم نکالتی ہے۔ تربوز کی ڈائی میں سے تربوز نمودار ہوتا ہے۔ آدمی کی ڈائی میں سے آدمی برآمد ہوتا ہے۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے کہ کوئی ڈائی دوسری ڈائی سے نہ انحراف کرتی ہے اور نہ اپنا تشخص ختم کرتی ہے۔ پانی میں سے مونگا اور موتی پیدا کر دیتا ہے۔ دو دریاؤں کو ایک ساتھ اس طرح چلاتا ہے کہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہیں مگر ملتے نہیں۔ ایک دوسرے کی حد میں داخل نہیں ہوتے۔ کالا پانی، سفید پانی ایک سطح پر بہتا ہے۔ کالے میں سفید اور سفید میں کالے پانی کا ایک قطرہ بھی شامل نہیں ہوتا۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے انسان کو، حیوانات کو، حشرات الارض کو، باہر دیکھنے کیلئے آنکھ عطا کی۔ آنکھ نہ ہوتی تو ساری دنیا اندھیر ہو جاتی۔ آنکھ ہر جسم کی دوربین ہے جو باہر کے عکس کو دماغ میں منتقل کرتی رہتی ہے۔ آنکھ آنسوؤں سے تر رہتی ہے۔ اگر گرد و غبار کا کوئی ذرہ آنکھ میں پہنچ جائے تو آنسوؤں سے ڈھل کر باہر نکل جاتا ہے۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے جس نے آنکھ کو جسم کیلئے کیمرہ بنا دیا ہے۔ سامنے ایک لینس (Lens) ہوتا ہے۔ پیچھے ایک اسکرین ہوتی ہے جس پر روشنی کا عکس پڑنے سے تصویر بن جاتی ہے۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے کہ اس نے زندگی دی۔ جس کے تمام حصے باقاعدگی اور توازن کے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں۔ کوئی عضو، دوسرے عضو کے کام میں خلل نہیں ڈالتا...... ہر عضو دوسرے کی مدد کرتا ہے۔ جسم کی مشین ترتیب، توازن اور معین حرکت کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔ نیند میں بھی بدن کے ضروری کام جاری رہتے ہیں۔ بے ہوشی میں بھی زندگی جسم میں دوڑتی رہتی ہے۔

اللہ کتنا خوبصورت اور عظیم ہے کہ بھوک ہمیں اس وقت لگتی ہے جب غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ پیاس اس وقت لگتی ہے جب جسم کو سیرابی کی ضرورت ہو۔ دستر خوان پر کھانوں میں ہم اپنی پسند کے کھانے کھاتے ہیں اور مُضر چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے اس نے ہمیں دماغ دیا۔ جسم کی سلطنت پر حکمران بنایا۔ جو ایک نہایت مدبّر، عادل بادشاہ کی طرح اپنی رعایا (اعضاء) کو حکم بھی دیتا ہے اور کنٹرول بھی کرتا ہے۔

دماغ نہ صرف نقل وحمل کے احکامات صادر کرتا ہے بلکہ اس کی ہدایت پر ہر کوئی بولتا، چھوتا اور پکڑتا ہے۔ دُکھ، سُکھ، گرمی، سردی کا احساس کرتا ہے۔ دماغ ہمارے ماضی کا اسٹور ہے، دستاویز ہے، مائیکروفلم ہے، جس میں سے ہم جو چاہتے ہیں برآمد کر لیتے ہیں۔ انسان کا دماغ تمام جانداروں میں وزنی اور ترقی یافتہ ہے۔ اسی لئے انسان تمام جانداروں میں عقلی اور علمی اعتبار سے ممتاز ہے۔

اللہ کتنا خوبصورت مہربان اور رحیم ہے کہ اس نے دماغ کے ذیلی کارکنان (اعضاء) کو ہمارے جسم میں کام کرنے کے لئے مستعد کر دیا ہے۔

میڈیکل سائنس کے پیش نظر ایک عضو کی قیمت کی مناسبت سے ہر انسان پر کروڑوں روپے روزانہ خرچ ہو رہے ہیں جبکہ یہ پوری سروس مفت فراہم کی جارہی ہے۔

اللہ کتنا خوبصورت، ستار العیوب، اور غفار الذنوب ہے کہ اس نے ہر عیب کو چھپا لیا ہے اور ہر غلطی کو معاف کر دیتا ہے...... پردہ ہٹ جائے گا تو کیا ہوگا؟

ہر آدمی دوسرے آدمی کے سامنے بے پردہ اور ننگا ہو جائے گا۔ ہر شخص دوسرے شخص کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ میں یہ سب سوچتے سوچتے مراقبہ میں چلا گیا۔

دیکھا کہ

ہڈیوں کا پنجرہ ہوں۔ ہڈیوں کے صندوق نما پنجرے میں بہت سارے خانے میں بہت سارے اعضا ہیں۔ ہر عضو اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔

میں نے دیکھا کہ میں

ہر خانے میں سے گزر کر دماغ میں اُتر گیا ہوں۔ دماغ میں چھوٹے چھوٹے کھربوں خانے ہیں۔ ہر خانے میں اللہ کی رسی کی ایک صفت جلوہ گر ہے،

کان میں آواز آئی!

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔ اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے کا مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ آدمی کی تخلیقی فارمولے Equation دراصل اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

مجھے شوق ہوا کہ میں اپنی تخلیقی صفات دیکھوں۔ اور یہاں سے وہ صلاحیت اُٹھا لوں جو آسمانوں میں پرواز کراتی ہے...... میں نے تخلیقی پرواز کی صلاحیت کو چھوا بھی نہیں تھا کہ صلاحیت گویا ہوئی۔

آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈنے والے دوست

اللہ تعالیٰ تو بندے کے اندر ہے۔

میں نے کہا یہ اندر ہی تو ہے جس میں اس وقت میں چل پھر رہا ہوں۔ بارہ کھرب خلیوں میں سے ایک خلیہ گویا ہوا۔ اس اندر کے اندر ایک اور اندر ہے جو دراصل تیرا Inner ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ ملے گا۔

مجھے احساس ہوا کہ میں صدیوں پیچھے ماضی میں چلا گیا ہوں۔ ماضی کے ریکارڈ میں دیکھا کہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ عرش پر گھوم پھر رہے ہیں انہوں نے فرشتوں کو اس حال میں دیکھا کہ ایک گروہ سجدے میں ہے، دوسرا گروہ قیام میں ہے اور تیسرا گروہ رکوع میں ہے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا

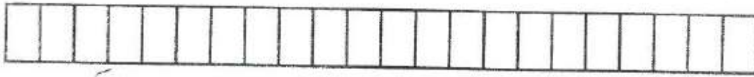
اے فرشتو! مجھے اللہ تعالیٰ کی تلاش ہے سنا تھا اللہ تعالیٰ عرش پر رہتے ہیں۔ تم جو سجدہ کر رہے ہو بتاؤ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟

فرشتوں نے جواب دیا:

''ہمیں آواز آئی ہے! اس وقت ہم بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں ہیں۔''

میں سراسیمگی کے عالم میں بہت تیزی کے ساتھ دماغ میں سے نکل کر دل میں آ گیا۔ دل کو جو خون کا لوتھڑا ہے...... دیکھا دل ایک مٹھی بھر گوشت کا لوتھڑا ہے مگر اتنا مستعد اور باہمت ہے کہ ایک منٹ میں ستر بہتر بار سکڑتا پھیلتا ہے اور عمر بھر اپنی ڈیوٹی کرتا ہے۔ جسم کو زندگی (خون) پہنچاتا رہتا ہے۔ زندگی کا ضامن ہے۔ ناپاک ملاوٹ دار سیاہی مائل خون پھیپھڑوں کو منتقل کرتا ہے اور پھیپھڑوں کے ذریعے صاف شدہ خون حاصل کر کے وریدوں شریانوں سے گزارتا رہتا ہے۔ میں نے دل میں وہ سب دیکھا جو میڈیکل سائنس نے ہمیں بتایا ہے مگر جب وہاں اللہ نظر نہیں آیا تو

میں اداس ہو گیا...... ایک دم جھماکہ ہوا دل کے اندر ایک اور دل دیکھا جو گوشت کے لوتھڑے کی طرح تو تھا مگر نور کا بنا ہوا تھا۔ نور کے اس دل میں ایک سیڑھی دیکھی جو اوپر سے نیچے تھی۔ اس سیڑھی میں بائیس خانے دیکھے۔



میں جلدی جلدی سیڑھی سے نیچے اُترتا چلا گیا۔ ہر خانے میں ایک کائنات دیکھی۔ بالآخر اکیسویں خانے سے نیچے اترا تو میرے اوپر نیند غالب آ گئی۔ پتہ نہیں میں بے ہوش ہو گیا یا میرے اوپر سکر طاری ہو گیا تھا یا میں اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔

صبح دم جب دروازۂ خاور کھلا۔ شعور بحال ہو گیا۔ آنکھیں کھلیں تو محسوس ہوا میں نشے میں ہوں، پتلیوں پر سرور کے ہزار ہا خوش نما بالے بنتے پھیلتے نظر آئے۔ دماغ میں صوتِ سرمدی گونجی۔

اللہ کتنا خوبصورت ہے!

درخت کا ہر پتا، زمین پر پھول، فضا میں اُڑتے پنچھی، باغوں میں مور پنکھ، کوئل، قمریاں، ہر وہ چیز جو رنگین ہے اللہ تعالیٰ کی خوبصورتی کا عکس ہے۔

اللہ تعالیٰ اتنے خوبصورت ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود کہتے ہیں:

''اور بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اُس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں، ان میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں۔''

(سورۃ النحل۔ آیت 13)

منصوبہ بندی

ایک راہ چلتے نوجوان مسافر نے سن رسیدہ شخص کو ہاتھ میں کھرپی لیے بیٹھا دیکھا تو اس کے ذہن میں تجسس نے سر ابھارا کہ اس بوڑھے کی سرگرمی دیکھی جائے۔ بوڑھے نے لرزتے ہاتھوں سے زمین کا کچھ حصہ کھودا، لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا نرسری میں گیا اور آم کا چھوٹا سا پودا اٹھا لایا۔ اب کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے پودا زمین میں رکھا، مٹی برابر کی اور اسے پانی سے سیراب کر دیا۔ یہ سب کام سرانجام دینے کے بعد بوڑھے کے جھریوں بھرے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ خوشی سے جیسے اس کے بوڑھے وجود میں توانائی کی لہر دوڑ گئی۔

نوجوان جو کافی دیر سے بوڑھے کی سرگرمی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، اس کے قریب آیا اور بولا:

''بڑے صاحب! مزاج عالی پر گراں نہ گزرے تو ایک بات عرض کروں؟''

بڑے میاں نے چندھیائی ہوئی نگاہوں سے نوجوان کو دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔

نوجوان نے نہایت ادب سے کہا ''بڑے صاحب آپ نے نہایت محنت اور توجہ سے یہ پودا لگایا اور پودا لگانے کے بعد آپ کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی۔ جس وقت یہ پودا تناور درخت بنے گا اور پھل دے گا تو کیا آپ دنیا میں موجود ہوں گے؟ ایسا کام جو آپ کو نفع نہ پہنچا سکے اس میں اتنی دلچسپی کہاں تک درست ہے؟''

بوڑھے نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ نوجوان کو جواب دیا ''مجھے معلوم ہے جب یہ پودا پھل دار درخت میں تبدیل ہوگا تو میرا مادی جسم منوں مٹی تلے دب کر خود بھی مٹی میں تبدیل ہو چکا ہوگا۔ یہ خوشی میری ذات کے لیے نہیں ہے۔ میں نے جب پودا لگا دیا تو میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ میری اولاد، اولاد کی اولاد اس درخت سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اس کی چھاؤں میں بیٹھ کر دھوپ کی تمازت سے محفوظ ہو رہی ہے اور اس کے شیریں پھل سے مستفید ہو رہی ہے۔ میری مسکراہٹ میری خوشی اپنی نسل سے وابستہ ہے۔ میں نے سوچا کہ میرے اس کام سے میری اگلی نسل کو فائدہ ہو سکتا ہے۔

ایک صاحب کی شادی بڑے دھوم دھام سے ہوئی۔ شادیانے بجائے گئے، ڈھولکی کی تھاپ

اور مسکراہٹوں کے جلو میں دلہن بابل کے گھر سے پیا دیس سدھار گئی۔ شادی کے بعد ایک سال گزرا، دوسرا اور تیسرا برس بھی بیت گیا مگر دلہن کی گود ہری نہ ہو سکی۔ میاں بیوی نے ہر طرح کے طبیب اور معالج سے رجوع کر کے دیکھ لیا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ جب دوا سے کام نہ ہوا تو دعاؤں کا مرحلہ آیا۔ پیروں، فقیروں اور اللہ تعالیٰ والوں سے رجوع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور کسی اللہ والے کی دعا کارگر ثابت ہوئی۔ گھر میں نومولود کے رونے کی آواز کیا گونجی سب کے پژمردہ چہروں پر زندگی کا رنگ جھلکنے لگا۔ بوڑھے دادا دادی کو سکون ہوا کہ ان کی نسل آگے بڑھی۔ ان کا نام اور شناخت اس بچے کی شکل میں باقی رہے گی۔

والدین امیر ہوں یا غریب، اولاد کی خوشی سب میں یکساں ہوتی ہے۔ دونوں طرز کے والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ترقی کرے، اچھے مقام تک رسائی حاصل کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ والدین اولاد کی بہتری کے تمام فیصلے اپنے وسائل کے مطابق کرتے ہیں۔ بعض اپنی اولاد کو بہترین اور بھاری فیسوں والے تعلیمی اداروں سے تعلیم دلاتے ہیں۔ جن کے وسائل اس کی اجازت نہیں دیتے وہ کم فیسوں والے اداروں میں اپنے بچوں کو داخل کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو تعلیمی اخراجات پورے نہیں کر سکتا یا بچوں کو تعلیم دلوانے کا شعور ان میں نہیں ہے لیکن اولاد کی بہتری یہاں بھی زیرِ بحث آتی ہے۔ ایسے والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ایسا ذریعہ معاش اختیار کرے، ایسا کام سیکھے یا وہ کاروبار کرے جس سے وہ والدین سے زیادہ مستحکم حیثیت حاصل کرے۔

ہر باشعور انسان اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے اس کے پیشِ نظر اپنی نسل ہوتی ہے، اپنی ذات نہیں ہوتی۔ جس بندے کے پیشِ نظر اپنی ذات ہے اس نے انسانی دائرے میں پوری طرح قدم ہی نہیں رکھا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں خود بھی مایوس و پریشان رہتا ہے اور اگلی نسل کو بھی یہی مایوسی ورثہ میں منتقل کرتا ہے۔

ہر فرد کے شعور میں اس کے اپنے مخصوص ماحول کے مطابق اشیاء کی موجودگی ہوتی ہے۔ مثلاً ہر فرد اپنے شعور کے مطابق کسی چیز کو پسند یا رد کرتا ہے اور کسی چیز سے مانوس ہوتا ہے۔ ہر فرد اپنے شعور کے دائرے میں اپنے مخصوص ماحول، مخصوص جذبات و کیفیات کے اعتبار سے چیزوں کو منتخب کرتا ہے۔ ہم جب فرد کی حیثیت میں زندگی کے متعلق اطلاعات

پر غور کرتے ہیں تو لامحالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ زندگی کے تمام جذبات سے متعلق جو اطلاعات ہمیں ملتی ہیں ہم ان کو دو طرح سے قبول کرتے ہیں یا دو طرح سے معنی پہناتے ہیں۔ ایک معانی پہنانا انفرادی طور پر معانی پہنانا ہے اور دوسری طرز میں اجتماعی طور پر معانی پہنانا ہے۔

لوحِ محفوظ میں انفرادی زندگی بھی نقش ہے اور اجتماعی یا قومی زندگی بھی نقش ہے۔ انفرادی حدود میں جب کوئی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے تو اس کے اوپر انفرادی فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔ قومی اعتبار سے ایک دو چار دس بندے جب کوشش کرتے ہیں تو اس جدوجہد اور کوشش سے پوری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگلی نسل کے بارے میں منصوبہ بندی بھی آدمی کے شعور اور مخصوص ماحول پر منحصر ہے۔ ہر انفرادی کوشش کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر صرف اس کی ذات ہوتی ہے۔ اپنی ذات، اپنے خاندان اور اپنی نسل کیلئے کوشش بھی انفرادی یا محدود شعور میں آتی ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام پیغمبران علیہم السلام کی زندگی کا...... ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو ایک ہی بات نظر آئے گی کہ ہر پیغمبر نے اجتماعی طرزوں میں کوشش کی ہے۔ پوری نوعِ انسانی کی بھلائی پیشِ نظر رہی۔ ہر پیغمبر نے اپنی تعلیمات کا دائرہ کار لامحدود رکھا اور انہوں نے اگلی نسلوں تک کے لئے کام کیا۔

سیدنا حضور علیہ السلام کے نورِ نبوت سے فیض یافتہ عظیم روحانی سائنسدان حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ علم لدنی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کی سوچ کا دائرہ لامحدود وسعت کا حامل ہو جاتا ہے، جو لامحدود ذہن رکھتا ہے، جس کے سامنے اپنی ذات نہیں ہوتی، بلکہ پوری نوعِ انسانی ہوتی ہے...... پوری کائنات ہوتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے...... اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہوتی ہے...... اپنی ذات ہرگز نہیں ہوتی۔

جب ہم اس پیغمبرانہ طرزِ فکر کو قبول کر کے آگے بڑھیں گے تو انشاء اللہ راستے کھلتے جائیں گے...... اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش برسے گی اور اس بارش میں شاداں فرحاں اور مخمور آگے ہی بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہمیں راستے ملتے چلے جائیں گے۔ ہمیں بڑھتا دیکھ کر ہماری اولاد بھی آگے بڑھے گی۔ اولاد کی اولاد بھی خودشناسی اور معرفت کی راہوں پر چل پڑے گی اس طرح نسل در نسل

پیغمبرانہ طرزِ فکر آگے بڑھتی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور جو لوگ مجھے پانے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لئے راستے کھول دیتا ہوں۔''

(سورۃ العنکبوت۔ آیت 69)

اس فرمانِ الٰہی کی شہادت ہمارے سامنے ہے۔ پہلے مراقبہ شروع ہوا۔ دو بندوں نے مراقبہ شروع کیا۔ اگلا رستہ کھلا اخبار میں کالم شروع ہو گیا پھر ایک اور رستہ کھلا کتاب لکھی گئی۔ ایک اور راستہ کھلا لوگ زیادہ ہو گئے ایک اور راستہ کھلا خدمتِ خلق کا شعبہ قائم ہو گیا...... دنیا بھر میں مراقبہ ہالز کا جال بچھ گیا۔ عظیمیہ روحانی لائبریریز قائم ہو گئیں......

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا یہ فیض ہے کہ ان کا ایک ادنیٰ سا غلام جس کو انہوں نے اپنی عنایتِ خسروانہ سے نوازدیا ہے اس کے ذہن میں نوعِ انسانی سے متعلق جب بھی کوئی خیال آتا ہے تو وہ آئندہ پانچ سو سال کے بارے میں ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی نیا قدم اُٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو ذہن میں یہ آتا ہے کہ آئندہ پانچ سو سال میں جو نسلیں آئیں گی ہمیں ان کیلئے یہ کام کرنا ہے۔ ہمیں اپنے لئے راستہ نہیں بنانا، بھلا ہماری عمر ہی کتنی ہے۔ ایک باپ اگر مضبوط گھر بنا جاتا ہے تو پوتے پڑپوتے اس میں رہتے ہیں۔ ایک باپ اگر کوئی درخت لگا جاتا ہے تو وہ اس درخت کا پھل نوشِ جاں نہیں کرتا لیکن آنے والی نسلیں برسوں اسکا پھل کھاتی ہیں۔ برسوں اسکی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھتی ہیں۔

ہمارے مرشدِ کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی طرزِ فکر یہ ہے کہ ہمیں نسلوں کیلئے سوچنا ہے۔ ہمیں پوری امت مسلمہ کیلئے سوچنا ہے...... یہاں تک کہ پوری نوعِ انسانی کیلئے سوچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ مخلوق کے تمام افراد آپس میں پیار محبت سے رہیں۔ پیغمبرانہ تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ ایک برادری ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کنبہ کے تمام افراد آپس میں مل جل کر رہیں۔ خوش رہیں لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کو اسی وقت پہچان سکتے ہیں، اس کا عرفان حاصل کر سکتے ہیں، روحانی انسان بن سکتے ہیں اور اپنی روحانی صلاحیتیں بیدار کر سکتے ہیں۔ جب ہم وہ کام کریں جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کنبہ کے اچھے فرد بن کر رہیں۔ خوش رہیں دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔ آپس میں پیار و محبت سے رہیں۔ اپنی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کر کے ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔

کٹھن دور

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

''یہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں ہے ہدایت دیتی ہے، ان لوگوں کو جو متقی ہیں، اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور قائم رکھتے ہیں صلوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

(سورۃ البقرہ۔ آیت 2-3)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب میں شک نہیں ہے......

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کے اوپر یقین کی دنیا روشن ہو...... تفکر کرنے سے یہ علم بھی حاصل ہوتا ہے کہ یقین کرنے والے لوگ ہی متقی اور پرہیزگار ہیں۔ پرہیزگار متقی لوگوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد یقین ہے......

یقین کے درجہ پر فائز رہنے والے حضرات وخواتین کیلئے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں...... اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں......

انسان کی زندگی...... وہ زندگی عالمِ ناسوت کی ہو یا آخرت کی ہو...... اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے...... اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی مرضی سے جس گھر، جس خاندان میں پیدا کرنا چاہتا ہے، وہاں وہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک اس دنیا میں اللہ تعالیٰ بندہ کو زندہ رکھتا ہے، بندہ زندہ رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس دنیا سے بندہ کو عالمِ آخرت میں بھیجتا ہے، بندہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے......

ساڑھے چھ ارب انسان اس بات کو زبانی طور پر تو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس بات پر تمام انسانوں کا ٹھوس یقین نہیں ہے...... چھ ارب انسانوں کی اکثریت بے یقینی کا شکار ہے...... بہت سے لوگوں نے جو کچھ اپنے بزرگوں اور پُرکھوں سے سنا ہے، وہ شک اور بے یقینی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے......

باشعور انسان اس بات سے واقف ہے کہ ہم زندگی کے تمام مراحل وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں گزارتے ہیں۔ ہماری زندگی لمحوں، سیکنڈوں، منٹوں، گھنٹوں اور شب و روز پر پھیلی ہوتی ہے۔

سوچنے کا ایک زاویہ یہ ہے کہ انسان کے اندر طلب پیدا ہوتی ہے لیکن اس طلب کے ساتھ ترک بھی چپکا ہوا ہے...... انسان نہ طلب سے آزاد ہوتا ہے اور نہ ترک کو چھوڑتا ہے......ترک اور طلب انسانی زندگی کے دو ایسے رخ ہیں جس سے انسان کسی بھی طرح آزاد نہیں ہوتا اور ہو بھی نہیں سکتا۔

اس بات کو اس طرح سمجھنا چاہئے......

آدمی ابھی سوچتا ہے کہ میں کھانا کھاؤں گا......لیکن اس کے پیٹ میں گرانی ہے، اس لئے وہ کھانے کا ارادہ ترک کر دیتا ہے......کب تک وہ اس ترک پر قائم رہے گا......اسکے بارے میں اسے کچھ نہیں معلوم......علی ہذا القیاس......طلب اور ترک کے افکار ہی اس کی زندگی کے اجزائے ترکیبی ہیں...... جو انسان کو ناکام یا کامیاب بناتے ہیں......ابھی وہ ارادہ کرتا ہے...... پھر اسے ترک کر دیتا ہے...... چاہے منٹوں میں کرتا ہے، چند گھنٹوں میں کرتا ہے یا مہینوں اور سالوں میں ترک کرتا ہے......

اس استدلال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان یقین اور شک کے راستے پر دوڑ رہا ہے......

چونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ شک والا بندہ صاحبِ یقین نہیں ہوتا......اور جو بندہ صاحبِ یقین نہیں ہوتا وہ غیب کی دنیا سے آگاہ نہیں ہوتا......

ساری پریشانیاں، ساری بیماریاں، ہر قسم کی الجھن، بیزاری، دماغی کشمکش، اعصابی کشاکش، رنج والم، خوف اور غم شک کی دنیا سے وابستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ دماغ میں شک کو جگہ دینے سے منع فرماتے ہیں......اور ذہن میں یقین کو پختہ کرنے کا حکم دیتے ہیں......

قرآن پاک میں ارشاد ہے......

''لاریب ہے یہ کتاب اور اس کی ہدایت دیتی ہے جس کا یقین غیب پر ہے۔''

(سورۃ البقرہ۔ آیت 2)

انسان کے دماغ کا محور یقین اور شک پر ہے۔ شک اور یقین دماغی خلیوں میں ہمہ وقت عمل کرتا رہتا ہے۔ جس قدر شک کی زیادتی ہوگی اسی قدر دماغی خلیوں میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی ہے۔ یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ یہی وہ دماغی خلیے ہیں جن کے زیرِ اثر تمام اعصاب کام کرتے ہیں اور اعصاب کی تحریکات ہی انسانی زندگی ہے......

آدمی کا دماغ اس کے اختیار میں ہے، وہ خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کو یقین کی طاقت سے کم اور زیادہ کر سکتا ہے...... دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ میں کمی سے اعصابی نقصانات کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں......

کائنات کے ہر ذرّہ میں ہمہ وقت نور گشت کرتا رہتا ہے......اور اس طرح گشت کرتا ہے کہ شئے کے محدود ترین مرکز سے بھی گزرتا رہتا ہے......

کائنات کے اجزائے ترکیبی میں جو حرکت ہے وہ نور کی حرکت ہے، اگر اس حرکت کو ذرّات میں سے گزرتے وقت کوئی ناپسندیدہ عمل پیش آجائے تو ایک طوفانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے...... حرکت میں عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے...... چونکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ایک مکمل سسٹم میں تغیر واقع ہو رہا ہے، اسلئے کوئی نہ کوئی اثر مرتب ہوتا ہے......

سائنس یہ ثابت کر چکی ہے کہ انسانی فکر و خیالات کا اثر براہِ راست خون اور جسم پر پڑتا ہے......خیالات میں اگر پراگندگی ہے......تو خون پر اس کا اچھا اثر مرتب نہیں ہوتا......مثلاً ایک آدمی سڑی ہوئی غذائیں کھاتا ہے......یا دوسرا آدمی ایسے خیالات میں زندگی گزارتا ہے جس سے اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے......تو ان حالات میں آدمی کا جسمانی نظام اور شعوری واردات و کیفیات متاثر ہوتی ہیں......

انسان ذہنی طور پر خود غرض ہو کر سب کچھ دنیا کو ہی سمجھنے لگے تو اس سے بار بار لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہے......حق تلفی ایک تخریب ہے......جس طرح خود غرضی تخریب ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دوری اور دنیا میں انہماک بھی ایک بڑی تخریب اور تباہی ہے......یہی وہ طرزِ عمل ہے کہ جس سے انسان کے خیالات میں کثافت پیدا ہوتی ہے......آج کے دور میں بیماریوں کو ختم کرنے کیلئے نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں......لیکن ایسے حالات پیدا کرنے کیلئے دوائیوں کی قیمتوں کے مقابلے میں عشر عشیر سرمایہ خرچ نہیں کیا جاتا، جس سے بیماریاں پیدا نہ ہوں......جن بیماریوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا علاج نہیں ہے، انہی بیماریوں کے علاج میں اتنا زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ عام

آدمی کسی بھی طرح علاج نہیں کرا سکتا......

اس وقت دنیا کی آبادی ساڑھے چھ ارب سے زائد ہے۔ عالمی ادارۂ صحت کی رپورٹ کے مطابق ساڑھے چھ ارب انسانوں میں، 3 ارب 23 کروڑ 67 لاکھ افراد مندرجہ ذیل بیماریوں میں مبتلا ہیں......شوگر، بلڈ پریشر کے مریض 17 کروڑ 70 لاکھ......کینسر کے مریض پانچ کروڑ 80 لاکھ...... ہیپاٹائٹس بی اور سی کے مریض 52 کروڑ...... ملیریا کے مریض 36 کروڑ......ڈپریشن، شیزوفرینیا کے مریض 14 کروڑ 50 لاکھ وغیرہ وغیرہ......

دُنیوی اعداد و شمار کے مطابق یہ دور ترقی کا دور ہے!......انسانی شعور کی معراج کا دور ہے!......لیکن اگر صحیح معنوں میں غور و فکر کیا جائے گا کہ یہ دور درماندگی، پریشان حالی، خود غرضی، حق تلفی اور بیماریوں کا دور ہے......

شک اور وسوسہ شعوری کیفیات ہیں......شعور میں شک ہوتا ہے......لاشعور میں شک نہیں ہوتا......لاشعور میں یقین کی دنیا روشن ہوتی ہے......جب کوئی انسان شعوری زندگی میں ہوتا ہے تو اس کے اوپر ٹائم اسپیس کی گرفت مسلط ہوتی ہے اور وہ شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا ہے......اور جب کوئی انسان لاشعوری زندگی (غیب پر یقین کی زندگی) میں ہوتا ہے تو اس کے اوپر سے وسوسوں اور پریشانیوں کی یلغار ختم ہوجاتی ہے......

ہم اس بات سے واقف ہیں کہ جب ہم کوئی بھی نیک کام کرتے ہیں، یعنی صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں یا کسی غریب کو کھانا کھلاتے ہیں، کسی غریب لڑکی کی شادی کروادیتے ہیں تو ہمارے اوپر سے وقتی طور پر سہی، رنج والم کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔

آج کے دور کی پریشانی اور لاعلاج بیماریوں کی وجوہات یہ ہیں کہ انسان کے اندر سے یقین نکل گیا ہے......شک اور وسوسوں نے اس کو اپنا آلۂ کار بنالیا ہے......آفاتِ الٰہی ارضی وسماوی اور لاعلاج بیماریوں سے نجات پانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر پورا پورا عمل کریں۔ شک اور وسوسوں سے دور رہیں اور یقین کو اپنا نصب العین بنائیں......



کسی پریشانی اور بیماری سے نجات پانے کیلئے ضروری ہے کہ اس بیماری اور پریشانی کے اسباب کا علم ہو......جب ہمیں بیماری کا علم ہوجاتا ہے تو ہم علاج کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں......

ہمارے اندر کتنا شک ہے اور کتنا یقین ہے اس کو جانچنے اور پرکھنے کیلئے ہم ایک گوشوارہ پیش کررہے ہیں......اس گوشوارہ میں آپ کو صبح بیدار ہونے کے بعد سے رات کے وقت سونے تک اپنا محاسبہ کرنا ہوگا......طریقہ یہ ہے کہ......آپ رات کو سونے سے پہلے یاد کریں کہ صبح سے رات تک آپ نے شک اور وسوسہ میں کتنا وقت گزارا ہے اور یقین کی دنیا میں آپ کتنی دیر رہے ہیں......

محاسبہ رپورٹ

نمبر شمار	شک اور وسوسوں کے زیر اثر اعمال	دن بھر میں کتنی مرتبہ یہ اعمال سرزد ہوئے	یقین کے زیر اثر اعمال	دن بھر میں کتنی مرتبہ آپ نے یہ اعمال کیے
1	اللہ تعالیٰ کی ناشکری		اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا	
2	نماز میں خیالات کی یلغار		نماز میں یکسوئی	
3	ماں کی نافرمانی		ماں کی فرماں برداری	
4	بزرگوں کی بے ادبی		بزرگوں کا احترام	
5	حق تلفی		حقوق پورے کرنا	
6	جھوٹ		سچ	
7	کبر		عاجزی وانکساری	
8	نفرت		محبت کرنا	
9	غصہ		معاف کرنا	
10	محنت سے جی چرانا		محنت کرنا	
	کل تعداد:		کل تعداد:	

نوٹ: خیر و شر کے اعمال کو الگ الگ جمع کرکے دیکھیں کہ آج دن بھر میں کتنے فیصد اچھے کام کئے اور کتنے فیصد بُرے......

بے سکونی کا سبب

پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے شیطان مردود کے بچھائے ہوئے جال میں گرفتار ہونے سے

......

یہ دنیا کب بنی؟...... کتنے قرن اس پر جنات کی حکمرانی رہی؟......اس دور میں زمین پر کتنے کانٹے بکھیرے گئے؟......اور کتنے پھول کھلے؟......خزاں کے کتنے دور آئے؟......اور زمین نے بہار کے کتنے موسم دیکھے؟...... کتنے سیلاب آئے اور سمندری طوفانوں نے زمین کا کیا حشر کیا؟......زمین پر ہونے والے فسادات، قتل اور خون ریزی کی کوئی فہرست بھی انسانوں کے سامنے نہیں ہے!...... کتنے اچھے کام ہوئے؟...... مساجد، مندر، گرجا، صلوٰات Synagogue تعمیر ہوئے؟......زمین کی تاریخ میں زمین کی سطح پر ماضی میں بنا ہوا نقشہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہاں جنات کے دور میں مصلح قوم، رشی، مُنی، اوتار، صوفی اور اس کے برعکس تخریب پسند لوگ بھی موجود رہے......

آج کل سائنسی علوم کا غلغلہ ہے......سائنسی علوم کی اصطلاحات، سائنسی علوم کے نظریات اور سائنسی علوم کی روشنی نے ہر باشعور آدمی کو اپنی طرف اس طرح متوجہ کیا ہوا ہے کہ اب ہمارے بڑے بڑے جیدّ علماء، مفکر، مقرر اور رشد و ہدایت کے دعویدار لوگ بھی مذہب اور مذہبی رموز و نکات کو سائنس سے ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں...... ہر بڑے سے بڑا عالم اس بات کی کوشش میں نادانستہ طور پر مصروف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو سائنسی علوم سے ثابت کرے...... وہ کہتا ہے کہ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چودہ سو سال پہلے کوئی بات کہی تھی تو سائنس اس کی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی الٰہی علوم کو سائنس کے تابع کرنے کی کوشش کی جارہی ہے...... یہ عجیب اتفاق یا نادانی ہے کہ میں بھی اس گروہ میں شامل رہا ہوں......

سائنس کی ہر ایجاد، سائنس کا ہر علم، سائنس کا ہر نظریہ بہرحال انسانی دماغ کی اختراع، انسانی دماغ کی ایجاد یا انسانی دماغ کی کوشش ہے......جس کوشش میں کسی نہ کسی طرح انسانی

حواس کا عمل دخل ہے...... ایسے حواس جو ہر لمحہ تغیر پذیر ہیں...... بدلتے رہتے ہیں......ان میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے۔

مثلاً...... زمین کی عمر کے بارے میں جب ہمیں اطلاع فراہم ہوتی ہے تو کوئی سائنٹسٹ زمین کی عمر تین ارب سال بتاتا ہے۔ دوسرا سائنٹسٹ زمین کی عمر کا اندازہ کروڑوں سال میں لگاتا ہے، تیسرا سائنٹسٹ زمین کی عمر لاکھوں سال پر محیط دیکھتا ہے اور چوتھا سائنسدان بتاتا ہے کہ زمین سترہ یا اٹھارہ مرتبہ تباہ ہوکر وجود میں آئی ہے......اس تباہی کے بارے میں کوئی سائنٹسٹ پانچ ہزار سال متعین کرتا ہے اور کوئی سائنٹسٹ زمین کی عمر دس ہزار سال بتاتا ہے......

انسان کی تخلیق کے پہلے مرحلے میں فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ آدم زمین پر فساد برپا کردے گا......خون ریزی اور قتل وگارت گری زمین کو خون سے گل رنگ کردے گی......آہ بکا کی آوازیں چوپایوں، پرندوں اور سننے والی ہر مخلوق کے ہر فرد کو بہرا کردے گی......سماعت ختم ہوجائے گی......آنکھیں پتھر بن جائیں گی اور زمین پر فساد ختم نہیں ہوگا......آج کے دور میں جب ہم ایٹمی بھٹیوں کو سلگتا ہوا دیکھتے ہیں اور زمین پر آہ و بکا کی آوازیں آسمان سے ٹکراتی ہیں، غم واندوہ کی لہریں فضاؤں کو رُلاتی ہیں تو فرشتوں کا یہ کہنا کہ آدم زمین میں فساد کرے گا......تصدیق کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے......

زمین کی کہانی کچھ اس طرح بیان کی جاسکتی ہے کہ زمین کے مالک وخالق نے عناصر سے زمین کو بنایا......ان عناصر میں تخریب اور تعمیر، دونوں طرح کے عناصر موجود ہیں......زمین پر آتش فشاں بھی ہیں زمین پر اور لہلہاتی کھیتیاں اور ایک پیر پر کھڑے ہوئے ہرے بھرے درخت بھی ہیں......

جنات کے بارے میں ہمارے پاس کوئی تاریخی شواہد نہیں ہے...... البتہ آدم کی تاریخ History ہمارے پاس موجود ہے...... یہ الگ بات ہے کہ ہم تاریخ Date کا تعین کرنے میں بالکل بے بس اور مجبور ہیں......

قتل وگارت گری، اقتدار اور حکمرانی کی خواہش، بے پناہ طاقت کا مظاہرہ، چشمِ زدن میں لاکھوں انسانوں کی موت اور خودغرضی...... زر پرستی، بے رحمی اور درندگی نے زمین کو پھر نزع کے عالم میں مبتلا کردیا ہے......

اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق انسان کو تعمیر اور تخریب دونوں صلاحیتیں دی گئی ہیں...... نامعلوم تاریخ کے ادوار گزرنے کے باوجود انسان کو اللہ تعالیٰ نے تعمیر اور تخریب کی جو صلاحیتیں عطا کی ہیں، سائنسدانوں کے بقول ان کا وہ پانچ فیصد علم حاصل کرسکا ہے۔ پانچ فیصد کوئی یقینی اعداد و شمار نہیں ہیں......دوسرے لاکھوں قیاسات کی طرح یہ بھی ایک قیاس ہے......انسانی دماغ میں دو کھرب سیلز کام کرتے ہیں......ان دو کھرب سیلز کا پانچ فیصد لاکھوں کروڑوں سالوں میں متحرک ہونا......یہ بجائے خود انسانی بے بضاعتی کا ثبوت ہے......

آج سائنس کا جو شور ہے...... سائنسی ایجادات کا ہجوم ہے......سائنسی اختراعات کا جو پھیلاؤ ہے...... وہ قیاس کے پانچ فیصد سیلز کے چارج ہونے پر منحصر ہے...... جیسے جیسے سائنسی ایجادات ہورہی ہیں......جن کو نوعِ انسانی آسائش، آرام اور سکون کا ذریعہ سمجھتی ہے......اس کے پیچھے پیچھے، اسکے ساتھ ساتھ اور اسکے ہمرکاب آرام کی نسبت بے آرامی بھی ہے......راحت کی نسبت تکلیف زیادہ ہے......سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سکون نہیں ہے...... ہر آدمی بے سکون ہے، بے چین ہے، مضطرب ہے، پریشان ہے اور بیمار ہے......

اب سے دو سو سال پہلے چھوٹے سے چھوٹے یا بڑے سے بڑے گھر کے بجٹ میں مستقل طور پر بیماریوں کے سدِّ باب کیلئے دواؤں کا کوئی بجٹ نہیں ہوتا تھا......سائنسی ترقی سے پہلے گردوں کو دھونے کیلئے Dialysis کی مشینیں نہیں ہوتی تھیں...... بلاشبہ دل کی پیوند کاری، قلب کی آرٹریز کے اتنے آپریشن نہیں ہوتے تھے......آپٹکلز سینٹر یا چشموں کی دکانیں بازار میں اتنی نظر نہیں آتی تھیں......گھر کی الماریوں اور میزوں پر کیمسٹ کی دکان کا تصور نہیں اُبھرتا تھا...... معاشرے میں اتنے زیادہ بہرے Deaf نہیں ہوتے تھے......

ہمارا منشاء ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم سائنسی ترقی و ایجادات کی نفی کرکے لوگوں کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ سائنسی علوم نہ سیکھے جائیں......

ایسی کوئی بات نہیں!......

ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم میں اتنا اضافہ ہونے کے باوجود انسان بے سکون اور پریشان کیوں ہے!......

ڈپریشن میں کیوں مبتلا ہے؟......

دنیا کا کوئی فرد اس بات کی تکذیب نہیں کرسکتا کہ لاسلکی نظام کے تحت اللہ کی مخلوق کو ایک

دوسرے سے قریب کر دینا اچھی بات ہے...... پوری دنیا کو ایک کمرے میں سمیٹ کر رکھ دینا یقیناً اچھی بات ہے ...... بیماریوں کے تدارک یا حفظانِ صحت کے اصولوں کو وضع کر کے انسان کیلئے صحت بخش ماحول میسر کرنا عظیم خدمت ہے ...... بلاشبہ یہ سب نوعِ انسانی کیلئے اچھے اور اعلیٰ دماغ لوگوں کا تحفہ ہے...... لیکن سوال یہ ہے...... یہ سب کچھ ہونے کے باوجود انسان کی اخلاقی حالت تباہ کیوں ہو رہی ہے؟...... وہ ڈپریشن میں کیوں مبتلا ہے؟...... اس کا سیدھا اور آسان جواب یہ ہے کہ انسان نے عارضی دنیا کی عارضی آسائش و آرام اور فانی دنیا کے فانی اسباب و وسائل کو زندگی کا مقصد بنالیا ہے......

یہ کون نہیں جانتا کہ جو اس دنیا میں آتا ہے...... کل من علیھا فان ...... کے مصداق اُسے اس دنیا سے جانا ہے! ...... یہ بات کوئی معمہ نہیں ہے! ...... یہ ایسی بات ہے جو آدم و حوا سے لیکر اب تک ہر انسان کے مشاہدے میں ہے...... جو پیدا ہوتا ہے...... وہ بالآخر سب کچھ چھوڑ کر اپنی منشاء و مرضی کے بغیر اس دنیا سے چلا جاتا ہے......

ہم سنتے ہیں!...... کہ دادا کے پاس کئی گاؤں زمین تھی......

بیل گاڑیاں، گھوڑے، بگھیاں، محل نما گھر تھا...... مجھے یہ سوچنا ہے کہ میرے پاس کیا ہے؟......

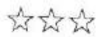
اور اگر میرے پاس کچھ ہے تو میرے دادا اپنے ساتھ کیا لے گئے؟......

اس کے باوجود کہ انسان کے پاس اسباب و وسائل کے انبار ہیں اور آرام و آسائش کی ہر شئے مہیا ہے......

آدمی پریشان کیوں ہے......

پہلی بات یہ ہے کہ انسان نے عارضی اشیاء کو، فانی زندگی کو اور مسافرت کے سفر کو زندگی کا مقصد بنالیا ہے!...... جبکہ زندگی کا مقصد مسافرت نہیں...... منزل ہوتی ہے...... جس ہوٹل میں، جس سرائے میں، جس جھونپڑی میں، جس بنگلے میں یا جس محل میں...... میں رہتا ہوں...... اور وہ محل، وہ مقام میں چھوڑنے پر مجبور ہوں ...... وہ میری منزل نہیں ہوگی ...... میری منزل نہیں ہے!...... میں خود فریبی میں مبتلا ہوں...... میں ایک مسافر ہوں...... سفر میں ہوں...... کبھی جھونپڑی میں رہتا ہوں...... کبھی چار دیواری میں رہتا ہوں...... کبھی محل میں رہتا ہوں اور کبھی دھوپ میں چلتا پھرتا ہوں...... اگر انسان کو مقصد کا تعین ہو جائے...... تو وہ منزل رسیدہ ہے...... منزل کا تعین

نہیں تو وہ ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح سفر میں ہی رہے گا...... سوال یہ ہے کہ مقصد کا تعین کیا ہے؟...... کیسے پتہ چلے کہ ہم مقصد کو کیسے حاصل کریں؟...... اور مقصدیت کا حصول ہمارے لئے کس طرح ممکن ہے؟......



عزیز دوستو!......

آپ سب میرے دل کا سرور ہیں...... میری بجھتی ہوئی آنکھوں کا نور ہیں......

آپ سب میرے بچے ہیں......

مقصد کا تعین یہ ہے کہ آپ خود بخود نہیں بن گئے...... آپ کو کسی نے تخلیق کیا ہے...... آپ سوچتے ہیں کہ ہمیں ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے...... کوئی آپ سے پوچھے کہ ماں باپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟...... آپ سیڑھی بہ سیڑھی آدم و حوا تک دلیل پیش کریں گے...... لیکن یہ بات اپنی جگہ قائم ہے کہ آدم و حوا کو کسی نے پیدا کیا ہے؟......

انسانی شعور کی مجبوری ہے کہ وہ اس بات کا اعتراف کرے کہ ایک واحد خالق ہے!......

ایک واحد خالق ہستی اللہ ہے...... جس نے ہمیں پیدا کیا ہے...... اس دنیا میں بھیجا ہے...... اس دنیا میں رہنے کے لئے اسباب و وسائل مفت عطا کئے ہیں اور اس دنیا میں ہمیں مستقل سکونت کے لئے نہیں بھیجا...... ہر اس تخلیق نے جو اس دنیا میں پیدا ہوئی ہے اسے یہاں سے جانا ہے......

اس رحیم و کریم ہستی نے اس دنیا میں رہنے کیلئے ہمارے لئے قواعد وضوابط بنائے ہیں......

ان قواعد وضوابط میں وسائل کا استعمال بھی ہے اور آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنا بھی ہے...... قواعد وضوابط میں بہت ساری باتیں ہیں جن کو بیان کرنے کے لئے یہ صفحات بھی کافی نہیں ہیں......

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

”جو لوگ غصہ پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے......“

(سورۃ آل عمران۔ آیت 134)

یعنی جو لوگ غصہ کرتے ہیں وہ اپنے کنبہ، برادری اور قوم کے محسن نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے......

پیارے بچو!......

عزیز دوستو!......

محترم بزرگو!......

تیس سیکنڈ کیلئے آنکھیں بند کرلیں...... اپنی صورت تصور میں لائیں...... کیا آپ خوش ہیں؟...... نرم دل ہیں؟...... آنکھوں میں شفقت ہے؟...... آواز میں نرمی ہے؟...... دیکھیں آپ کی صورت آپ کو کیسی نظر آتی ہے؟...... دھیرے دھیرے...... آہستہ آہستہ...... پلکیں اُٹھائیں...... آنکھیں کھول دیں...... دوبارہ آنکھیں بند کرلیں...... اب تصور کریں کہ آپ کے دماغ میں جذبات کا ہجوم ہے...... آنکھیں سرخ ہیں...... چہرے پر تناؤ ہے...... آواز میں کرختگی ہے...... لہجے میں نفرت ہے......

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ غصے میں ہیں!......

اب پھر آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیجئے...... یہ جو آپ نے تصور میں اپنی دو صورتیں دیکھی ہیں ان کو کاغذ پر اُتار لیجئے...... اور دیکھئے یہ دونوں چہرے آپ کے ہیں......

ان دونوں میں سے کون سا چہرہ آپ کو اچھا لگتا ہے؟......

غصے والا چہرہ؟...... یا دوسروں سے پیار کرنے والا چہرہ!......

☆☆☆

میرے دوستو!......

آپ نے کوے کی آواز سنی ہے...... اور آپ کوئل کی کوک سے بھی آشنا ہیں...... ان دونوں آوازوں میں کیا فرق ہے؟...... ان دونوں آوازوں میں یہ فرق ہے کہ کوے کی آواز میں کرختگی ہے اور کوئل کی کوک میں توازن ہے...... ردھم ہے...... نرمی اور لطافت ہے......

ہوا کی بہت ساری قسمیں ہیں...... ہوا خشک ہوتی ہے...... لطیف ہوتی ہے...... بھاری ہوتی ہے...... اور ہوا بادِ بہار بھی ہوتی ہے...... ہوا طوفانی بھی ہوتی ہے......

قدرت کا اپنا ایک نظام System ہے...... اس سسٹم کے دو پہلو یا دو رُخ ہیں...... ہر چیز میں ایک رُخ ظاہر ہے اور دوسرا رخ اس ظاہر کی Base یا بنیاد ہے...... جس پر ظاہری رُخ متحرک ہے...... جب تک Base سے واقفیت حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک ظاہر کے بارے میں انسان کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرسکتا...... Base سے واقفیت کو روحانیت میں مشاہدہ کہتے ہیں......

اللہ تعالیٰ نے مشاہداتی یقین کی تسکین کیلئے آسمانوں اور زمین میں پورے پورے مواقع فراہم کیے ہیں......

چلئے!......

سمندر کے کنارے Sea Side چلتے ہیں......

سطح سمندر پر موجیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر بغیر توقف کے سفر کررہی ہیں...... ان موجوں میں اتار چڑھاؤ یعنی مدوجزر دونوں ہیں...... ان موجوں کے اتار چڑھاؤ میں ہوا کا عمل دخل ہے...... ہوا...... اعتدال کے ساتھ ہوتی ہے تو لہروں میں اعتدال ہوتا ہے...... ہوا...... زیادہ ہوجاتی ہے تو لہروں کی اُچھل کود بڑھ جاتی ہے...... ہوا کی قوت جب زیادہ ہوجاتی ہے تو سمندر میں طغیانی آجاتی ہے اور موجوں کی آواز اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ آس پاس کی آوازیں اس آواز میں گم ہوجاتی ہیں...... سطح پر آکر جب آواز کی لہریں ٹوٹ کر بکھرتی ہیں تو ہماری سماعت میں یہ لہریں اس طرح داخل ہوجاتی ہیں کہ ہم ان آوازوں میں کھوجاتے ہیں......

اب آپ کسی جنگل میں چلے جائیں...... اگر آپ کے پاس فطرت پر یقین کرنے کیلئے جنگل میں جانے کا وقت نہیں ہے تو مراقبہ میں جنگل کا تصور کریں...... وہاں آپ کو خاموشی اور سناٹا محسوس ہوگا...... کبھی کبھی پتوں کی سرسراہٹ آپ کی سماعت سے ٹکرائے گی اور آپ کو ہوا میں ٹھنڈک کا بھی احساس ہوگا...... ہوسکتا ہے کہ ہوا تیز ہوجائے...... جب ہوا کی قوت بڑھ جائے گی تو درخت کی شاخوں پر لگے ہوئے پتے ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے...... اس آواز میں دہشت اور خوف ہوسکتا ہے؟...... کیوں؟...... اس لیے کہ ہوا کے اندر جو توازن اور اعتدال ہونا چاہیئے ہوا میں وہ توازن اور اعتدال نہیں رہا......

مراقبہ ختم ہوا......

ڈائری میں نوٹ کیجئے کہ متوازن ہوا اور غیر متوازن ہوا کے تاثرات کیا ہیں......

فانی دنیا کی فانی مصروفیات سے تھوڑا وقت نکالئے...... اب وقت نہیں نکالیں گے تو پھر آپ کو کبھی وقت نہیں ملے گا...... اس لئے کہ وقت گزرنے کے بعد کبھی واپس نہیں آتا......

بیابان یا ریگستان میں جائیے...... وہاں آپ کو چٹیل میدان ملیں گے اور ریگستان میں ریت کے خوبصورت ٹیلے اور خوبصورت نقش و نگار دیکھ کر آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی صناعی سے بھر جائے گا......

ریگستان میں بھی ہوائیں چلتی ہیں...... ہوا میں توازن ہوتا ہے...... ہوا کی طاقت میں جب اضطراب نہیں ہوتا تو یہ ہوا جسم کے بارہ کھرب مسامات سے گزر کر آپ کو فرحت بخش زندگی کا احساس دیتی ہے...... آپ اپنے اندر انرجی اور توانائی کا آبشار کی طرح بہاؤ محسوس کرتے ہیں...... آپ کا انگ انگ خوشی، بے فکری، آزاد خیالی کی لطافت سے معمور ہو جاتا ہے......

ابھی آپ ریگستان میں ہیں...... ہوا میں جوش آجائے، تیزی آجائے اور یہ تیزی طوفانی شکل اختیار کر لے تو ریت کے بڑے بڑے تودے دیکھتے ہی دیکھتے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے...... کیوں منتقل ہو جائیں گے؟...... اس لئے منتقل ہو جائیں گے کہ ہوا کی تیزی نے ان بڑے بڑے تودوں کو ذرات کی شکل میں توڑ کر، بکھیر کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینک دیا ہے...... جب ہوا کی یہ طوفان خیزی اور بڑھ جائے گی تو یہی ہوا چنگھاڑ بن جائے گی...... ایسی چنگھاڑ!...... جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کے قصے میں بیان کیا ہے...... چنگھاڑ ایسی آواز کو کہتے ہیں جو انفرادی شعور کی سکت سے اتنی زیادہ ہے کہ شعور اسے برداشت نہیں کر سکتا...... چنگھاڑ ایسی لہروں کا مجموعہ ہے جو زندگی میں کام کرنے والی لہروں کو درہم برہم کر دیتی ہے...... شعور بکھر جاتا ہے...... حواس گنگ ہو جاتے ہیں...... آدمی زمین پر سے غائب ہو جاتا ہے......

اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا لہری نظام ٹوٹ جاتا ہے تو زندگی موت میں تبدیل ہو جاتی ہے...... سسٹم کا ٹوٹنا حواس کا بکھرنا ہے...... حواس کا دباؤ سسٹم توڑنے کی طرف پہلا قدم ہے......

جب انسان غصہ کرتا ہے تو اس کے نظام زندگی میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے...... دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے...... شریانوں اور وریدوں میں خون کا بہاؤ تیز ہونے کی وجہ سے ان کے اندر بہاؤ کو متوازن رکھنے کی استطاعت کم سے کم ہو جاتی ہے اور انسان کی زندگی میں جو کیلوریز کام کرتی ہیں وہ اتنی زیادہ سوخت ہو جاتی ہیں کہ زندگی دشوار بن جاتی ہے......

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت کرتے ہیں...... اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو محبت کیساتھ تخلیق کیا ہے...... اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو زندگی گزارنے کیلئے بھرپور مفت وسائل عطا کئے ہیں...... اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے خوش رہیں...... خوب کھائیں پئیں...... عیش و آرام کے ساتھ رہیں...... ایک دوسرے سے ہمدردی کریں...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ساری کائنات میرا کنبہ ہے...... جب کوئی انسان غصہ کرتا ہے، چونکہ اسکی زندگی میں ترتیب اور توازن نہیں رہتا تو زندگی کی معین مقداریں درہم برہم ہو جاتی ہیں...... زندگی کی معین مقداریں جب درہم برہم ہو جاتی ہیں تو

انسان بے سکون ہو جاتا ہے...... ڈپریشن میں چلا جاتا ہے...... وہ بھول جاتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کیلئے پیدا نہیں کیا......

دنیا انسان کیلئے پیدا کی ہے!......

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط میں ایک ضابطہ "غصہ نہ کرو"...... ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی...... ناجائز اقتدار کی خواہش سے آزاد ہو جاؤ...... میٹھے بول بولو...... سب کچھ دینے والے اور سب کچھ لینے والے اللہ کے رابطے میں رہو...... جب تم اللہ کے رابطے میں آجاؤ گے...... اس حقیقت کو تسلیم کر لو گے کہ ہمیں اللہ نے بنایا ہے...... زندگی اللہ نے دی ہے...... ہماری ساری محنت اور جدوجہد اس وقت کام آتی ہے جب اس محنت اور جدوجہد کے حصول کیلئے وسائل موجود ہوں...... زمین موجود ہو...... کارخانے موجود ہوں...... کیا کارخانے مشینوں کے بغیر چل سکتے ہیں؟...... کیا مشینیں لوہے کے بغیر بن سکتی ہیں؟......

میرے دوستو!......

لوہا کس نے بنایا؟...... زمین کس نے بنائی؟...... لوہے کو بھٹیوں میں پگھلا کر مشینیں بنانے کی صلاحیتیں کس نے دی؟...... دماغ کس نے بنائے؟...... اس کا ایک ہی جواب ہے "اللہ تعالیٰ نے"......

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے......

اور ہم نے لوہا یعنی دھاتیں بنائیں ان میں انسانوں کیلئے بے شمار فائدے ہیں...... ہم نے زمین کو انسانوں کیلئے بچھونا بنایا...... ہم نے انسانوں کیلئے سورج بنائے...... چاند بنائے...... آسمانوں پر ستاروں کی قندیلیں روشن کیں...... ہم نے انسانوں کیلئے مفت ہوا فراہم کی...... ہم نے انسانوں پر پانی کا کوئی ٹیکس نہیں لگایا...... جب انسان کسی قابل نہیں تھا، کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا...... اس وقت ہم نے باپ کے دل میں شفقت ڈالی اور ماں کے دل کو ممتا سے بھر دیا...... پھر انسان کو شعور عطا کیا...... اسے علوم سکھائے...... اس کیلئے محنت مزدوری کے ذرائع فراہم کیے...... مسافر کیلئے سرائے بنائی تاکہ دنیا میں آنے کے بعد آخرت کی منزل کو پانے کے سفر میں اسے آرام ملے...... آرام کے ساتھ وہ سفر کرتا ہوا ہماری آغوش میں واپس آجائے......

اضطراب، بے چینی، پریشانی اور ڈپریشن کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم عارضی دنیا میں، عارضی ترقی کی چکاچوند میں یہ بھول گئے ہیں کہ ہم مسافر ہیں، ہماری منزل دنیا نہیں ہے...... ہماری منزل اللہ ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹ جائیں گے۔''

(سورۃ آلِ عمران۔ آیت 109)

قناعت اور اضطراب

دنیا کے نقشے کے بارے میں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ دنیا گول ہے!......

لاشعوری بیلٹ پر چلنے والے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا پپیتے کی شکل کی ہے!......

ہمیں معلوم ہے کہ دنیا محوری اور طولانی گردش میں چل رہی ہے!......

ہر زمانے میں زمین پر دو قسم کے انسان موجود رہے ہیں، ایک قسم کے لوگ دنیا میں جی لگانے کو مقصدِ حیات سمجھتے ہیں...... دوسری قسم کے لوگ دنیا کی ہر چیز سے استفادہ کرتے ہیں لیکن دنیا میں دل نہیں لگاتے...... وہ کہتے ہیں...... چونکہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے تو فانی چیز میں دل لگانا خلافِ عقل و شعور ہے......

زمین پر بسنے والے سارے انسان پرسکون زندگی گزارنا چاہتے ہیں...... سکون کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ انسان خوش رہے...... شک اور وسوسوں سے آزاد رہ کر زندگی گزارے...... سکون آشنا زندگی گزارنے کی خواہش ہر گروہ کے ہر فرد کو ہے!......

جو فرد بھی خوش نہیں ہے، وہ خوشی کی تلاش میں سرگرداں ہے......

ہر آدمی کی یہ تمنا ہے ہوتی ہے کہ اس کا کوئی دوست ہو...... دوست ایک بھی ہوتا ہے اور کئی دوست بھی ہو سکتے ہیں......

بڑے لوگ کہتے ہیں آدمی Social Animal ہے!......

یعنی آدمی جانور تو ہے لیکن Social ہے!...... Social کا مطلب یہ ہے کہ آدمی آدمیوں کے ساتھ میل جول رکھے...... اپنے جذبات و احساسات میں دوسروں کے جذبات و احساسات شامل کرے...... خوشی غمی میں شریک ہو......

دوستی کی پرکھ یہ ہے کہ دوست دوست کے کام آئے اور دوست کے اچھے برے معاملات کو دوست کے ساتھ مل کر سلجھائے......

ہم اس مجلس میں دو کرداروں کا تذکرہ کر رہے ہیں......

ایک کا نام قناعت!...... اور دوسرے کا نام اضطراب ہے......

دونوں ایک دن، ایک ساعت۔ چند سیکنڈوں کے وقفہ سے پیدا ہوئے......دونوں نے ماں کا دودھ پیا......دونوں ماں کی گود میں ہنستے کھیلتے، کلکاریاں بھرتے رہے......دونوں گھروں میں عزیز رشتہ دار موجود تھے۔

گھر میں صحن، برآمدہ، کمرے، کچن تھے......دونوں بچوں نے وہی کھانا کھایا جو سب لوگ کھاتے ہیں......وہی پانی پیا جو سب پیتے ہیں......اس کے باوجود دونوں کے مزاج اور طبیعت میں فرق تھا......

ایک گھر میں آسائش و آرام کی ہر چیز مہیا تھی......اور دوسرے گھر میں ضروریات زندگی پوری کرنے کیلئے چیزیں کم تھیں۔

ایک گھر بڑا تھا......دوسرا اس سے قدرے چھوٹا تھا......چھوٹے گھر میں صفائی زیادہ تھی......گھاس کے لان، درخت، پھول اور پودے تھے......

چونکہ دونوں کردار ایک محلے میں رہتے تھے اس لئے دونوں نے ایک ہی اسکول میں تعلیم حاصل کی......دونوں پڑھ لکھ کر فارغ ہوئے اور معاش کے کاموں میں مصروف ہو گئے......جیسے کہ زمانے میں ہوتا ہے ایک کی آمدنی بہت تھی اور دوسرے کی آمدنی کم!......

دونوں کی شادی ہو گئی......اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے بھی نوازا......ایک کا مزاج خالصتاً دنیا میں تھا اور دوسرے کے مزاج میں قناعت تھی......یہ دونوں کردار ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہے......دونوں نے اپنے نقطۂ نظر سے دنیا کو دیکھا اور اس سے استفادہ کیا......

جس کردار کا نام اضطراب ہے......اس نے اپنی زندگی گزارنے کیلئے اپنے اردگرد ایک محل تیار کیا......اس محل میں تصوراتی طور پر منقش اور مزین دیواروں سے کمرے بنائے......ہر چیز اعلیٰ درجے کی پسند کی......اور اپنے لئے ایک Status کا تعین کیا......شب و روز محنت سے اس نے یہ چیزیں حاصل کرلیں لیکن ان تمام چیزوں کے حصول کے بعد اس کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا......سب سے پہلے اسے یہ غم لگا کہ اگر میرے پاس دولت نہیں رہے گی تو معاشرے میں میری عزت ختم ہو جائے گی......اور یہ خوف لاحق ہوا کہ لوگ مجھے Kidnap کرلیں گے اور تاوان کا مطالبہ کریں گے......

دنیا میں نمایاں مقام حاصل کرنے کیلئے اس نے زیادہ سے زیادہ معیار زندگی بڑھانے کو اہمیت دی......بینکوں سے قرض لیا......دوستوں کے ساتھ ہیر پھیر کیا......اور کروڑوں روپے کے

مایا جال میں گرفتار ہو گیا......جب کوئی بندہ گرفتار ہو جاتا ہے تو وہ دراصل وہ جذباتی، شعوری اور محسوساتی طور پر محدود ہو جاتا ہے......اور یہ محدودیت اسے اپنوں سے بھی بیگانہ کر دیتی ہے۔

اضطراب بھائی کے ذہن میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا......کہ بیوی میرے کروڑوں کی جائیداد پر قبضہ کرلے گی اور مجھے زہر دے کر مار دے گی......

اس وسوسے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیوی کے ہاتھ کی پکائی ہوئی ہر شئے میں اسے اپنی موت نظر آنے لگی......موت کے خوف سے نیند اُڑ گئی، نیند کی کمی سے Stomach خراب ہو گیا......Stomach خراب ہونے سے بلڈ پریشر ہو گیا......اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی......

دوسری افتاد یہ پڑی کہ بیٹے نے جب دیکھا کہ باپ ماں پر شک کرتا ہے اور ماں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے تو بیٹے کے دل میں باپ کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی......

بیٹا چونکہ اضطرابی ذہن کی پیداوار تھا اس لیے اس نے باپ کو ایسے حالت سے دوچار کر دیا کہ باپ کیلئے دن کا چین اور رات کا آرام مفقود ہو گیا......

اضطراب بھائی سے جب میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا......میں بہت پریشان ہوں !......بیٹے نے میرا ایک کروڑ روپیہ غبن کرلیا ہے۔

میں نے بہت ہی پیار سے انہیں سمجھایا کہ آپ کے بعد سب کچھ آپ کے بیٹے کا ہی تو ہے......اگر اس نے ایک کروڑ روپیہ لے لیا ہے......اس نے کوئی بُری بات نہیں کی!......

اضطراب بھائی تقریباً روتے اور سسکتے ہوئے بولے......اب وہ مجھ سے میرے پورے سرمایہ کا مطالبہ کرتا ہے......کہتا ہے......ابا! ایک دفعہ تو چارپائی پر بیمار ہو کر لیٹ جا......میں تجھے مولانا ایدھی کے ہاں چھوڑ آؤں گا......

یہ کہہ کر اضطراب بھائی نے میرے سامنے ہاتھ بڑھایا اور کہا......کہ دیکھو مجھے کتنا بخار ہے!......

میں نے جب نبض پر انگلیاں رکھیں تو میرے اندازے کے مطابق ان کو ایک سو تین یا ایک سو چار بخار تھا......انہوں نے کہا......کہ میں ڈرائیور کے ساتھ صبح سے سڑکوں پر پھر رہا ہوں......گھر جا کر چارپائی پر اسلئے نہیں لیٹتا کہ میرا بیٹا مجھے ضرور مولانا ایدھی کے یہاں چھوڑ آئے گا......

دوسرے کردار قناعت بھائی کا حال احوال یہ ہے کہ انہوں نے اخلاقی تقاضے پورے کرکے محنت مزدوری کی، گھر بنایا پھر شادی کی اور اولاد کے فرائض سے سبکدوش ہو گئے......

چونکہ ان کے ذہن میں دنیا ایک مسافر خانے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی، اسلئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کر کے مقصدِ حیات تلاش کیا......

مقصدِ حیات میں اس بات کی نشاندہی ہوئی کہ سکون انسان کی زندگی کا حاصل ہے...... اور سکون حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ دنیا کو فانی سمجھا جائے...... جیسا کہ دنیا کی ہر شے فانی ہے......

قناعت بھائی کو تلاش ہوئی کہ ایسا بندہ مل جائے جو سکون سے واقف ہو...... اور خود بھی پُر سکون ہو...... اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں۔

مسلسل تلاش، جدوجہد اور کوشش سے قناعت بھائی ایک ایسا استاد تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جو سکون کو جانتا تھا کہ فی الواقع سکون اور خوشی کیا ہے!......

سکون آشنا استاد نے پہلا درس یہ دیا کہ اپنی زندگی میں وہ لمحات تلاش کرو جن لمحات میں تم پر سکون رہ چکے ہو...... اس زمانے کا کھوج لگاؤ جس میں تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں تھا...... اس دور کو ڈھونڈو جس دور میں تم اس بات سے واقف ہی نہیں تھے کہ غم کیا ہے!......

اور یہ دور تمہاری پیدائش کے دن سے بارہ سال کی عمر تک کا دور ہے!......

سکون آشنا استاد نے اپنے طالب علم کی دستگیری کی...... کہ جب تم پہلے دن کے بچے تھے تو تمہاری حیثیت دنیا کی پوری آبادی سے منفرد تھی...... تم واحد شخصیت تھے جسے نہ خوف تھا اور نہ غم!......

بقول ماہرین شماریات اس وقت دنیا کی آبادی چھ ارب انسانوں سے زیادہ ہے...... ان چھ ارب انسانوں میں بارہ سال کی عمر کے بچوں کے بعد تقریباً ہر انسان بے چین، مضطرب اور پریشان ہے......

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بارہ سال کی عمر کے بعد ہر انسان اربوں انسانوں کی یلغار میں ہے...... یعنی اربوں انسانوں کی بے سکونی اور پریشانی ہر آدمی کا ورثہ بن گیا ہے...... ہر انسان شکوک وشبہات، بے یقینی کے گرداب میں ہے......

قناعت بھائی سکون آشنا استاد کے سچے پکّے اسٹوڈنٹ تھے...... انہوں نے استاد کی رہنمائی میں مستقبل کے اندیشوں کو نظر انداز کر کے ماضی کے خوشنما ماحول میں سفر کرنا شروع کر دیا......

انہوں نے معاشرے کی ان تمام باتوں سے بغاوت کر دی جو انسان کو بے سکون کرتی ہیں...... جو انسان کو مہلک امراض میں مبتلا کر دیتی ہیں...... جو انسان کو اپنی ذات سے ناآشنا کر دیتی ہیں...... جو انسان کو جھوٹی انا کے خول میں بند کر دیتی ہیں......

ایک دن!...... اچھا دن تھا...... موسم خوشگوار تھا...... ہوا خنک تھی...... آسمان پر بادل تیر رہے تھے...... لگتا تھا کہ ابھی بارش برس جائے گی......

دونوں کردار جمع ہوئے...... دونوں نے اپنی روداد سنائی...... اضطراب بھائی نے مضطرب زندگی کے واقعات سنائے جس میں بے یقینی، شک، خوف اور غم کے علاوہ کچھ نہیں تھا...... قناعت بھائی نے اپنی روداد سنائی...... جس میں ایمان تھا...... ایقان تھا...... خوشی تھی...... اور فطرت سے والہانہ اتصال تھا!......

جس جگہ ان دونوں کی ملاقات ہوئی وہ ایک پرفضا جگہ تھی...... گھاس کے مخملیں قالین تھے...... خوشنما روشیں تھیں...... گلاب کے تختے تھے...... قطار در قطار پھول صف بستہ تھے...... عجیب سماں تھا...... جہاں سکون کی لہریں انسان کے اندر اتر رہی تھیں...... رنگ رنگ پھولوں پر تتلیاں اُڑ رہی تھیں...... ہوا درخت کے پتوں میں ساز بجا رہی تھی......

اضطراب نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا اور قناعت کے دامن میں چھپ کر سکون کا سانس لیا......

قناعت نے بتایا...... یہ میرا گھر ہے...... یہاں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی جاتی ہے...... اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے...... دن کو روشنی اور رات کو نور برستا ہے......

قناعت بھائی کا ان مناظر سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب ان سے پوچھا گیا...... یہاں کتنے پھول ہیں؟...... تو انہوں نے بتایا کہ تینتالیس ہزار چار سو پچاس (43,450) پھول ہیں......

گلاب کے تختے میں پانچ رنگ کے پھول ہیں...... پانچ رنگ پھول سدابہار کے ہیں...... زہرہ کے پھول تین رنگ کے ہیں...... چائنا روز کے دو رنگ کے پھول ہیں...... بوگن بیل پانچ رنگ کے پھولوں پر مشتمل ہے...... پوٹینا فلٹر کے پھولوں کے رنگ چھ ہیں...... ڈیلیا پھول جو آپ کو سر اُٹھائے اللہ کی حمد بیان کرتے نظر آتے ہیں ان کے رنگ چوبیس ہیں...... گلاب کے بعد سب سے اعلیٰ پھول گلِ داؤدی مانا جاتا ہے، اس جگہ گلِ داؤدی کے گیارہ رنگ کے پھول ہیں...... کوسموس، گیندے، جعفری گیندے کے پھولوں کے رنگ الگ الگ بہت سارے ہیں......

یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت ہے!...... کہ پھول، لوگوں کیلئے اپنے رنگ اور خوشبو بکھیر رہے ہیں تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کے حسن کا نظارہ کریں...... اضطراب اور بے چینی کے جذبات کو پھولوں کی ان خوشبوؤں سے دھوڈالیں...... اللہ وحدہٗ لاشریک ہے جس نے انسانوں کوخوش رکھنے کیلئے بے شمار چیزیں تخلیق کی ہیں...... تخلیقی عجائبات دیکھنے اور سمجھنے کیلئے ہمارے سامنے فطرت ہے...... جب کوئی انسان فطرت سے ہم آغوش ہوجاتا ہے...... تو اس کے اندر ایک تبدیلی آتی ہے...... اور وہ تبدیلی یہ ہے کہ فانی اشیاء سے اس کا ذہن ہٹ کر باقی رہنے والی ہستی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے......

اضطراب اور قناعت دو کردار آپ نے پڑھے...... بہت کچھ آپ نے سمجھا...... بہت کچھ سوچا...... فنا اور بقا کا فلسفہ ذہن نشین ہوا...... اللہ تعالیٰ ہمیں اضطراب اور پریشانی سے محفوظ رکھے...... اور قناعت کی دولت سے ہمیں مالا مال کرے...... (آمین)

خوش کیسے رہیں؟؟؟

اللہ تعالیٰ نے آدم کی رہائش کیلئے جنت بنائی۔ جنت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہ جہاں غم، خوف، ڈر، فساد اور مشقت نہ ہو...... بے سکونی، بدصورتی، گندگی، غلاظت اور کثافت نہ ہو...... جب غم اور خوف ختم ہوجائے تو خوشی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا......

غم کا مطلب کیا ہے؟

ناخوشی......!

جنت میں نافرمانی کی بناء پر آدم کے اندر خوشی کے بجائے ناخوشی در آئی...... اللہ تعالیٰ نے کہا، اب تم یہاں سے اتر جاؤ۔ آدمؑ زمین پر آگئے...... طویل عرصے تک روتے رہے، آہ وزاری کرتے رہے......

حضرت آدمؑ کی فضیلت یہ ہے کہ انہوں نے عاجزی وانکساری سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کو رحم آگیا اور ان کی خطا معاف کردی گئی...... ساتھ ہی جنت میں دوبارہ داخلے کی خوشخبری بھی سنائی گئی......

لہٰذا فارمولہ یہ بنا کہ انسان جب تک خوش نہیں رہے گا جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوش کیسے رہیں......؟

اللہ تعالیٰ سب کو سعادت منداولاد دے...... فرض کریں اولاد نافرمان ہوجائے تو باپ کیسے خوش ہوگا؟......

ایک شخص کے پاس محل ہے دوسرا جھونپڑی میں رہتا ہے...... برسات میں جس کی چھت ٹپکتی ہے...... بتایئے! جھونپڑی والا شخص کیسے خوش رہ سکے گا......؟

ایک شخص کے پاس چالیس لاکھ کی کار ہے دوسرے کے پاس سائیکل بھی نہیں تو غریب شخص کیسے خوش ہوگا......؟

ہم ایسی چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جس میں مسرت کا پہلو نمایاں ہو...... چونکہ ہم غم زدہ اور پرمسرت زندگی گزارنے کے قانون سے ناواقف ہیں اس لئے زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ہم مسرت کی تلاش میں اکثر وبیشتر غلط سمت قدم بڑھاتے رہتے ہیں اور ناواقفیت کی بناء پر اپنے لیے ایسا راستہ منتخب کرلیتے ہیں جس میں تاریکی، بے سکونی اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا...... ایسا

اس لئے ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سا راستہ ہے جس راستے میں مسرت کی روشن قندیلیں اپنی روشنی بکھیر رہی ہیں۔ وہ کون سی فضاء ہے؟...... جس میں شبنم موتی بن جاتی ہے...... ؟ وہ کون سا ماحول ہے جو معطر اور پرسکون ہے...... ؟ وہ کون سی خوشبو ہے جس سے شعور روشن ہو جاتا ہے؟......

آیئے! اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں!......

انسان کی بنیادی ضروریات میں سب سے اہم ہوا، پانی، دھوپ، چاند کی چاندنی شامل ہیں۔ اگر انسان خود کو ہی اپنی ضروریات کا کفیل سمجھتا ہے تو اس کے پاس ایسی کون سے طاقت ہے یا ایسا کون سا علم ہے کہ وہ دھوپ کو حاصل کر سکے، پانی کو حاصل کر سکے؟ زمین کے اندر اگر پانی کے سوتے خشک ہو جائیں تو انسان کے پاس ایسا کون سا علم ہے...... ؟ طاقت ہے، عقل ہے کہ وہ زمین کے اندر پانی کی نہریں جاری کر دے؟......

یہی حال ہوا کا ہے...... ہوا اگر بند ہو جائے اللہ تعالیٰ کا نظام، وہ نظام جو ہوا کو تخلیق کرتا ہے اور ہوا کو گردش میں رکھتا ہے اس بات سے انکار کر دے کہ ہوا کو گردش نہیں دینا ہے، تو زمین پر موجود اربوں کھربوں مخلوق ایک منٹ میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ کیسی بے عقلی اور ستم ظریفی ہے کہ بنیادی ضروریات کا جب تذکرہ آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے اور جب روٹی، کپڑے اور مکان کا تذکرہ آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنا اختیار استعمال نہ کریں تو یہ چیزیں ہمیں کیسے فراہم ہوں گی؟......

ان معروضات سے منشاء یہ ہرگز نہیں کہ انسان یہ سمجھ کر کہ میں بے اختیار ہوں اور ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جائے، اس کے اعضا منجمد ہو جائیں، منشاء صرف یہ ہے کہ زندگی میں ہر عمل اور ہر حرکت کو من جانب اللہ سمجھا جائے۔

جدوجہد اور کوشش اس لیے ضروری ہے کہ اعضا منجمد نہ ہو جائیں...... آدمی اپاہج نہ ہو جائے۔ آدمی جس مناسبت سے جدوجہد کرتا ہے جس مناسبت سے عملی اقدام کرتا ہے، بے شک اسے وسائل بھی اسی مناسبت سے نصیب ہوتے ہیں...... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قانون قدرت پر اسے دسترس حاصل ہو گئی۔ قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے زمین آسمان اور زمین آسمان کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب مسخر کر دیا ہے۔ اب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تسخیر کو صرف اور صرف مادی حدود میں استعمال کیا جائے اور دوسرا احسن طریقہ یہ ہے کہ وسائل کو اس لئے استعمال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام وسائل انسان کیلئے پیدا کیے ہیں۔

بجلی کا بڑا سورس پانی ہے...... اللہ کی ایک تخلیق ہے بجلی کو محفوظ رکھنے کے لئے اور بجلی کو رواں رکھنے کے لئے تاروں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تار جس دھات سے بنتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تخلیق ہے۔ بڑی بڑی مشینری، چھوٹی چھوٹی مشینری، چھوٹے سے چھوٹا پرزہ یا بڑے سے بڑا پرزہ دھات سے بنتا ہے، یہ دھات بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا کی ترقی ایسے ممکن نہیں ہے جس میں پہلے سے موجود اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کا عمل دخل نہ ہو۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کسی تخلیق میں تفکر کرتا ہے اور تفکر کے ساتھ اس چیز کو آگے بڑھاتا ہے تو اسی ایک چیز سے ہزاروں لاکھوں چیزیں وجود میں آجاتی ہیں لیکن لوہے کے اندر باوجود اس کے ایسی صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہزاروں لاکھوں اشیاء میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ از خود دیگر اشیاء میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ لوہے کو نئی نئی چیزوں میں ڈھالنے کی صلاحیت انسان کو عطا ہوئی ہے۔

میں نے قلندر بابا اولیاءؒ سے ایک روز سوال کیا کہ سب کے ساتھ بشری تقاضے ہیں۔ کمزوریاں، مجبوریاں ہیں۔ بتایئے کہ پھر ہر شخص خوش کیسے رہ سکتا ہے؟...... تو انہوں نے مجھے تین باتیں بتائیں کہ ان تینوں کو اختیار کر کے آدمی ہمیشہ خوش رہ سکتا ہے:

قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا:

''پہلی بات یہ ہے کہ جو تمہارے پاس ہے اس کا شکر ادا کرو۔ جو تمہارے پاس نہیں ہے اس کا شکوہ نہ کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ جدوجہد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ میں کسی کی کوشش رائیگاں نہیں کرتا۔''

ان دونوں باتوں کو ملائیں تو Equation یہ بنتی ہے کہ بالفرض آپ کے پاس موٹر سائیکل ہے، کار نہیں ہے۔ آپ موٹر سائیکل پر شکر ادا کریں اور کار کے لئے جدوجہد کریں......

اس کا مطلب یہ ہوا جو چیز پاس ہے اس کا شکر ادا کرو، جو نہیں ہے اس پر شکوہ نہ کرو بلکہ اس کیلئے جدوجہد اور کوشش کرو۔

پھر فرمایا: ''تیسری بات یہ ہے کہ کسی سے توقع قائم نہ کرو۔''

پرسکون زندگی

یہ دنیا لاکھوں پریشانیوں، دکھوں اور مصیبتوں کی دنیا ہے...... جس کو ٹٹولیے وہ اندر سے ٹوٹا ہوا ہے، بکھرا ہوا ہے، سیماب بنا ہوا ہے، کسی کل چین نہیں، کروٹ کروٹ بیزار، پاش پاش دل، پرنم آنکھ اور ٹپکتے آنسو، پرشکیب پیشانی، بسورتا چہرہ، داغ داغ تن، ایمان سے خالی من...... انسان ایک ایسی اذیت میں مبتلا ہے کہ وہ نہ اذیّت سے نکلتا ہے اور نہ ہی اذیّت کو قبول کرتا ہے۔

کوئی خوش نہیں، کسی کو سکون نہیں، افراتفری کے عالم میں ہر شخص اپنی آگ میں جل رہا ہے اور دوسروں کو بھی جلانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ایک چہرے پہ ہزار چہرے بنائے انسان خود فریبی کے ایک ایسے جال میں گرفتار ہو گیا ہے کہ نہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور نہ چلنے کیلئے کوئی راستہ...... ! تعصب کے دہکتے ہوئے کوئلہ پر انسان تڑپ رہا ہے۔ منافرت نے اس کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے، مسکراہٹ، ابلیسیت میں اور اخلاص، فریب میں تبدیل ہو گیا ہے۔

بزرگ کہتے آئے ہیں کہ دنیا کانٹوں بھرا راستہ بھی ہے اور پھولوں کی سیج بھی ہے۔ یہ اپنا اپنا انتخاب ہے...... کوئی کانٹوں بھری زندگی کو گلے لگالیتا ہے اور کوئی خوشیوں بھری زندگی میں مگن رہتا ہے۔

ہر آدمی چاہے تو پرسکون اور پرمسرت زندگی اپنا سکتا ہے۔ اس کا فارمولا یہ ہے کہ:

جو چیز حاصل ہے اس کو شکر کے ساتھ استعمال کیا جائے اور جو چیز حاصل نہیں ہے اسکے حصول کیلئے تدبیر کی جائے۔

شکر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استعمال کیا جائے اور صبر یہ ہے کہ بندہ راضی بہ رضا رہے اور جب بندے نعمتوں کا کفران کرتے ہیں اور صبر سے خود کو آراستہ نہیں کرتے تو ان کے دلوں میں دنیا کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے یہ دنیا عارضی اور فانی ہے...... خدا نہیں چاہتا کہ عارضی اور فنا ہو جانیوالی دنیا کو مقصد زندگی قرار دے دیا جائے۔ خدا چاہتا ہے کہ انسان سکون کے گہوارے میں ابدی زندگی تلاش کرے اور دنیا کے تمام ساز و سامان اور وسائل کو راستے کا گرد و غبار سمجھے۔

اگر تم سعادت مند ہو تو شر سے بچتے رہو کہ اللہ تعالیٰ شر سے بچنے والوں پر ہمیشہ رحم کرتا ہے۔

رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو اور بے جا دولت خرچ نہ کرو کہ دولت اُڑانے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا باغی ہے۔

اگر تم تہی دست ہو اور کچھ نہیں دے سکتے لیکن خدا سے رحمت کی امید ضرور رکھتے ہو تو ان لوگوں کو نرمی سے ٹال دو۔ تم نہ کنجوس بنو اور نہ اتنے فضول خرچ کہ کل نادم ہونا پڑے اور لوگ تمہیں طعنے دیں۔

وعدوں کو پورا کرو کہ وعدوں کے متعلق بازپرس کی جائے گی۔ جب ناپو پورا ناپو، پورے اور صحیح ترازو سے تولو۔ یہ خیر ہے اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ کسی ایسی خبر کے پیچھے مت چل پڑا کرو جس کے بارے میں تم کو یقینی علم نہ ہو۔ اس لئے کہ کان، آنکھ اور دل! سب کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔ زمین پر اکڑ کر مت چلو کہ تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ بلندی میں پہاڑوں کے برابر ہو سکتے ہو۔ یہ وہ حرکات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ سخی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود چاہتے ہیں کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے دسترخوان سے خوش ہو کر کھائے پیئے۔ ہر بیج ہر گٹھلی کے اندر ازل تا ابد اپنی نوع اپنے خاندان کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چاند، سورج، ستارے، زمین انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ چونکہ کائنات ایک کنبہ ہے اس لئے سورج کو جب ہم دیکھتے ہیں وہ ہمیں اجنبی نہیں لگتا اور سورج بھی ہمیں اپنے کنبے کا فرد سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور اور ہوش وحواس عطا کئے ہیں۔ انسان کو آنکھیں، کان اور زبان عطا کی ہے۔ جس سے انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے اور بول سکتا ہے۔ دل عطا کیا ہے تا کہ وہ محسوس کر سکے۔ آدمی دُنیوی کاروبار میں تو مالک کی خوشامد کرتا ہے جہاں سے اسے محنت ومزدوری کے بعد معاوضہ ملتا ہے لیکن جس اللہ تعالیٰ نے انسان کو ترتیب وتسلسل کے ساتھ تمام وسائل مفت عطا کیے ہیں اس کا زبانی کلامی شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو فراہم کی ہیں اور جن کی بنیاد پر انسان زندہ ہے اور آرام وآسائش سے زندگی بسر کر رہا ہے تو انسان کا ذہن ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن جائے گا۔

تغیر

ہر انسان جو اس وقت دنیا میں ہے، آئندہ رہے گا اور دنیا میں آنے سے پہلے کہیں موجود ہے، اس کی زندگی کا دارومدار حرکت پر ہے اور یہ حرکت ایسی ماورائی حرکت کے تابع ہے...... انسان برادری جس کو خیال کے نام سے جانتی ہے۔

زندگی اور زندگی میں حرکت کو زمان اور مکان کہا جاتا ہے۔ کروڑوں سال گزر گئے ہیں لیکن زمان اور مکان کی حقیقت پر سے پردہ نہیں اُٹھ سکا۔ البتہ روحانی علوم قابل قبول تشریح پیش کرتے ہیں۔

کوئی انسان اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ مخلوق نہیں ہے جب وہ مخلوق ہے تو اس کا پیدا کرنے والا خالق بھی ہے۔

مخلوق کا ثانی ہوتا ہے۔ مخلوق وسائل کی محتاج ہے (وسائل میں والدین، خاندان اور دیگر عوامل شامل ہیں) مخلوق میں درجہ بندی ہوتی ہے، مخلوق میں مختلف شباہتیں ہوتی ہیں، مخلوق بدصورتی یا خوبصورتی کا عکس ہوتی ہے۔ مخلوق بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ مخلوق کا مطلب ہی تغیر ہے۔

تغیر کیا ہے؟...... تغیر وہ قدریں ہیں جو مخلوق کو پابند رکھتی ہیں۔ ہر آن اور ہر لمحہ تبدیلی اس بات کا ثبوت ہے کہ تغیر اور تبدیلی کے پیچھے کوئی طاقت ہے جس میں تغیر اور تبدیلی نہیں ہے۔

ایک آدمی پشاور سے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے عرس مبارک کی مرکزی تقریب میں شرکت کے لئے کراچی مرکزی مراقبہ ہال آتا ہے۔ پشاور سے کراچی تک آنے میں اسے دو حالتوں سے گزرنا پڑا۔ ایک حالت یہ ہے کہ وہ پیدل چل رہا ہے دوسری حالت یہ ہے کہ وہ راستے پر چل رہا ہے۔ راستہ اور راستے میں چلنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ پشاور سے کراچی کے لئے روانہ ہوا۔ جو آدمی روانہ ہوا وہ مسافر ہے۔ پشاور سے کراچی تک آنے کے لئے مسافر نے میلوں میل سفر کیا۔ پشاور سے کراچی کا فاصلہ 1685 کلومیٹر ہے۔ چلنے والے مسافر میں تغیر ہو رہا ہے۔ راستہ میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ مسافر اگر روزانہ آٹھ گھنٹے پیدل چلے تو 44 دن میں کراچی پہنچے گا۔

ہر انسان کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ پیدائش کے بعد ہر دوسرے منٹ میں تغیر ہو جاتا

ہے۔یہی تغیر اسے گہوارے میں سے نکال کر زمین پر گھٹنوں کے بل چلاتا ہے......اس ہی تغیر سے وہ سہارے کے بغیر......چل پڑتا ہے اور تغیر ہی اسے جوان کر کے بوڑھا کر دیتا ہے۔لیکن آج کے دن پیدا ہونیوالا بچہ جس بساط پر ۸۰ سال کا بوڑھا ہو گیا ہے وہ زمانہ غیر متغیر ہے۔

بڑھنے اور گھٹنے کے عمل میں بڑھنا اور گھٹنا حرکت ہے۔حرکت کے دو رُخ ہیں۔ایک رُخ میں تغیر نہیں ہے اور دوسرے رُخ میں تغیر ہے۔جہاں تغیر ہے۔مکان ہے اور جہاں تغیر نہیں ہے۔ زمان ہے۔

زمان اگر سمجھ میں آجائے تو مخلوقیت کی قدریں بھی منکشف ہو جاتی ہیں۔

مسافر مکان ہے اور راستہ زمان ہے۔مسافر یعنی مکان راستے کے بغیر خود کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔مسافر راستے سے کتنا ہی غافل رہے کتنا ہی راستے سے لاتعلق ہو جائے......مسافر اور راستے میں اکائی سے بھی کم فاصلہ ہو، تب بھی مسافر راستے سے رشتہ منقطع نہیں کرسکتا۔راستہ مسافر کی تخلیق نہیں ہے۔مسافر راستہ کی تخلیق ہے۔مسافر کی حرکات وسکنات، کردار، زندگی کی تمام طرزیں زمانیت کی حدود سے باہر نہیں جاسکتیں۔وہ ہر حال میں زمان کا پابند ہے۔

مزید گہرائی میں تفکر کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ......

انسانی زندگی میں راستہ لاشعور ہے اور مسافر شعور ہے۔اگر کسی شخص کا انہماک شعور میں زیادہ ہے تو اس کی توجہ لاشعور میں کم سے کم ہو جائے گی۔اس لئے کہ مسافر راستے پر کم سے کم چلا ہے۔اگر مسافر کی توجہ زندگی کے محدود اور متغیر اعمال میں کم ہو جائے گی تو شعور کے عمل کی مقدار کم ہو جائے گی۔اور مسافر راستے کے پیچ وخم اور راستے کے تعینات سے زیادہ سے زیادہ واقف ہو جائے گا۔

مکان انسان کا ظاہر ہے اور زمان انسان کا باطن ہے۔انسان اور اس کی پوری ظاہری زندگی......باطن سے منتقل ہو رہی ہے......باہر کچھ نہیں ہے۔سب اندر ہے......انسان سر سے پیر تک قدرت کا ایک شاہکار ہے۔اس کے سر پر بال ہوتے ہیں۔بال اندر سے نمو پاتے ہیں۔ دماغ جس پر ساری اطلاعات کا دارومدار ہے۔اندر ہے۔دل جو دورانِ خون کو جاری رکھتا ہے اور جس میں لاکھوں رگیں ہوتی ہیں۔اندر ہے۔علیٰ ہذا القیاس......جسمانی مشینری کے تمام کل پُرزے، پھیپھڑے، گردے، تلی، آنتیں، معدہ، کان کی سماعت، زبان کا نطق سب اندر میں ہے۔

انسان کے اندر کا نظام زمان ہے اور انسان کے باہر کا نظام مکان ہے۔جب تک اندر

Inner سے رشتہ استوار رہتا ہے، زندگی اور زندگی کے تقاضے برقرار رہتے ہیں اور جب اندرونی نظام سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔"زمان" اللہ تعالیٰ ہے......"مکان" کائنات ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں تمہاری رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں۔"

(سورۃ ق۔آیت16)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔"

نفس اس حقیقت کا نام ہے، جو مادی آنکھ سے نظر نہیں آتی اور اس میں تغیر نہیں ہوتا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر انسان مکان ہے اور مکان محدود اور تغیر پذیر ہوتا ہے۔

اصل انسان زمان ہے، زمان میں تغیر نہیں ہوتا ہے۔چونکہ زمان میں تغیر نہیں ہے اس لئے زمان میں سفر کرنے والا مسافر خوف وغم، اضطراب اور پریشانی سے محفوظ رہتا ہے۔وہ بے سکون نہیں ہوتا۔

زمان سے واقف خواتین وحضرات اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔زمان سے واقف ہوئے بغیر کوئی بندہ عارف ذات نہیں ہوسکتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے

"زمانہ کو برا نہ کہو زمانہ اللہ ہے۔"

(موطا امام مالک، جلد اول۔حدیث2355)

سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔اس ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، وہی حیات دیتا ہے وہی موت دیتا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔وہی پہلے وہی پیچھے اور وہی ظاہر اور وہی مخفی ہے، اور ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔وہ ایسا ہے کہ اس نے

آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر تخت پر قائم ہوا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے، اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور تمہارے سب اعمال کو بھی وہ دیکھتا ہے۔ اس ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب امور لوٹ جائیں گے۔''

(سورۃ الحدید۔ آیت 1-5)

بتاریخ ۲۷ جنوری جس پاک ہستی کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے دنیا بھر سے زائرین حاضر ہوتے ہیں......وہ برگذیدہ ہستی کہاں ہے؟

غیب کے عالم میں محوِ استراحت ہے۔ غیب کی دنیا باطن کی دنیا ہے اور باطن زمان ہے۔ مادی وسائل کا محتاج انسان اس ہستی کو ڈھونڈنے نکلا ہے جس نے نوعِ انسانی کو زمان اور مکان Time & Space کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جدوجہد کو کامیاب کرے اور ہمیں رفیق ہمدم کی آغوش نصیب فرمائے......

آمین

آواز کی آلودگی

میں نے دیکھا ہے...... آپ بھی اس تجربے سے گزرے ہوں گے، چند مہینے کے بچے کے سامنے اخبار پڑھتے وقت صفحہ اُلٹنے کی آواز سے بچہ چونک جاتا ہے اور اس کے معصوم کومل چہرے پر خوف کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں۔ آپ بچے کو اٹھاتے ہیں اس کا ماتھا ہونٹوں سے چھوتے ہیں اور بچے کو اُٹھا کر سینے سے لگا لیتے ہیں۔ ساتھ ساتھ آپ محبت بھرے الفاظ بھی دہراتے ہیں...... میرا مُنّا!...... میرا چاند!...... اس عمل سے بچے کا چہرہ شگفتہ ہوجاتا ہے اور خوف سے بھاگ جانے والی معصومیت دوبارہ چہرے کو اپنا مسکن بنا لیتی ہے۔

میں نے اس بات پر غور کیا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟...... آپ بھی سوچیں کہ اخبار کا صفحہ پلٹنے کی آواز بچے کو کیوں ڈرا دیتی ہے؟؟......

اس دنیا میں آنے سے پہلے بچہ کسی اور دنیا میں ہوتا ہے۔ اس دنیا کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہاں کا ماحول کیا ہے؟...... اس دنیا کے شب و روز کیسے ہیں؟؟...... وہاں کوئی تمدن ہے یا نہیں ہے؟!...... اگر وہاں معاشرہ ہے تو معاشرتی آداب کیا ہیں؟...... وسائل کی تقسیم کا طریقہ کیا ہے؟؟...... وہاں اگر دھوپ چھاؤں ہے! تو سورج مشرق سے نکلتا ہے یا مغرب سے؟؟...... سورج مشرق میں ڈوبتا ہے یا مغرب میں؟...... کیا وہاں چوپائے ہیں؟...... اونٹ کے گلے میں گھنٹیاں بجتی ہیں؟...... شمع کے گرد پروانے رقص کرتے ہیں؟...... بلبل کی صدا چمن زار کو مسحور کرتی ہے؟!...... جب ہم اس کو دنیا کہتے ہیں تو کیا وہاں دنیا کی طرح زمین ہے؟...... اُبلتے فوارے ہیں؟...... آبشاریں، جھرنوں کا سماں بناتی ہیں؟...... رنگ رنگ پھول، پھولوں کے داغ داغ پتے ہوا کو مخمور کرتے ہیں؟...... گھٹائیں زمین پر برستی ہیں؟...... کیا اس دنیا میں آسمان پر جگمگ کرتی قندیلیں ہماری نظر کو نور بخشتی ہیں؟...... قطار در قطار درخت اور پھلوں سے لدے ہوئے اشجار ہمیں دعوت نظارہ دیتے ہیں؟...... درخت کے پتے ہواؤں کے دوش پر جھولتے ہیں؟...... ٹہنیاں اس طرح

رقص کرتی ہیں کہ فطرت وجد میں آجائے؟...... برسات کے ملے جلے روشنی اور اندھیروں میں کیف وسرور ہوتا ہے؟......

ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے؟......اور جو لوگ جانتے ہیں وہ اس لئے خاموش ہیں کیوں کہ اس جاننے کا مشاہدہ عام نہیں ہے......لوگ اس کا اعتبار نہیں کرتے......

اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق میں ایک کمپیوٹر نصب کر دیا ہے۔ اس کمپیوٹر میں شماریات سے زیادہ پرگرامز ہیں۔ دو کھرب Chips ہیں، ہر Chip میں کھربوں ذیلی پروگرامز ہیں کچھ پروگرامز کائنات کی ہر مخلوق میں مشترک ہیں۔ کچھ پروگرام حرکت کے تابع ہیں اور کچھ پروگراموں پر حرکت کا دارومدار ہے۔ اس کمپیوٹر میں لاکھوں سال کا اجتماعی ماضی ریکارڈ ہے اور کروڑوں سال کا اجتماعی مستقبل ریکارڈ ہے۔ اجتماعی ریکارڈ کے ساتھ ساتھ ماضی، حال، مستقبل کی انفرادی زندگی بھی مرقوم ہے۔

اس کمپیوٹر کا نام دماغ ہے!......

دماغ میں انفارمیشن کہاں سے آتی ہیں؟...... ہمیں نہیں معلوم!......انفارمیشن کی کوئی شکل وصورت ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ انفارمیشن کا کوئی وزن ہم متعین نہیں کر سکے......انفارمیشن کیا ہے؟......انفارمیشن خیال ہے!......خیال ہمیں نظر نہیں آتا۔ خیال کوئی وزنی اور ٹھوس شئے نہیں ہے۔ لیکن جب خیال میں کچھ کھو جانے کا اندیشہ شامل ہو جاتا ہے تو دماغ پر منوں ٹنوں وزن محسوس ہوتا ہے اور جب خیال میں سبک روی ہوتی ہے، سکون کی لہریں ہوتی ہیں، تسکین کا احساس ہوتا ہے تو خیال کا کوئی وزن نہیں ہوتا، نہ صرف یہ کہ وزن نہیں ہوتا، آدمی خوش آگیں خیال سے خود کو لطیف محسوس کرتا ہے!......ہم نہیں جانتے کہ خوشی کیا ہے؟!......

ہم اس سے بھی واقف نہیں ہیں کہ ناخوشی اور غم کیا بلا ہے!؟......ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ خیالات میں اگر طلب کے بغیر ترک ہے تو وہ خیال ہمیں پریشان کر دیتا ہے اور اگر خیال میں خود غرضی کا عنصر غالب نہیں ہے تو یہ خیال ہمیں خوش کر دیتا ہے!......

ہمیں نہیں معلوم کہ ہم خوش کیوں ہوتے ہیں؟ ہمیں اس بات کا بھی ادراک نہیں ہے کہ ہم خوش کیوں نہیں ہوتے؟......ایک معمول کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کہ عامل کون ہے اور ہم کیوں اسکے معمول بنے ہوئے ہیں؟......

گھپ اندھیری رات میں آسمان پر نظر اُٹھتی ہے تو وہاں روشن قندیلیں نظر آتی ہیں۔ ستاروں کی ایک انجمن ہے ستارے ایسے چمکتے ہیں کہ جس کی تشبیہ دینے کیلئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں......لیکن ہم روز دیکھتے ہیں آسمان پر جگمگ کرتے ستاروں نے، آسمان پر چراغاں کیا ہوا ہے......لیکن ہم نہیں جانتے کہ ستارے کیا ہیں؟......

اسی طرح ہم یہ نہیں جانتے کہ چند مہینے کا بچہ اخبار کی آواز سے کیوں چونکتا ہے؟...... کیا اخبار کی آواز اس کے دماغ میں دھماکہ کر دیتی ہے؟؟......آپ بے خبر سڑک پر چلے جا رہے ہیں پیچھے سے کوئی پٹاخہ پھوڑ دیتا ہے اور اس پٹاخے میں بم جیسا دھماکہ ہوتا ہے تو آپ چونک جاتے ہیں، گر بھی سکتے ہیں، یہ ممکن ہے کہ ہوش وحواس غائب ہو جائیں۔ یہ کیوں ہوا؟!؟......

اس لئے ہوا کہ دماغ بے شمار Frequencies سے مرکب ہے، اس میں ایک فریکوئنسی آواز کی ہے اور یہ فریکوئنسی گھٹتی بھی ہے، بڑھتی بھی ہے اور انسان کے اندر آواز سننے کی سکت بھی بڑھاتی ہے......چند مہینے کا بچہ اخبار کی آواز سے اس لئے چونک جاتا ہے کہ ابھی اس کے دماغ میں آواز کی فریکوئنسی سیٹ نہیں ہوئی۔ یہی بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو بڑے سے بڑا دھماکہ اسے بچے کی طرح متاثر نہیں کرتا۔

جس طرح آواز کی فریکوئنسی آدمی کو پریشان کرتی ہے، خوش کرتی ہے، مست و بے خود کر دیتی ہے۔ اسی طرح زندگی میں کام کرنے والی ہر فریکوئنسی انسان کو متاثر کرتی رہتی ہے۔ موجودہ دور جس کو ترقی کا دور کہا جاتا ہے، دراصل آواز کی اس Pollution کا دور ہے جس میں اضطراب ہے، جس میں بے چینی ہے، کرختگی ہے! چیخ ہے!......اور جس میں دھماکہ ہے!......

آواز دراصل ایک Vibration ہے۔ وائبریشن کی مقداریں اگر اعتدال سے ہٹ جائیں تو زندگی کو قائم رکھنے والا وائبریشن زلزلوں کا روپ دھار لیتا ہے۔ فائٹر جہازوں کی گڑگڑاہٹ بن جاتا ہے، بلڈنگوں کو تہس نہس کر دیتا ہے۔ تین سے سات منٹ میں ایک سو دس منزلہ آہنی عمارت کو زمین دوز کر دیتا ہے۔

ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے!؟!؟......چند منٹوں میں ہزاروں آدمی کیوں پیوند زمین ہو گئے؟......

قرآن سورۂ الشوریٰ میں رہنمائی کرتا ہے:

''اور تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہیں اور اللہ تو بہت خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔''

(سورۃ الشوریٰ۔ آیت 30)

اور قرآن اس کا علاج بھی بتاتا ہے:

''اور تم سب مل کر خدا کی طرف پلٹو، اے مومنو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

(سورۃ النور۔ آیت 31)

Repeatation

دنیا کی عمر کے بارے میں اس قدر ترقی کے باوجود اب تک کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکی ہے......

کوئی کہتا ہے یہ دنیا اربوں سال پُرانی ہے!......

کوئی کہتا ہے کہ ایک ایسا ڈھانچہ دریافت ہوا ہے جو کروڑوں سال پرانا ہے!......

کہیں سے آواز آتی ہے کہ دنیا لاکھوں سال پُرانی ہے......

اور جب دنیا کی تاریخ زیرِ بحث آتی ہے تو اعلیٰ دماغ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ پانچ ہزار سال سے زیادہ قدیم نہیں......

لیکن پانچ ہزار سال کی یہ تاریخ بھی مکمل صورت میں کہیں محفوظ نظر نہیں آتی......

حد تو یہ ہے کہ اگر ہم دو ہزار سال سے زیادہ کی بات کرتے ہیں تو اس پر بھی ہمیں قبلِ مسیح کا حوالہ دینا پڑتا ہے......

جب ہم دنیا میں رائج مختلف نظریات پر غور کرتے ہیں تو ہر نظریہ کسی دوسرے نظریے سے دست و گریباں نظر آتا ہے...... ہزاروں برس کی تاریخ میں صرف چند ہی نام ایسے ملتے ہیں جو نظریات کے ستون سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہر نظریہ کچھ دور چل کر کسی دوسرے نظریہ کے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ہر زمانے میں ایجادات ہوتی رہی ہیں اور انہی ایجادات کی بنیاد پر یہی کہا جاتا رہا ہے کہ دنیا نے بہت ''ترقی'' کر لی ہے...... لیکن پھر ایک دور ایسا آتا ہے کہ ''ترقی'' کی بنیاد بننے والی تمام ایجادات اس طرح کسی اَن دیکھے پردے میں چھپ جاتی ہیں کہ ان کا تذکرہ تو جاری رہتا ہے لیکن ان کا نام و نشان ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا......

تفکر کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ترقی بھی Repeatation کے علاوہ کچھ نہیں۔

کسی زمانے میں اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھنے والے ایک نوجوان کے پاس حضرت خضرؑ

تشریف لایا کرتے تھے...... اس بات کا تذکرہ جب اس دور کے بادشاہ کے سامنے ہوا تو بادشاہ نے اس نوجوان عارف کو اپنے دربار میں طلب کرلیا...... اور اس سے تنہائی میں دریافت کیا کہ تمہارے پاس کیا واقعی حضرت خضرؑ تشریف لاتے ہیں؟......

نوجوان عارف نے جواب دیا...... جی ہاں یہ درست ہے!......

بادشاہ نے اس نوجوان سے فرمائش کی کہ اب اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کی مجھ سے بھی ملاقات کرانا...... اس نوجوان نے بادشاہ کی بات مان لی...... پھر جب حضرت خضرؑ تشریف لائے تو اس نے سارا قصہ ان کے سامنے بیان کردیا...... حضرت خضرؑ نے فرمایا...... چلو اس کے پاس چلتے ہیں......

چنانچہ دونوں بادشاہ کے محل میں پہنچے...... بادشاہ نے دریافت کیا...... کیا آپ ہی حضرت خضرؑ ہیں؟......

حضرت خضرؑ نے فرمایا...... ہاں میں ہی ہوں!......

بادشاہ نے عرض کیا...... آپ نے قرن ہا قرن کا زمانہ دیکھا ہے، ہمیں کوئی عجیب وغریب قصہ سنایئے!......

حضرت خضرؑ نے فرمایا...... میں نے دنیا میں بہت عجیب وغریب باتیں دیکھی ہیں...... لیکن میں ان میں سے ایک تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں...... لو سنو!......

ایک مرتبہ میرا گزر...... ایک بہت وسیع وعریض، خوبصورت، خوشحال اور آباد شہر سے ہوا......
میں نے اس شہر کے باشندے سے پوچھا...... بھائی! یہ شہر کب سے آباد ہے؟......

اس نے کہا...... یہ شہر تو بہت پرانا ہے...... اس کی ابتدا کا نہ تو مجھے کوئی علم ہے نہ میرے آباؤ اجداد کو...... خدا ہی جانے کب سے یہ شہر یونہی آباد چلا آرہا ہے......

یہ جواب سننے کے بعد میں نے وہاں اپنا کام مکمل کیا اور آگے روانہ ہوگیا...... پھر میرا اس جگہ سے پانچ سو سال بعد گزر ہوا...... اب وہاں شہر کا نام ونشان تک نہ تھا...... ہر طرف جنگل و بیابان تھا...... بہت تلاش بسیار کے بعد ایک آدمی ملا جو سوکھی لکڑیاں چن رہا تھا...... میں نے اس سے پوچھا...... اس جگہ پر آباد شہر کب برباد ہوا؟...... میری بات سن کر وہ ہنسنے لگا...... بولا ......میاں! دیوانے ہوئے ہو کیا؟...... جنگل میں شہر تلاش کرتے ہو...... یہاں کب شہر تھا؟...... اس علاقے میں تو مدتوں سے گھنا جنگل موجود ہے...... بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں بھی

اس جگہ جنگل ہی تھا......

یہ سننے کے بعد میں آگے بڑھ گیا...... اور پھر میرا اس مقام سے پانچ سو سال بعد گزر ہوا...... اب کیا دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا دریا بہہ رہا ہے، دریا اتنا بڑا تھا کہ اس کا دوسرا کنارا نظر نہ آتا تھا...... کنارے پر چند مچھیرے جال ڈالنے کی تیاری کررہے تھے...... میں نے ان سے پوچھا...... یہاں تو ایک گھنا جنگل تھا! وہ کب ختم ہوا اور دریا کب سے بہنے لگا؟...... وہ لوگ مجھے حیرت سے دیکھنے لگے...... ان میں سے ایک بولا...... صورت شکل سے تو آپ معقول آدمی معلوم ہوتے ہیں لیکن عجیب سوال کررہے ہیں...... یہاں تو ہمیشہ سے ہی دریا بہتا چلا آرہا ہے......

میں نے پوچھا...... کیا یہاں پہلے جنگل نہیں تھا؟......

وہ کہنے لگے، ہرگز نہیں!...... نہ ہم نے دیکھا نہ ہمارے بزرگوں نے اس بارے میں کچھ بتایا...... وہ بھی یہی کہتے تھے کہ یہاں ہمیشہ سے دریا بہہ رہا ہے......

پانچ سو سال بعد میرا اس خطے سے دوبارہ گزر ہوا...... اب وہاں لق و دق چٹیل میدان تھا...... ایک چرواہا مویشیوں کا ریوڑ ہانکتے ہوئے گزرا تو میں نے اس سے پوچھا...... بھائی! یہاں تند وتیز اور شوریدہ سر موجوں کے ساتھ ایک دریا بہتا تھا...... وہ کب خشک ہوگیا؟......

اس نے مجھے یوں دیکھا جیسے میری عقل پر شبہ کررہا ہو...... پھر بولا...... دریا؟ یہاں تو کبھی کوئی دریا نہ تھا...... ہمارے پرکھوں نے بھی کبھی کسی دریا کا ذکر نہیں کیا......

یہ سن کر میں وہاں سے آگے بڑھ گیا...... قدرت کی شان دیکھیے، پانچ سو سال بعد پھر میرا اسی علاقے سے گزر ہوا...... اب دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا...... وہاں ایک عظیم الشان شہر آباد تھا...... یہ تو اس شہر سے بھی زیادہ خوبصورت وسیع وعریض اور خوشحال تھا، جسے میں نے دو ہزار برس قبل دیکھا تھا......

میں نے حسبِ عادت ایک شخص سے پوچھا کہ یہ شہر کب سے آباد ہے؟...... اس نے کہا...... بزرگوار! یہ شہر بہت قدیم ہے...... یہ کب آباد ہوا؟ اس بارے میں حتمی طور پر ہمیں کچھ معلوم نہیں بلکہ ہماری پچھلی نسلیں بھی اس حوالے سے لاعلم تھیں......

یہ قصہ سنا کر حضرت خضر علیہ السلام بادشاہ کے محل سے تشریف لے گئے......

یہ دنیا ایک طرف بقا ہے تو دوسری طرف فنا ہے۔ ایک طرف فنا ہے تو دوسری طرف بقا ہے۔
فنا وبقا کا یہ کھیل ریت کے گھروندے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا سترہ بار ختم ہو کر دوبارہ آباد ہوئی ہے...... تاریخی شواہد سے یہ بھی پتہ چلتا
ہے کہ ایک معین وقت کے بعد (وہ معین وقت دس ہزار سال بھی ہو سکتا ہے) خشک زمین پر آباد دنیا
تہہ آب آجاتی ہے، شعور زمین کے اندر غاروں سے شروع ہوتا ہے اور بتدریج جوان ہوتا ہے......
اور جیسے جیسے شعور جوانی کی دہلیز پر قدم بڑھاتا ہے، انسان ترقی یافتہ کہلاتا ہے...... لیکن یہ بات ہر
زمانے میں موجود رہتی ہے کہ انسان شعوری تقاضے پورے کرتا ہے......

شعوری تقاضے کس طرح پورے کرتا ہے؟...... یہ ''کس طرح'' ہی ارتقا ہے!......

کسی زمانے میں انسان آگ کا استعمال سیکھ کر ترقی کرتا ہے اور کبھی لوہے کی دریافت ترقی
کا ذریعہ بنتی ہے اور ارتقا کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان توانائی کے علم سے واقف
ہوجائے......

غاروں کی زندگی کا دور ہو، دھات کی دریافت کا زمانہ ہو، آگ سے واقفیت ہو، یا انسانی
ذہن توانائی کے فارمولوں سے واقف ہوجائے، بہرحال انسان گھٹتا، بڑھتا، مٹتا اور فنا ہوتا رہتا
ہے...... ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ جو لوگوں سے خراج وصول کرتے تھے جب زیر
زمین دفن ہوجاتے ہیں تو یہ لوگ وجو خراج دیتے تھے، اس زمین کو جس میں وہ دفن ہیں، پیروں
سے روندتے پھرتے ہیں......

یہی وہ سربستہ راز ہے جس کو بتانے سمجھانے اور عام کرنے کیلئے قدرت روشن اور منور
لوگوں کو دھرتی پر بھیجتی ہے اور دھرتی کے یہ روشن چراغ زمین پر بسنے والے لوگوں کو روشنی اور نور
سے متعارف کراتے ہیں۔

منطقی عقل اور فلسفہ

اسے اتفاق سمجھئے یا اس کے پیچھے کوئی حکمت ہے اور اس حکمت کے پس پردہ کوئی نظام
ہے...... ہم چار دوست ایک محلے میں پیدا ہوئے...... ہم چاروں کے گھر بھی ایک ہی گلی میں گلی
کے نکڑ پر...... گلی کے وسط میں...... یا گلی کے آخر میں ہیں......

ہم چاروں دوست ایک ہی اسکول میں داخل ہوئے...... اور کیسی عجیب بات ہے کہ چاروں
میں سے کبھی کوئی ایک دوست فیل نہیں ہوا...... اور اس طرح ہائی اسکول کی تعلیم پوری ہوگئی۔ ہائی
اسکول پاس کرنے کے بعد ہم چاروں دوستوں نے الگ الگ کالج میں داخلہ لے لیا۔ کالج کی
چھٹیوں میں ہالی ڈے کا پروگرام بنا...... اور ہم کشمیر کے برف پوش پہاڑوں میں سیر کیلئے نکل
گئے......

وہاں ہم نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں قیام کیا...... رات کو ٹھنڈی یخ ہواؤں میں ہیٹر لگا کر
سو جاتے تھے اور صبح ناشتہ کرنے کے بعد پہاڑوں کی سیر کیلئے چلے جاتے تھے...... اور سارے دن
قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔

ایک روز چلتے چلتے اتنی دور نکل گئے کہ رات کو ہوٹل میں واپس آنا ممکن نہیں رہا...... پریشانی
کے عالم میں بہت اونچے پہاڑ پر بنے ہوئے ایک مکان کے دروازے پر دستک دی...... ایک
نہایت خوبصورت خاتون نے دروازہ کھولا...... ہم نے بہت ادب کے ساتھ انہیں اماں کہہ کر سلام
کیا...... اماں نے ہمارے سروں پر دستِ شفقت رکھا...... جب ہم نے اپنی پریشانی بیان کی کہ ہم
اب ہوٹل واپس نہیں جاسکتے...... تو اماں نے ہمیں گھر میں بلالیا...... اور ہماری بہت زیادہ خاطر
مدارت کی...... ہم چاروں اماں کے پاس بیٹھ گئے...... اماں نے ہم سب کے بارے میں
پوچھا......

تمہارا نام کیا ہے؟......

والدین کہاں رہتے ہیں؟......

بہن بھائی کتنے ہیں؟......

کیا کرتے ہو؟......

ہر شخص نے اپنے بارے مین جو کچھ وہ بیان کر سکتا تھا، بتادیا......

ہم میں سے ایک دوست نے کہا کہ...... میں فلسفہ پڑھتا ہوں......

بس یہاں سے ہی بات کا رخ کا بدل گیا...... اور بات فلسفے سے چل کر عقل پر پہنچ گئی......

ہمارے دوست نے منطق اور فلسفے کے بارے میں اتنا کچھ کہا...... ہم حیران ہو گئے......

ہمارے اس دوست کو اتنی زیادہ معلومات ہیں کہ مسلسل پون گھنٹے تک اماں سے وہ گفتگو کرتا رہا......

اماں نے اس دوست سے کہا...... کہ یہ جتنی باتیں تم نے کہیں ہیں بقول تمہارے "عقل سے کی ہیں!"...... سوال یہ ہے کہ عقل کا کہیں وجود ہے؟...... اور اگر کہیں عقل ہے...... تو اس کی تعریف کیا ہے؟......

ہمارے دوست نے اس سوال کے جواب میں جو کچھ کہا...... لگتا تھا کہ وہ بے وقوفی کے علاوہ کچھ نہیں ہے!......

اماں!...... بہت خوبصورت خاتون تھیں......

بڑی بڑی آنکھیں...... کھلی پیشانی...... چہرہ گلنار...... نہایت شاندار اور پر وقار سراپا......

خوش مقال...... شیریں گفتار...... اماں اٹھیں اور انہوں نے مدھم پڑنے والی آگ کو روشن کیا......

اس وقت ہم محسوس کر رہے تھے کہ ہمارے جسم میں ٹھنڈ رفتہ رفتہ سرائیت کر رہی ہے...... آگ روشن کرنے کے بعد ہم سب نے ایک ایک پیالی یخنی پی...... جس سے ہمارے خون میں گرمی آ گئی اور بہت زیادہ سردی کا احساس نارمل ہو گیا......

فلسفہ اور منطق کی مسلسل بحث نے نیند اُڑا دی تھی...... اور جب یہ سنا کہ عقل کا کہیں وجود نہیں ہے...... تو ایسا لگا جیسے ہمارے دماغ سُن ہو گئے ہوں......

ہم میں سے ایک نے سوال کیا...... اماں!...... کیا عقل نہیں ہے؟...... اور اگر عقل نہیں ہے تو یہ دنیا میں جو بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں ان میں تعمیر بھی ہے اور تخریب بھی ہے...... یہ کیسے ہو رہے ہیں؟...... ہم چاروں دوست اماں کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے ہم ان کے پوتے نواسے ہیں...... اماں ہماری دادی نانی ہیں اور وہ ہمیں کہانی سنا رہی ہیں......

اماں کے چہرے پر شگفتگی تو پہلے ہی تھی یہ سوال سن کر ان کے چہرے پر شفق کی لالی پھیل گئی اور جب انہوں نے تبسم کیا...... تو ان کے موتی جیسے دانت ہمیں اندھیرے اور روشنی میں ایسے لگے

جیسے یکا یک کہکشاں پھوٹ پڑی ہو...... ہم خوشی میں ان کے اور قریب آ گئے انہوں نے چوکی پر رکھے ہوئے تکیہ سے پشت لگائی اور برابر رکھے ہوئے تکیے پر ہاتھ کا سہارا لیا...... اور بات شروع ہو گئی......

انہوں نے بتایا انسان کی زندگی میں کوئی بھی عمل ہو...... کوئی بھی حرکت ہو...... کسی بھی تقاضے کی تکمیل ہو...... سوچ بچار ہو...... یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کو انفارمیشن ملتی ہے......

جس کو ہم عقل کہتے ہیں یہ بھی انفارمیشن کے تابع ہے...... یہ انفارمیشن کہاں سے آ رہی ہے...... اس کے بارے میں چھ ارب انسانوں میں سے کوئی ایک بھی لب کشائی نہیں کرتا......

ہر شخص کہتا ہے...... میں ہوں!...... پر وہ نہیں جانتا...... "میں ہوں!"...... کیا شئے ہے؟......

ہر شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے...... میں چلتا ہوں لیکن کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ چلنا پھرنا کیا چیز ہے؟......

بہت پڑھے لکھے لوگ بھی اس کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے اماں ابا سے سنا کہ بچہ چلتا پھرتا ہے...... تو ہم نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ ہم چلتے پھرتے ہیں......

ماں بچوں کے پیچھے پیچھے کھانا لیے پھرتی ہے...... کبھی ڈانٹ ڈپٹ کے...... کبھی پیار سے...... کبھی بچے کی توجہ دوسری طرف مبذول کر کے...... منہ میں لقمہ ڈال دیتی ہے...... بچہ کھا لیتا ہے...... ایک لقمہ منہ میں لے کر بچہ کھیل کود میں مشغول ہو جاتا ہے...... ماں پھر بچے کے پیچھے پیچھے ہو لیتی ہے...... پیار کر کے...... خوشامد کر کے...... کسی چیز کا لالچ دے کر وہ بچے کا پیٹ بھر دیتی ہے...... بچہ اس عمل کو دیکھ کر کہتا ہے کہ میں کھانا کھاتا ہوں...... میں پانی پیتا ہوں...... میں نے دودھ پیا ہے......

میرے بچو!......

تم کیا سمجھے...... کہ اطلاع کیا ہے؟...... ابھی یہ مسئلہ باقی ہے کہ اطلاع کہاں سے آئی ہے...... لیکن بچے کے کھلانے پلانے کے عمل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انفارمیشن قبول کرنے کیلئے بھی بچے کو پریکٹس کرائی جاتی ہے۔

جب یہ پریکٹس پوری ہو جاتی ہے تو ماں کو بچے کے پیچھے پیچھے روٹی لے کر پھرنا نہیں پڑتا......

بچہ مانگ کر روٹی کھاتا ہے...... ذرا غور کرو!...... کہ دونوں عمل میں کتنا تضاد ہے...... کتنا فرق ہے...... یہ فرق اس لئے ہے کہ بچے اطلاع کو قبول کرنے اور استعمال کرنے کے عمل سے واقف ہوگئے ہیں...... لیکن ساری زندگی گزر جانے کے بعد بھی یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ خیال کہاں سے آتا ہے؟......

اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ خیالات میں لطافت ہوتی ہے اور خیالات میں کثافت بھی ہوتی ہے...... جب خیال یا اطلاع لطیف ہوتی ہے تو آدمی اس کی لطافت کو محسوس کر کے خوش ہوتا ہے اور جب خیال یا اطلاع میں کثافت ہوتی ہے تو آدمی کثافت کے اس بوجھ سے متاثر ہوکر بوجھل ہوجاتا ہے...... اور ناخوشی کا اظہار کرتا ہے......

جب کثیف خیالات کا دماغ کے اوپر ہجوم رہنے لگتا ہے تو آدمی اس ہجوم سے بچنے کیلئے طرح طرح کی تاویلیں کرتا ہے...... قیاس پر مبنی نظریات قائم کرتا ہے...... لیکن بات پھر وہیں آکر رک جاتی ہے کہ قیاس پر مبنی نظریات بھی انفارمیشن میں معنی پہنانے کے علاوہ کچھ نہیں ہیں......

میں نے پُرعزم اور پُروقار خاتون سے عرض کیا...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی زندگی دو دائروں میں سفر کررہی ہے...... ایک دائرہ وہ ہے جہاں سے خیالات آرہے ہیں اور دوسرا دائرہ وہ ہے جہاں خیالات میں معنی پہنائے جاتے ہیں......

منطقی دوست بولا...... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خیالات کہاں سے آرہے ہیں......

عقل ہمیں بتاتی ہے کہ ہم چل رہے ہیں...... ہم پھر رہے ہیں...... ہم کھا رہے ہیں......

تیسرا دوست جو ابھی تک خاموشی کے ساتھ گفتگو سن رہا تھا بولا...... یارو!...... کچھ سوچ کر بات کرو...... زندگی میں ہر شخص کے اوپر ایک وقت ایسا آتا ہے...... آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ، پیر سب موجود ہوتے ہیں...... لیکن آدمی!...... آدمی نہیں ہوتا...... اس آدمی کو سارا جہان مردہ کہتا ہے......

اگر ہم ہی چل رہے ہیں...... پھر رہے ہیں...... فلسفے اور منطق سے استدلال کررہے ہیں تو اس حالت میں جس کو ہم مردہ ہونا کہتے ہیں...... یہ سب کیوں نہیں کرتے؟......

چوتھا دوست گویا ہوا...... اس طویل گفتگو کے نتیجے میں، میں اتنا سمجھا ہوں کہ جسمانی گوشت پوست کا بنا ہوا آدمی معمول کے علاوہ کچھ نہیں اس کے اوپر کوئی عامل غالب ہے...... جو اس کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے...... کھلاتا ہے...... پلاتا ہے اور جذبات و احساسات اس کے اندر داخل

کرتا ہے اور تسکین کیلئے جذبات و احساسات کی تکمیل کرتا ہے......

ہم چاروں دوستوں کے مختلف طرزِ بیان سے معزز خاتون اماں...... بہت خوش ہوئیں...... انہوں نے مامتا کی نظر سے ہم سب کو دیکھا...... اور کہا بچو!...... رات بیت گئی ہے...... سحر ہونے کو ہے...... چاندنی معدوم ہورہی ہے...... اب تم سوجاؤ......

یہ بات سن کر ہم اس طرح چونک پڑے جیسے ہمیں کسی نے خواب غفلت سے بیدار کردیا ہے...... ہم سب سعادت منداولاد کی طرح نرم و گرم لحافوں میں گھس گئے اور لیٹتے ہی سوگئے......

دن میں سوکر اُٹھے تو ناشتہ تیار تھا......

ناشتہ کر کے پھر مجلس جم گئی!......

ہمارے منطقی دوست نے عرض کیا...... اماں!...... وہ کون سا عمل اور تدبیر ہے...... جس سے ہمیں معلوم ہوجائے کہ خیالات کہاں سے آتے ہیں...... اور جب خیالات کہیں سے آتے ہیں تو لامحالہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ کہیں Source Of Information بھی ہے!......

وہ کہاں ہے؟...... کیسے پتہ چلے؟...... ہمیں کون بتائے گا؟......

منطقی دوست کی یہ خودسپردگی اور بے قراری دیکھ کر ہم سب حیران ہوگئے......

لیکن اماں کے اوپر سکون و اطمینان کا نور پھیل گیا......

انہوں نے کہا...... بیٹا!...... دنیا میں موجود ہر آدمی جو ہمیں نظر آتا ہے، وہ نہیں ہے...... ہر آدمی ایک اور انسان کے کنٹرول میں ہے...... اور یہ انسان اطلاعات کے Network پر قائم ہے...... اور اطلاعات کا Source قدرت ہے......

نقلی آدمی کے اوپر اصل انسان کا کھوج لگانا اس طرح ممکن ہے کہ آدمی ظاہری زندگی میں رہتے ہوئے باطنی زندگی کا مطالعہ کرے...... باطنی زندگی کے School Of Thought کو تصوف کہتے ہیں...... تصوف اس جذبۂ اخلاص کا نام ہے جو ضمیر سے متعلق ہے اور ضمیر نورِ باطن ہے......

ہر دور میں فلسفی موشگافیاں کرتے رہے...... لیکن کوئی حتمی نتیجہ مرتب نہیں کرسکے......

قیاسات اور مفروضہ تاویلات کو جتنی زیادہ سلجھانے کی کوشش کی گئی...... اُلجھاوا بڑھتا رہا......

سائنس بھی ایک فلسفہ ہے...... فلاسفہ اور سائنسدانوں کے بیان میں کوئی نمایاں فرق نہیں

ہے.....جس طرح فلسفی کوئی بات کہتا ہے اور اس کو ثابت کرنے کیلئے ہزاروں دلیلوں کا سہارا لیتا ہے اور ہر دلیل دوسری دلیل کی محتاج ہوتی ہے.....اسی طرح سائنسدان جو کچھ کہتا ہے.....وہ نہیں جانتا.....نہیں مانتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں.....حالانکہ سائنسی تجربات جو انسانوں کی محنت اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہیں.....برابر اس کی رہنمائی کر رہے ہیں کہ یہ سب اطلاعات یا انفارمیشن کا مظاہرہ ہے.....

اور اطلاعات کے اوپر کسی سائنٹسٹ، کسی فلسفی، یا کسی انسان کی ہرگز اجارہ داری نہیں ہے.....

اطلاعات کا علم جاننے کیلئے اطلاعات کا استعمال سیکھنے کیلئے انسانی معاشرے کے پاس ایک ہی یقینی ذریعہ ہے.....اور وہ ذریعہ قرآن ہے.....

قرآن پاک اپنے بارے میں خود بتاتا ہے کہ میں علم کی دستاویز ہوں.....
علم تین ابواب پر مشتمل ہے.....

۱..... انسان کو معاشرے میں کس طرح رہنا ہے اور معاشرے کو کن خطوط پر چلانا ہے.....
معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے حقوق کی کس طرح پاسداری کرنی ہے.....
معاشرے میں کون سے قانون رائج کرنے ہیں جن کے نفاذ سے زمین پر سے فساد ختم ہوجائے اور امن قائم ہوجائے.....

۲..... قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں ہر شخص کے سامنے ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو کسی بھی نظریئے پر قائم ہو یا قائم نہ ہو اگر اس کا تعلق انسانی برادری سے ہے.....اگر وہ انسان برادری کے رجحانات سے متفق ہے.....اور خود کو انسان برادری کا فرد سمجھتا ہے.....تو وہ جانتا ہے کہ جب قومیں خود غرض ہوجاتی ہیں تو قدرت انہیں مٹا دیتی ہے.....اور جب قومیں اپنے حقوق کا تحفظ کرتی ہیں اور دوسرے کے حقوق میں قدغن نہیں لگاتیں.....وہ قومیں عروج یافتہ ہوتی ہیں.....

۳..... ہر انسان چاہے وہ کتنا ہی کم فہم، کم دانش ہو.....اس کیلئے یہ سوالیہ نشان موجود ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے میں کہاں تھا؟.....جس طرح پیدا ہونا ایک روشن باب ہے اسی طرح مرنا بھی ایک مستقل سلسلہ ہے.....سوال یہ کہ ہے کہ مرنے کے بعد میں کہاں چلا جاتا ہوں؟.....جب میں مرنا نہیں چاہتا تو کیوں مرجاتا ہوں؟.....

بزرگ خاتون نے ہمارے سامنے میز پر بادام، پستہ، کشمش، خوبانی ایک بلوریں پلیٹ میں رکھ کر کہا.....بچو!.....یہ کھاؤ.....

تھوڑی دیر کے بعد ہم اس بے مثال خوبصورتی کا پیکر، عظمت و بزرگی کا اظہار.....اماں سے سلام کر کے رخصت ہوگئے.....

اب ہمارا سفر برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں.....ویلیوں.....جھرنوں.....اور دریائے نیلم سے گزر کر ہوٹل کی طرف تھا.....

ایمان اور یقین

ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ شخص جو انتہائی درجے کا عقل پرست تھا، اپنے شاگردوں اور پیروکاروں میں بیٹھا اپنی عقل مندی کی شیخیاں بگھار رہا تھا...... اسی دوران ایک خوش پوش لیکن فقیری مزاج کا حامل نوجوان اس محفل میں شامل ہوا......

''فقیر''...... سے عام طور پر یہ مراد لی جاتی ہے کہ ایسا شخص جو ظاہری طور پر بُرے حال میں ہو...... لوگ اس کی فاقہ کش صورت اور پیوندزدہ لباس کو دیکھ کر اس کی کچھ مدد کردیں......

جبکہ ''فقیر'' اللہ تعالیٰ کا ایسا بندہ ہے جسے اپنی روح کا عرفان حاصل ہوتا ہے......

روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے...... اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا نور ہے...... اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے۔

عقل پرست نے نووارد نوجوان کو دیکھا تو باتوں باتوں میں اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا......

عقل پرست: کیا تم خدا پر یقین رکھتے ہو......؟

نوجوان: یقیناً......

عقل پرست: کیا خدا واقعی مہربان اور رحم کرنے والا ہے......؟

نوجوان: جی ہاں!

عقل پرست: کیا خدا ہر شے پر قادر ہے......؟

نوجوان: جی ہاں!

عقل پرست: میرا بھائی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہوگیا...... اس نے خدا کو مدد کے لئے پکارا تھا...... مگر خدا نے اس کی مدد تو نہیں کی......!

نوجوان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا......

عقل پرست: (فخریہ لہجے میں) تمہارے پاس کوئی جواب نہیں......!

نوجوان خاموش رہا......

عقل پرست: کیا شیطان بھی مہربان ہے!

نوجوان: جی نہیں......

عقل پرست: شیطان کہاں سے آیا......؟

نوجوان: اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کی ہے!

عقل پرست: ٹھیک!......دنیا میں برائی کے وجود کو تم تسلیم کرتے ہو......؟

نوجوان: جی ہاں......

عقل پرست: برائیاں اور خرابیاں دنیا میں ہر جگہ ہیں......اور دنیا کی ہر شئے خدا نے تخلیق کی ہے......اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے......؟؟

نوجوان: آپ کی بات درست ہے......!

عقل پرست: اس کا مطلب یہ ہوا کہ برائی بھی خدا نے تخلیق کی ہے......؟

نوجوان خاموش رہا اور گہری نظروں سے عقل پرست کا جائزہ لیتا رہا......

عقل پرست: حواسِ خمسہ کے مشاہدے، عملی کسوٹی اور منطق کی مدد سے کسی بھی طرح خدا کا وجود ثابت نہیں ہوتا......کیا تم اس بات کو رد کر سکتے ہو......؟

نوجوان: میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہوں......!

عقل پرست: یہی تو سب سے بڑا مسئلہ ہے......دنیا کی کوئی بھی چیز جس کا انحصار محض یقین، اعتقاد، اعتبار اور عقیدت مندی پر ہو، وجود نہیں رکھتی......

نوجوان: (کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد گویا ہوا) کیا آپ مانتے ہیں کہ ''گرمی'' وجود رکھتی ہے؟

عقل پرست: کیوں نہیں بالکل وجود رکھتی ہے......!

نوجوان: اور ''سردی'' بھی وجود رکھتی ہے......

عقل پرست: بالکل......

نوجوان: جی نہیں......یہ غلط ہے......سردی وجود نہیں رکھتی......!

اب محفل میں موجود تمام افراد نوجوان کی طرف متوجہ ہو گئے......

نوجوان (اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے)......صرف گرمی اپنا وجود رکھتی ہے......سخت گرمی......تیز گرمی......ہلکی گرمی......نرم گرمی......معمولی گرمی......اور گرمی کی معدومیت......لیکن

سردی کا کوئی وجود نہیں......کیونکہ سردی محض ایک لفظ ہے......جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گرمی کم ہے، کم سے کم ہے، بہت زیادہ کم ہے یا پھر موجود ہی نہیں ہے......حرارت ایک توانائی ہے......اور خنکی یا سردی اس توانائی کی ضد نہیں ہے بلکہ اس کی عدم موجودگی کا نام ہے......

محفل میں سناٹا طاری ہو گیا تھا......

نوجوان: آپ کا اندھیرے کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا اندھیرا واقعی کوئی وجود بھی رکھتا ہے......

عقل پرست: ہاں......بالکل......اسلئے کہ رات کے وقت دنیا اندھیرے میں ڈوب جاتی ہے۔

نوجوان: جی نہیں......یہ درست نہیں ہے......اندھیرا دراصل روشنی کی کمی، بہت کمی اور بہت زیادہ کمی کا نام ہے......صرف اور صرف روشنی وجود رکھتی ہے......روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اور روشنی ہی میں کمی ہوتی ہے......نہ تو اندھیرے میں کمی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح اضافہ ممکن ہے......اس لئے کہ اس کا وجود ہی نہیں ہے......

عقل پرست: یہ تو تم نے انتہائی احمقانہ خیال پیش کیا ہے......

نوجوان: نہیں! ایسا نہیں ہے......میں دراصل آپ پر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خدا سے متعلق آپ کے فلسفیانہ تصورات میں ایک خامی موجود ہے......!

عقل پرست: کیسی خامی......؟

نوجوان: آپ کا بیان ثنویت کے نظریے پر مبنی ہے......جسکے تحت ہر چیز میں دو اصول عمل پیرا ہوتے ہیں......مثلاً موت اور زندگی، روح اور مادّہ، خیر و شر......آپ خدا کو اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ آپ کے حواسِ خمسہ اس کا ادراک نہیں کر پاتے......ایسی اور بہت سی چیزیں بھی تو دنیا میں موجود ہیں جو حواسِ خمسہ کے دائرے میں نہیں آتیں......مثلاً الیکٹران کا بہاؤ جسے عرفِ عام میں بجلی یا کرنٹ کہا جاتا ہے......مقناطیسی لہریں، خیال اور خود آپ کی عقل......وغیرہ وغیرہ......

یاد رہے، موت بھی زندگی کی ضد نہیں ہے بلکہ زندگی کی عدم موجودگی کا نام ہے......

اب آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں......آپ کا ماننا ہے کہ انسان ارتقائی عمل سے پہلے جانور تھا......کیا آپ نے اس ارتقائی عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے......؟

عقل پرست: نہیں......!

نوجوان: جب آپ نے ارتقائی عمل کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ محض آپ اور آپ جیسے لوگوں کی محض ایک اختراع ہے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں!......

عقل پرست خاموش رہا اور محفل میں چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں......

نوجوان: (حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے) کیا یہاں کوئی ایسا فرد موجود ہے جس نے اپنی یا اپنے محترم استاد کی عقل اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو......؟

سب بے ساختہ ہنس پڑے......

نوجوان: کیا کوئی ایسا ہے جس نے ان کی عقل کو سنا، چکھا، سونگھا یا چھوا ہو......

محفل میں موجود افراد کوئی جواب دینے کے بجائے دوبارہ ہنسنے لگے......

نوجوان: (عقل پرست سے مخاطب ہوکر) لہٰذا حسی مشاہدہ، عملی کسوٹی اور منطق کی رو سے بھی آپ کی عقل کا وجود ثابت نہیں ہوتا...... چنانچہ ہم یہ کیسے مان لیں کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ درست ہے؟ آپ کے شاگرد اور پیروکار کس طرح تسلیم کرلیں کہ آپ جو کچھ انہیں تعلیم دے رہے ہیں وہ حقیقی ہے؟

عقل پرست: اسلئے کہ میں اسکالر ہوں، استاد ہوں...... انہیں میری بات کا یقین ہونا چاہیے۔

نوجوان: (مسکراتے ہوئے) یقین......! جی ہاں...... یہی یقین تو ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق پیدا کرتا ہے...... اسی یقین کی بدولت دنیا کی ہر مخلوق زندہ ہے اور پروان چڑھ رہی ہے اور اسی ''یقین'' میں ترقی کے بعد انسان کا اپنے خالق سے رابطہ بھی قائم ہوسکتا ہے...... قرآن میں اسی یقین کو ''ایمان'' کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، جو یقین کا انتہائی بلند درجہ ہے......

دنیا فہم دانشور، دین فہم دانشور

دو دانشور ایک جگہ بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

ایک نے دوسرے سے سوال کیا۔

ہم وہی زبان کیوں بولتے ہیں جو ہماری ماں بولتی تھی، ہم کھانا اس طرح کیوں کھاتے ہیں جس طرح ہمارے ماں باپ کھاتے تھے۔ ہمیں ہماری ماں جائی بہن اور مادرزاد بھائی زیادہ محبوب ہوتا ہے جبکہ ہمارے دوست بھی ہوتے ہیں اور وہ بہن بھائیوں سے زیادہ مخلص ہوتے ہیں۔

دوسرے دانشور نے جس کا نام دنیا فہم تھا...... کہا

اس لئے کہ میں، میرا بھائی، میری بہن ایک Material سے بنے ہیں ہمارا جسمانی وجود دیکھنے میں تو الگ الگ ہے لیکن فی الواقع ہمارے اندر ایک ماں کا خون دوڑ رہا ہے۔ ہمارے وجود کا ہر ایک حصہ ہر ہر عضو ماں کے خون سے تیار ہوا ہے......

ہماری مادری زبان اس لئے ہماری زبان ہے کہ ماں کے پیٹ میں بھی ہم نے وہ الفاظ سنے ہیں جو ماں بولتی تھی۔

پیدائش کے بعد ہمارے کان اسی آواز سے مانوس رہے جو الفاظ ماں کے دماغ سے لہروں کے ذریعے ہمارے کانوں میں منتقل ہوتے تھے...... کھانا ماں کی طرح ہم اسلئے کھاتے ہیں کہ ماں ہمیں لقمے بنا کر کھلاتی تھی۔

دوسرا دانشور جس کا نام دین فہم تھا۔

گویا ہوا

میرے بھائی کیا تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ یہاں ہر آدمی کی زندگی ایک کتاب کی طرح ہے...... جس طرح ایک کتاب کے کئی ابواب ہوتے ہیں...... کتنے ہی صفحے ہوتے ہیں...... صفحات پر پیرے! الفاظ! حروف! اور نقطے ہوتے ہیں۔

دنیا فہم دانشور نے کئی بار آنکھیں کھولیں اور بند کیں پلک جھپکنے کے عمل سے اس کے دماغ میں موجود اسکرین پر نہیں معلوم کب سے مدھم پڑ جانے والے نقوش ابھرے...... اور ان نقوش

میں سے اپنا بچپن ! لڑکپن ! جوانی، طبیعت میں جولانی کا درد، جذبات سے پُر زندگی کے واقعات نمایاں نظر آنے لگے اس نے دیکھا...... میں گوشت پوست کی ایک ننھی منی صورت ہوں معصوم، نرم اور مخملی پھول کی ایک تصویر......اس تصویر جس کو اپنا پرایا ہر شخص محبت بھری مخمور نظر سے دیکھتا تھا ...... پھر یہ تصویر نہیں معلوم کیوں بڑی ہوگئی۔ جیسے جیسے بڑی ہوئی، تصویر میں پھول کا حسن کم ہوتا رہا ...... معصومیت کی جگہ کرختگی آگئی۔

جو لوگ دیکھ کر خوش ہوتے تھے وہ دور ہونے لگے!

دنیا فہم دانشور نے کہا...... میں ادوار کی ستائی ہوئی ایک تصویر ہوں۔ زمانے کی اونچ نیچ، خود غرضی اور خود ستائش نے مجھے داغ داغ کر دیا ہے......!

دین فہم دانشور بولا

میری بات سنو......!

میں جب اپنی ماں کے پیٹ میں آیا...... پیٹ میں آنے سے پہلے دراصل میں اپنی ماں کے دماغ میں کتاب کے مسودے کی طرح تھا...... پھر اس مسودے کے بکھرے ہوئے اوراق ایک جگہ جمع ہوئے۔ پیدائش کے بعد ادوار زندگی میں تقسیم ہوئے تو اوراق بنے اور اوراق پر جذبات تحریر بنی اور جذبات نے جب احساسات کا جامہ پہنا تو لفظ بنے اور جذبات احساسات کے چھوٹے بڑے تقاضوں نے حروف کی شکل اختیار کر لی۔

دنیا فہم دانشور نے یہ ساری گفتگو سن کر کہا!

اے میرے دین فہم دانشور کیا تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ

لمحات سیکنڈ۔ منٹ۔ گھنٹے۔ دن۔ رات۔ مہینے اور سالوں کی تقسیم انسانی زندگی کی ایک کتاب ہے؟

دین فہم دانشور نے نعرہ تحسین بلند کرتے ہوئے کہا ہاں بے شک! زمین پر پیدا ہونے والا ہر بچہ ایک کتاب ہے اور اس کتاب کے اوراق اور تحریر اس کی زندگی ہے۔

میرے دوست!

کتاب کا پہلا ورق وہ ہے جس دن میں پیدا ہوا۔ کتاب کا آخری ورق وہ ہے جب میری کتاب کرم خوردہ ہو کر ختم ہو جائے گی۔

دنیا فہم دانشور میرے عزیز!

میں اس کتاب میں وہ سب کچھ لکھ رہا ہوں جو میں کرتا ہوں۔ جو میں سوچتا ہوں۔ جو میں سنتا ہوں یا کسی کو سناتا ہوں۔

دنیا فہم دانشور میرے دوست

یہ کتاب میری ذاتی خفیہ ڈائری ہے۔ اس میں وہی کچھ لکھا ہوتا ہے جو میں لکھتا ہوں اس کتاب میں ایک نقطہ لگانے کا بھی کسی دوسرے کو اختیار نہیں۔ اس کتاب کا مصنف میں خود ہوں اس کتاب کو پڑھنے والا بھی میں خود ہوں۔ میں نے یہ کتاب خود اپنی کاوش سے لکھی ہے...... لیکن جب قلم خشک ہو جائے گا میں اپنی لکھی ہوئی اس کتاب میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا ایک حرف بھی اس خودنوشت کتاب میں سے قلم زد نہیں ہو سکتا۔

دنیا فہم دانشور...... گھبرا کر بولا

یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ میں اپنی کتاب خود کیوں لکھ رہا ہوں۔ میں اتنا مجبور اور بے بس کیوں ہوں کہ اپنی لکھی ہوئی تحریر میں ایک حرف کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ایک نقطہ حذف نہیں کر سکتا۔

دین فہم دانشور نے کہا

جس نے میرے باپ، میری ماں، میرے باپ کے باپ اور میری ماں کی ماں کو پیدا کیا ہے اور انہیں اپنی کتاب حیات لکھنے کا اختیار دیا ہے...... وہ ہستی چاہتی ہے کہ اس کی بنائی ہوئی تصویر خوشنما ہے تصویر بدنما نہ ہو اور جب کوئی تصویر خود کو بدنما اور بدہیئت بنا لیتی ہے تو وہ ہستی ناخوش ہو جاتی ہے...... خوشی اور ناخوشی بھی ایک تحریر ہے۔ وہ ہستی چاہتی ہے کہ کتاب حیات خوب صورت، خوشنما رہے اور داغ دھبوں سے پاک ہو...... اور جب تصویر کتاب حیات کو خراب کر دیتی ہے تو کتاب کے اوپر لکھی ہوئی تحریر بھی خراب ہو جاتی ہے یہاں اور وہاں دونوں جہاں میں عذاب بن جاتی ہے۔

وہ ہستی چاہتی ہے کہ تصویر کو خراب نہ کیا جائے تصویر کی پھول جیسی معصومیت برقرار رہے، چہرے کا نکھار، فرشتوں کا حسن بنا رہے۔

یہ سب باور کرانے کے لئے اس ہستی نے جو تصویر کا خالق ہے...... ہمیں بتاتا ہے:۔

''وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں طرح طرح کی تصویر کشی کرتا ہے۔''

(سورۃ آل عمران۔ آیت 6)

تصویر کے خالق نے اپنے پاس سے ایک کتاب لکھ کر دی ہے جس میں تمام ہدایت جمع کر دی ہیں۔ پڑھ اپنی کتاب......آج اپنے اعمال کا جائزہ لینے کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔

جن لوگوں نے اپنی کتاب زندگی کی حفاظت نہیں کی اور اپنی خوبصورت تصویر کو خراب کر دیا ان کے لئے تصویر کا خالق اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

''وہ کیسا دن ہوگا جب تم لوگ پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز چھپا نہیں رہے گا، اس وقت جس کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا لو دیکھو، پڑھو میرا نامہ اعمال۔ میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے، پس وہ دلپسند عیش میں ہوگا مزے سے کھاؤ، پیو، اپنے ان نیک اعمال کے صلے میں جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کئے ہیں۔''

(سورۃ الحاقہ۔آیت 24-18)

سات سال کا بچہ

استاد نے لیکچر کا آغاز کرتے ہوئے ایک گلاس اٹھایا جس میں بہت تھوڑی مقدار میں پانی موجود تھا۔

استاد نے گلاس کو ہاتھ میں اُٹھا کر بلند کر دیا، تا کہ تمام طالب علم اسے دیکھ لیں۔

پھر اس نے طالب علموں سے سوال کیا،'' تمہارے خیال میں اس گلاس کا وزن کیا ہوگا......؟''

''پچاس گرام......!''

''سو گرام......''

''ایک سو پچیس گرام......!''

ہر ایک نے اپنے اپنے اندازوں سے جواب دیا۔

استاد کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا'' میں خود درست وزن نہیں بتا سکتا، جب تک کہ میں اس کا وزن نہ کرلوں......!''

لیکن میرا سوال یہ ہے کہ اگر میں اس گلاس کو چند منٹوں کیلئے اسی طرح اٹھائے رہوں تو کیا ہوگا......؟''

''کچھ نہیں ہوگا!'' طالب علموں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، اب یہ بتاؤ کہ اگر میں اس گلاس کو ایک گھنٹے تک یوں ہی اٹھائے رہوں تو پھر کیا ہوگا......؟ استاد نے پوچھا۔

''آپ کے بازو میں درد شروع ہو جائے گا......'' طلباء میں سے ایک نے جواب دیا۔

''تم نے بالکل ٹھیک کہا''......

استاد نے تائید کی اور دوبارہ دریافت کیا'' اب یہ بتاؤ کہ اگر میں گلاس کو دن بھر اسی طرح تھامے رہوں تو کیا ہوگا......؟''

''آپ کا بازو شل ہو جائے گا......'' ایک طالب علم نے کہا۔

"آپ کا پٹھا اکڑ سکتا ہے۔" ایک اور طالب علم بولا......

"بہت اچھا! لیکن اس دوران میں کیا گلاس کا وزن تبدیل ہوا؟"......

"نہیں......" طالب علموں نے جواب دیا۔

"تو پھر بازو میں درد اور پٹھا اکڑنے کا سبب کیا تھا؟"......

استاد نے پوچھا۔

طلباء وطالبات خاموش رہے......

"گلاس!" ایک طالب علم نے کہا۔

"تم نے بالکل درست کہا!...... ہماری زندگی کے مسائل بھی کچھ اسی قسم کے ہیں......آپ انہیں اپنے ذہن پر چند منٹ سوار رکھیں تو وہ ٹھیک ٹھاک لگتے ہیں......انہیں زیادہ دیر تک سوچتے رہیں تو وہ آپ کیلئے سر کا درد بن جائیں گے......انہیں اور زیادہ دیر تک تھامے رہیں تو آپ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

مذکورہ استاد کی تھیوری سو فیصد درست ہے...... آج ہم نے روزمرہ زندگی کے بہت سے چھوٹے، غیر اہم اور معمولی نوعیت کے معاملات کو اس قدر اہمیت دے رکھی ہے کہ ان کا بوجھ ہمہ وقت اپنے ذہن پر اٹھائے لیے پھرتے ہیں...... یوں ہماری توانائیاں ضائع ہوتی رہتی ہیں...... لاعلاج امراض میں اضافہ ہو رہا ہے...... ہر دوسرا فرد ڈپریشن، ٹینشن اور اعصابی دباؤ میں مبتلا ہے......

ہماری ایک پریشانی یہ بھی ہے کہ ہم جب بھی بات کرتے ہیں مستقبل کا ہی رونا روتے رہتے ہیں......ہمیں ہمیشہ مستقبل کی ہی فکر لاحق ہوتی ہے......

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رازق اللہ تعالیٰ ہے...... ہمارا تجربہ بھی یہی ہے کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے......ماں کے پیٹ سے لے کر اٹھارہ بیس سال کی عمر تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح رزق عطا کیا ہے کہ آپ نے کوئی محنت مزدوری نہیں کی اور جب بیس سال کی عمر سے آپ آگے نکل جاتے ہیں، تھوڑا سا پڑھ لکھ جاتے ہیں، بازو میں تھوڑی بہت جان آ جاتی ہے تو پھر ہر فرد کل کی فکر میں دُبلا ہونے لگتا ہے......

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ سے فرمایا تھا:

"اگر خوش رہنا ہے......اگر جنت کی زندگی میں واپس پلٹنا ہے......اگر دنیا کی پریشانیوں سے آزاد ہونا ہے تو تم عمر میں کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہو جاؤ تمہاری کیفیت اللہ تعالیٰ کے سامنے سات آٹھ سال کے بچے سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے......"

جبکہ صورتحال یہ ہے کہ بڑے ہو کر تو آپ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ میں کماؤں گا نہیں تو کھاؤں گا کہاں سے؟......

یہ پریشانی آپ نے اپنے اوپر از خود مسلط کر لی ہے......

آج کا انسان اس لئے بے سکون اور پریشان ہے کہ میرے خیال میں وہ اپنے بچپن سے دور ہو گیا ہے......

آپ دیکھیں کہ بچوں میں سکون واطمینان کی طرزیں بڑوں سے زیادہ ہوتی ہیں......

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ میرے کپڑے کیسے بنیں گے......؟

میرے جوتے کیسے آئیں گے......؟

میرے اسکول کی فیس کس طرح ادا کی جائے گی......؟

وہ اپنے تمام معاملات کو اپنے والدین کے سپرد کر کے اپنی ساری توجہ زیادہ سے زیادہ سیکھنے پر مرکوز کر دیتے ہیں......

بچپن کے رویئے میں بڑوں کیلئے زبردست پیغام چھپا ہوا ہے......

سب کا کفیل اللہ تعالیٰ ہی ہے......

وہ اپنی مخلوق کی تمام ضروریات ہر لمحہ پوری کر رہا ہے لیکن جب انسان اس قابل ہوتا ہے کہ وہ روزی تلاش کر سکے تو اکثر اس کا اس بات پر سے یقین ٹوٹ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کفالت کر رہا ہے......

نتیجے میں وہ بے سکون ہو جاتا ہے......

اگر ہمارا یقین اسی طرح اللہ تعالیٰ پر قائم ہو جائے جس طرح بچپن میں اپنے والدین پر یقین رکھتے تھے تو ہمارے اندر سکون داخل ہو جائے گا......

فقیر کی بات

ہر انسان یہ بات جانتا ہے کہ آدم زاد نشیب وفراز میں زندگی گزارتا ہے۔نشیب وفراز سے مراد ......پُر مسرت زندگی اور رنج والم کی کفیات ہیں۔جس طرح ایک آدمی شاداں وفرحاں اور پریشان کُن جذبات واحساسات کا مرکب ہے اسی طرح چیونٹی کے اندر بھی تلاش اور اضطراب موجود ہے۔معاش کے حصول کے لئے جس طرح آدم جدوجہد کرتا ہے اسی طرح مکھی بھی جدوجہد کرتی ہے۔

''اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی، چھڑا نہ سکیں وہ اس سے۔''

(سورۃ الحج۔آیت 73)

آدم کی طرح ...... پرندے، چرندے، درندے اور اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق بھی اپنی اولاد کی تربیت میں سرگرداں رہتی ہے۔شیر اپنے بچے کو معاش حاصل کرنے کے لئے وہ تمام گُر بتا دیتا ہے جو اسکی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔''

ہر نوع اپنی ضروریات اور تقاضوں سے آگاہ ہے۔

کیا کبھی آپ نے دیکھا ہے......

بھینس نے بچھڑے کو جنم دیا ہو۔

کسی کبوتر نے اپنے بچے کے علاوہ چوگا چوزے کے منہ میں ڈالا ہو۔

اونٹ، بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں شامل ہوگیا ہو۔

مور کے پر کوؤں پر نمودار ہو گئے ہوں۔

آدمی پیدا ہوتا ہے......روزی کماتا ہے۔گھر بناتا ہے......شادی کرتا ہے۔بچوں کی پرورش کرتا ہے......یہ سب کام دوسری مخلوق بھی کرتی ہے۔دو مرغ آپس میں لڑتے ہیں۔ہر ایک اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے خونم خون ہو جاتا ہے۔بلی کو سردی لگتی ہے تو آدمی بھی سردی سے کپکپاتا ہے۔

کائنات میں موجود ہر شئے متحرک ہے اور حرکت شعور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو سونپنا چاہا تو آسمانوں۔زمین اور پہاڑوں نے معذرت پیش کردی......کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آسمان، زمین اور پہاڑ

انکار یا اقرار کا شعور رکھتے ہیں اور جب شعور رکھتے ہیں تو مسلسل حرکت میں ہیں۔نشوونما کے دور سے گزر رہے ہیں۔جوانی اور بڑھاپے میں داخل ہورہے ہیں۔

''تم دیکھتے ہو...... پہاڑ جمے ہوئے ہیں حالانکہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہیں۔''

(سورۃ النمل۔آیت 88)

انکار یا اقرار میں یہ راز مخفی ہے کہ یہ دونوں باتیں شعور میں اس وقت آتی ہیں جب آواز سُنی جائے......سوچ کر فیصلہ کیا جائے......کسی چیز کو رد کیا جائے یا قبول کیا جائے۔یعنی جس طرح آدمی سنتا ہے پتھر بھی سنتا ہے۔جس طرح آدمی سوچتا ہے درخت بھی سوچتا ہے۔جس طرح آدمی بولتا ہے زمین کے ذرات بھی بولتے ہیں۔

ذرا غور تو کیجئے!

جب پتھر بول سکتا ہے......سن سکتا ہے......اپنی ہستی کے بارے میں اسے علم ہے کہ میرے اندر کتنی سکت اور صلاحیت ہے......وہ اپنے بارے میں صحیح اندازے بھی رکھتا ہے......تو پھر انسان پتھر سے کس طرح اشرف ہوا؟

''ہماری امانت کو انسان نے قبول کرلیا، بے شک یہ ظالم اور جاہل ہے۔''

(سورۃ الاحزاب۔آیت 72)

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ سماوات، ارض اور جبال ظالم اور جاہل نہیں ہیں۔انسان ظالم اور جاہل ہے۔اس لئے ظالم اور جاہل ہے کہ اس نے سوچے سمجھے بغیر کہ میں اس امانت کی ذمہ داری پوری کرسکتا ہوں یا نہیں......امانتِ ارضی وسماوی کو قبول کرلیا۔

اشرف المخلوقات کے دائرے میں کوئی انسان اس وقت داخل ہوتا ہے جب امانت اور اس کی حکمت سے باخبر ہو۔اگر امانت سے بے خبر ہے تو اس کی حیثیت دوسری مخلوق سے برتر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت اور خلافت کا تذکرہ امانت کے نام سے کیا ہے یعنی خلافت اور نیابت سے متعلق ایسے علوم جن میں کائنات کو تسخیر کرنے کے فارمولے ہیں۔

امانت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ آدمی ذہنی اعتبار سے یہ تسلیم کرلے کہ امانت میری ذاتی ملکیت نہیں ہے۔امانت میں اجازت سے تصرف تو کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہتی ہے کہ فلاں چیز کس کی دی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی امانت قبول کرکے اس کی حفاظت نہ کرنا اور اس سے فائدہ نہ اُٹھانا کُفرانِ نعمت ہے......کفرانِ نعمت ناشکری ہے......جو بندہ شکر گزار نہیں ہوتا سکون اس سے روٹھ جاتا ہے۔مصائب وآلام اس کا گھیراؤ کرلیتے ہیں۔آدمی قیدوبند کی زندگی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مرجاتا ہے......فیضانِ قدرت سے محروم رہتا ہے۔

ایک گھر ہے......اس میں ایک کمرہ ہے......کمرے میں بڑی الماری ہے۔الماری میں زروجواہر بھرے ہوئے ہیں......گھر کا مکین نہ تو کمرے میں جاتا ہے اور نہ ہی الماری کھول کر زروجواہر سے فائدہ اٹھاتا ہے۔نامُرادی، افلاس اور بدحالی ایسے فرد کا مقدر بن جاتی ہے۔

آج کے دور میں نوعِ انسانی کا ہر فرد......نامُراد ہے۔بدحالی بے سکونی اور Tension میں مبتلا اسلئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خزانوں سے بے بہرہ ہے۔گھر میں موجود خزانوں کو ہاتھ نہیں لگاتا لیکن کشکول گدائی لے کر گلی گلی بھیک مانگتا پھرتا ہے......جبکہ وسائل انسان کیلئے تخلیق کئے گئے ہیں۔

اے دوستوں!

غور کرو......کچھ عقل سے کام لو!

اس وقت دنیا کی انسانی آبادی چھ ارب ہے۔چھ ارب انسان صبح ناشتہ کرتے ہیں۔دوپہر لنچ کھاتے ہیں، رات کو ڈنر کرتے ہیں......اور جو جی چاہتا ہے کھاتے پیتے ہیں۔

اے انسانی برادری!

صرف دنیا کے حساب کتاب میں ہر وقت مصروف رہنے والی دنیا کے باسیو!

فقیر کی بات سنو! اس پر دھیان دو!

''ہر روز اللہ تعالیٰ کے دسترخوان پر......اپنی پسند سے اٹھارہ ارب آدمی کھانا کھاتے ہیں......اور یہ سلسلہ صدیوں سے جاری وساری ہے اور قیامت تک یونہی جاری رہے گا......''

اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بے حساب رزق دیتا ہے......

اِن اللّٰہ یرزق من یشآءُ بغیرِ حساب O

''بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔''

(سورۃ آلِ عمران۔آیت 37)

موت کی حقیقت

ایک بادشاہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنے سپہ سالاروں اور غلاموں کے جلوس میں نہایت قیمتی کپڑوں اور بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر محل سے باہر نکلا تو یکا یک اس کے سامنے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک بوڑھا آ گیا اور آداب بجالایا مگر مغرور بادشاہ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ بوڑھے نے بادشاہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلتے گھوڑے کو روک دیا اور بادشاہ سے کہا'' مجھے کچھ آپ سے عرض کرنا ہے''۔

بادشاہ غرور کے ساتھ بولا'' بات کرنے کا یہ کونسا طریقہ ہے۔ جلوس ختم ہونے کا انتظار کر''۔

بوڑھے نے کہا'' مجھے جو کچھ کہنا ہے اس کے لئے میں انتظار نہیں کر سکتا'' بوڑھے کے لہجہ میں ایسا رعب تھا کہ بادشاہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے کہا'' بولو! کیا بولتے ہو''؟

بوڑھے نے کہا'' جو بات میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ کسی اور کو معلوم نہیں ہونا چاہیے'' بادشاہ نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی۔ بوڑھے نے سرگوشی کے انداز میں کہا...... '' اے مغرور بادشاہ! میں ملک الموت ہوں''

بادشاہ کے اوپر جیسے سکتہ طاری ہو گیا اور اس نے منت سماجت شروع کر دی۔ رو کر کہا......

'' مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دے دو تا کہ میں بیوی بچوں کو آخری مرتبہ دیکھ لوں''۔ بوڑھا بولا......

'' ایک لمحہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اب تم کسی بھی طرح بیوی بچوں کو نہیں دیکھ سکو گے کیونکہ تمہاری عمر کا صرف ایک لمحہ باقی رہ گیا ہے......'' دیکھتے ہی دیکھتے بادشاہ کو ہچکی آئی اور گھوڑے پر سے زمین پر گر پڑا۔

اس کے بعد ملک الموت ایک مومن آدمی کے پاس گیا۔ جا کر مومن بندے کو سلام کیا اور کہا...... '' مجھے آپ سے ایک راز کی بات کرنی ہے''۔

مومن آدمی نے خوش دلی کے ساتھ کہا'' بتاؤ! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''۔

بوڑھے آدمی نے کہا'' میں ملک الموت ہوں۔ آپ کے پاس سلام کے لیے حاضر ہوا ہوں''۔

مومن آدمی نے کہا...... ''الحمد للہ! تم آ گئے۔ میں عرصہ سے تمہارا انتظار کر رہا تھا کہ تم آؤ اور میں اپنے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں''۔

ملک الموت نے عرض کیا......

'' آپ مجھے بتائیں کہ میں کس طرح آپ کی روح آپ کے جسم سے الگ کر کے لے جاؤں؟''

مومن بندے نے کہا...... ''مجھے اتنی مہلت دو کہ میں وضو کر کے سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور چلا جاؤں تم میری روح نکال لو''۔

عزرائیلؑ نے ایسا ہی کیا اور مومن بندے کی روح اللہ کی بارگاہ میں حاضر کر دی۔

☆☆☆

ایک آدمی زندگی بھر مال و دولت جمع کرتا رہا...... بے انتہا زر و جواہر جمع کر کے اس نے ایک عالیشان محل بنایا۔ محل کے آہنی مضبوط دروازے پر دو طاقتور دربان مقرر کئے...... ایک دن دولت مند آدمی کو خیال آیا...... کہ عزیز رشتہ داروں اور دوست احباب کو اپنی شان و شوکت دکھانی چاہیے۔ اس نے سب کو پر تکلف کھانے پر بلایا...... اور مجلس میں خود زربفت کے گول تکیہ سے کمر لگا کر بیٹھ گیا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ انواع و اقسام کے کھانے دسترخوان پر چنے ہوئے تھے۔ لذیذ اور مرغن غذائیں لوگ کھانے میں مصروف تھے کہ ایک فقیر دروازے پر آیا...... اور دستک دی۔

پتہ نہیں کس قسم کی دستک تھی کہ لگا زلزلہ آ گیا ہے...... دروازے بجنے لگے...... دیواریں ہلنے لگیں اور حاضرین کے دل دہل گئے۔ دروازے پر کھڑے طاقت ور دربانوں نے گرج دار آواز میں فقیر کو ڈانٹا اور کہا...... ''صبر کر! ہم تجھے بھی کھانے کو دیں گے''۔

فقیر درویش نے کہا'' اپنے مالک سے کہو کہ مجھے اس سے ایک ضروری کام ہے......''

بہت دیر بعد ایک دربان نے مالک کو خبر دی کہ ایک درویش آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

امیر کو یہ بات بہت ناپسند ہوئی...... اس نے دربان کو ڈانٹ کر کہا'' یہ کیا بدتمیزی ہے۔ جاؤ اسے کچھ دے دلا کر واپس کر دو۔''

دربان جب واپس آیا تو درویش جلال میں آ گیا اور اس نے کہا...... '' اپنے مالک سے کہہ دے...... میں ملک الموت ہوں''۔

یہ سن کر ڈائننگ ہال میں موجود تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور پیر

ٹھنڈے پڑ گئے۔ امیر نے کہا'' کیا تمہارے لیے میرا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟''

درویش بولا...... ''نہیں!'' امیر نے اپنی ساری دولت، سونے کے جواہرات، نقدی چاندی کے زیورات، طلائی برتن، ہیروں جڑی انگوٹھیاں سب جمع کر دیں اور کہا یہ سب لے جاؤ......

درویش نے کہا'' یہ دولت تیری دشمن ہے۔ تیرے ساتھ نہ پہلے اس نے وفا کی ہے نہ اب کرے گی۔''

امیر نے بڑی حسرت سے دولت کی طرف دیکھا اور کہا...... '' اے دولت! تم نے مجھے دھوکا دیا۔ میں سمجھتا تھا کہ تو میری ساتھی ہے۔ میرے کام آئے گی...... لیکن آج یہ حقیقت کھلی کہ تو میرے لیے حسرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں تجھے چھوڑے جا رہا ہوں اور تیرے اوپر لعنت بھیجتا ہوں''۔

دولت کو اللہ تعالیٰ نے زبان عطا کی اور دولت گویا ہوئی'' میرے اوپر کیوں لعنت بھیجتا ہے...... اپنے اوپر لعنت بھیج...... میں تو تیرے پاس اس لیے آئی تھی کہ تو میرے ذریعہ آخرت کا سامان جمع کرے...... غریبوں کو خیرات دے...... مساجد اور پل تعمیر کرے...... لیکن...... تو نے مجھے اپنے خزانے میں قید کر دیا...... مجھے جمع کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ کیلئے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا...... جو بھی کچھ خرچ کیا اپنے اوپر خرچ کیا......'' ابھی دولت امیر مرد کو لعن طعن کر رہی تھی کہ امیر آدمی سر کے بل تخت سے نیچے گرا اور مر گیا۔

☆☆☆

حضرت عزرائیلؑ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے اور کئی مرتبہ ان کے مصاحب کو گھور کر دیکھا۔ حضرت عزرائیلؑ کے جانے کے بعد مصاحب نے حضرت سلیمانؑ سے پوچھا'' یہ کون شخص تھا...... مجھے گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا۔'' حضرت سلیمانؑ نے جواب دیا'' یہ شخص ملک الموت تھا۔'' مصاحب نے حضرت سلیمانؑ سے عرض کیا'' مجھے خوف آ رہا ہے کہ ملک الموت مجھے لے جائے گا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت دی ہے۔ ہوا پر آپ کی حکمرانی ہے۔ آپ ہوا کو حکم دیں کہ مجھے اُڑا کر ہندوستان لے جائے تاکہ میں ملک الموت کی دسترس سے بچ سکوں'' حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دیا اور ہوا نے مصاحب کو اڑایا اور ہندوستان پہنچا دیا...... تھوڑی دیر کے بعد حضرت عزرائیلؑ پھر آ گئے اور حضرت سلیمانؑ نے اُن سے پوچھا کہ'' تم اس آدمی کی طرف بار بار گھور کر

کیوں دیکھ رہے تھے؟'' حضرت عزرائیل نے عرض کیا...... ''مجھے حکم تھا اس بندے کی روح میں ہندوستان میں قبض کروں۔ میں تردّد میں تھا کہ ہندوستان تو یہاں سے بہت دور ہے۔ یہ بندہ وہاں کیسے پہنچے گا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ہوا کو حکم دیا......اس بندے کو ہوا ہندوستان لے گئی۔ میں اس کے تعاقب میں ہندوستان پہنچا اور وہاں میں نے اس کی روح قبض کر لی......

☆☆☆

شداد نے پہلے خدائی کا دعویٰ کیا اور پھر جنت کی تعمیر شروع کر دی...... حیرت اس بات پر ہے کہ شداد کو کبھی خیال نہیں آیا کہ اس کی پیدائش کس طرح ہوئی......؟ نو مہینے ماں کے پیٹ میں اس نے کون سی غذا حاصل کر کے نشوونما پائی؟ پیدائش کے بعد خون کی بدلی ہوئی صورت ماں کا دودھ پیتا رہا اور خدائی کا دعویٰ کرتے وقت اسے یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ ہر وقت اس کے پیٹ میں دوڈھائی سیر پاخانہ بھرا رہتا ہے...... پیشاب کی حاجت اسے ہوتی ہے...... پسینہ سے اس کے بدبو آتی ہے......نہا کر بالوں میں کنگھی نہ کرے تو کوئی اس کے قریب نہیں بیٹھ سکتا۔ بہرحال اس ظالم اور جاہل اور ناشکرے انسان نے پہلے خدائی کا دعویٰ کیا...... اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے خود کو سجدہ کرایا...... اور ان لوگوں کے لیے جن سے وہ خوش تھا۔ جنت بنانا......شروع کر دی۔

جنت بناتے وقت اسے خیال آیا...... ہوسکتا ہے میں جنت دیکھ ہی نہ سکوں۔ جنت کی تعمیر پوری ہونے سے پہلے مر جاؤں تو اس نے محل سے نکل کر جنگل کی راہ لی۔ وہاں شاہی لباس اور قیمتی زیورات اتار کر معمولی کپڑے زیب تن کئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑایا...... عاجزی اور انکساری سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی ''یا اللہ! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میری موت میرے چاہنے کے مطابق آئے''۔

اللہ تعالیٰ بڑے ہیں......اور بہت بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مانگ! کیا مانگتا ہے''

شداد نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا...... ''میری موت اس طرح آئے کہ میں نہ بیٹھا ہوں، نہ کھڑا ہوں نہ لیٹا ہوں، نہ چل رہا ہوں نہ گھر میں ہوں، نہ باہر ہوں نہ دروازے پر ہوں، نہ اندر ہوں، نہ خلا میں ہوں، نہ زمین پر ہوں نہ میں سواری پر ہوں......

''غرض یہ کہ اس نے اپنی دانست میں وہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں جس

سے اس کو یہ یقین ہوگیا کہ اب میں مر نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں قبول فرمالیں۔ شداد بڑا خوش ہوا کہ اب میں کبھی مر ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ میرے بندے ہونگے...... میں ان کا خدا ہوں گا۔ جس طرح چاہوں گا لوگوں پر حکم چلاؤں گا۔ جسے چاہوں گا قتل کر دوں گا۔ جسے چاہوں گا جنت میں بھیج دوں گا......

قصہ کوتاہ...... جنت تیار ہوگئی اور جنت کے معائنہ کے لیے ایک دن مقرر ہوگیا...... دبدبے اور پوری شان وشوکت سے حشم وخدم، فوج اور درباریوں کے ساتھ جنت دیکھنے کے لیے گھوڑے پر سوار شداد صاحب خراماں خراماں محل سے باہر آئے...... جنت کے دروازے میں ابھی گھوڑے نے اگلے دو پیر رکھے ہی تھے کہ گھوڑا اڑیل ٹٹو بن گیا۔ اسے جب مارا پیٹا گیا، لگام کھینچی تو گھوڑا منہ زور ہوگیا اور دو ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا۔ جب اس بات کا خطرہ پیدا ہوا کہ شداد گر کر مر جائے تو رائے یہ ہوئی کہ شداد کو گھوڑے پر سے اتار لیا جائے۔ غلام آگے بڑھے اور شداد نے رکاب سے پیر نکالا اور پیر غلاموں کے ہاتھوں پر رکھا۔ ایک پیر غلاموں کے ہاتھوں پر تھا دوسرا پیر رکاب میں تھا کہ ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی......

یہ سب کچھ ہوا تو ملک الموت کو رحم آیا...... اور ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ''یا اللہ! آپ بڑے ہیں...... کائنات سے بھی بڑے ہیں...... سب سے ہی بڑے ہیں۔ اگر آپ اس کو جنت دیکھنے دیتے تو یہ حسرت میں نہ مرتا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تو جانتا ہے یہ کون ہے......؟ اور دیکھ زمین پر دیکھ''

ملک الموت نے دیکھا...... کہ پانی کا ایک بڑا جہاز ہے۔ اس جہاز پر دریائی قزاق چڑھ دوڑے۔ انہوں نے وہاں لوٹ مار کی۔ اس لوٹ مار میں اور شور وغوغا میں جہاز کا توازن برقرار نہیں رہا اور مسافروں اور ڈاکوؤں سمیت جہاز پانی میں غرق ہوگیا...... جہاز میں ایک نوزائیدہ بچہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے کہا ''اس بچے کو تختہ پر لٹا کر سمندر میں چھوڑ دو......'' ملک الموت نے حکم کی تعمیل کی لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ یہ بچہ کیسے محفوظ رہے گا......؟

اللہ تعالیٰ نے کہا ''یہ وہی بچہ ہے جس کے بارے میں تجھے خیال تھا کہ یہ کس طرح زندہ رہے گا؟'' ہم نے اس کی حفاظت کی۔ اس کی پرورش کی۔ اس کو طاقت دی اور اس نے خدائی کا دعویٰ کر کے جنت بنائی اور دعا مانگی کہ اس کی موت نہ آئے۔ اس نے ہمارے ساتھ مکر کیا''۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

ذرّات میں شاہوں کا سراپا ہے یہ
اک معرکۂ اجل کی دنیا ہے یہ
اڑتی ہے جو گرد پاؤں کی ٹھوکر سے
خاکستر اسکندر و دارا ہے یہ

☆☆☆☆

دس لاکھ برس جو چل چکا ہے وہ بھی
کل جس نے کہ آغاز کیا ہے وہ بھی
یہ راہِ فنا ہے سب اس میں ہیں ہمراہ
پہلے جو چلا ہے اب جو چلا ہے وہ بھی

☆☆☆☆

کہتا ہے کوئی غمزدگی اچھی ہے
کہتا ہے کوئی کہ بے خودی اچھی ہے
اک آن میں کردیتی ہے کُل قصہ پاک
میں کہتا ہوں سب سے موت ہی اچھی ہے

☆☆☆☆

تاریخ خود کو دہراتی ہے

بلیک ہول پھیل رہا ہے......

برف پگھل رہی ہے......

بادل گرج رہے ہیں......

بجلی چمک رہی ہے......

آندھیاں چل رہی ہیں......

موسلا دھار بارش برس رہی ہے......

سمندر خوفناک طوفان بن گئے ہیں......

دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک ہر آدمی پریشان اور لرزہ ہے......

ماحولیات کے ماہرین نے قطبین پر سے برف کے چند نمونے لے کر اس کا تجزیہ کیا ہے...... انہوں نے کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن اور آکسیجن کے مرکبات اور سلفر و آکسیجن سے بننے والی گیسوں کے تقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار نمونے جمع کیے ہیں...... تجزیہ کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ ہر دس ہزار سال بعد ہوا میں ان گیسوں کی مقدار اپنی انتہا کو پہنچ کر اچانک نیچے گر جاتی ہے......اور یہ Cycle ہر دس ہزار سال بعد دہرایا جاتا ہے......

ہر دس ہزار سال کے بعد ایک بلیک ہول زمین کے اس قدر نزدیک سے گزرتا ہے کہ وہ نظامِ شمسی میں موجود سیاروں کو اپنی طرف کھینچتا تو نہیں ہے...... لیکن سیاروں کے موسموں کے تغیر میں زبردست تبدیلی آجاتی ہے......

بارشوں کی کثرت...... ہواؤں کا زور...... سمندروں کے طوفان ...... پہلے بھی آچکے ہیں...... تاریخ میں لکھا ہے کہ زمین سے اس قدر پانی ابلا تھا اور آسمان سے اتنا زیادہ پانی برسا تھا کہ خشک زمین سمندروں میں تبدیل ہوگئی تھی...... اس وقت کی آبادی جتنی بھی ہو لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کی اس تباہی و بربادی میں حضرت نوحؑ کیساتھ ایک جماعت بچی تھی......

چالیس دن تک پانی برستا رہا...... زمین سے پانی ابلتا رہا...... پانی بڑھتا چلا گیا اور ہر شے

پانی میں ڈوب گئی...... آخری الہامی کتاب قرآن مجید میں مذکور ہے......

''اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے، ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے رُوبرو بناؤ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا اور وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے...... تو نوح نے کشتی بنانی شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے۔ وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے...... اور تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوگا...... یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا اور ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم میں سے جوڑا جوڑا (یعنی دو جانور۔ ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو۔ ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔ نوح نے کہا کہ خدا کا نام لے کر اس میں سوار ہو جاؤ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے...... اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی۔ (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے)۔ اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو الگ تھا پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں میں شامل نہ ہو...... اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا اور وہ مجھے پانی سے بچا لے گا...... انہوں نے کہا کہ آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر جس پر خدا رحم کرے۔ اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہوئی اور وہ ڈوب گیا اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت ہے۔''

(سورہ ہود، آیت 36-44)

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب طرح کے لوگ موجود ہیں...... سیدھے سادے معصوم لوگ...... پیار و محبت کرنے والے لوگ...... قوم کی فلاح و بہبود چاہنے والے لوگ...... نظامِ کائنات پر غور و فکر کرنے والے لوگ اور اللہ تعالیٰ سے دوستی کرنے والے لوگ......

اس کے برعکس دوسرے گروہ میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں، جن کی زندگی کا مقصد ذاتی منفعت، خود غرضی، لوٹ مار، دوسروں کو اپنا غلام بنانا، معاشرے میں ایسی قدریں نافذ کر دینا جن سے ہر آدمی کا سکون غارت ہو جائے اور صنعت و تجارت کے نام پر ایسا جال پھینک دینا جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق روتی اور کراہتی رہے......

معاشرے میں جب ایسی منفی قدریں زیادہ ہو جاتی ہیں تو قدرت کا اپنا ایک فیصلہ ہے...... ایک جاری و نافذ قانون ہے...... کہ وہ معاشرے کی ان برائیوں کو دھونے کیلئے، خود غرضی ختم کرنے کیلئے اور زمین پر فساد پھیلانے والوں کی گوشمالی کیلئے تبدیلی لاتی ہے......

جہاں زمین ہے وہاں پانی آ جاتا ہے......

جہاں پانی ہے وہاں خشک زمین ظاہر ہو جاتی ہے......

آج کے دور میں جو کچھ ہو رہا ہے...... یہی حالات و واقعات حضرت نوحؑ کے دور میں بڑی شدّ و مد سے کارفرما تھے......

حضرت نوحؑ جب قوم کو بداخلاقی سے روکتے تھے اور انسانی اخلاقیات کی تلقین کرتے تھے تو لوگ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر پوری قوت سے چلاتے تھے...... وہ کہتے تھے کہ تم ہمیں عذاب سے ڈراتے ہو جبکہ ہمارے حالات تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔

آج انسان خود اپنا اور اپنی نوع کا دشمن بن گیا ہے...... اتنے بم، راکٹ لانچرز، میزائل اور ایٹمی ہتھیار زمین پر جمع ہو گئے ہیں کہ زمین پر اتنے شہر آباد نہیں...... قانون یہ ہے کہ جب کوئی چیز وجود میں آ جاتی ہے تو کبھی نہ کبھی اس کا استعمال ضرور ہوتا ہے......

ہر انسان کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جب یہ بم تباہی پھیلائیں گے تو کیا زمین جل کر خاکستر نہ ہو جائیگی؟

امن کے نام پر جو آگ کے الاؤ اور چھپی ہوئی آگ کی بھٹیاں بنائی جا رہی ہیں...... کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان خود کو ختم کر دینا چاہتا ہے؟......

دانشوروں اور رحم دل انسانوں کو چاہیئے کہ باہم شیر و شکر ہو کر رہیں...... جس طرح ایک شہر

میں بہت سارے محلے ہیں...... بہت سارے گھر ہیں......اور ایک گھر کے افراد خوش باش زندگی گزارتے ہیں، اسی طرح زمین پر آباد سارے ممالک اپنی سرحدوں میں ملکی ترقی کیلئے کوشاں رہیں اور اسکی حفاظت کریں۔

زر پرستی ! شرک کی ایسی آگ ہے جس سے ہر کوئی جل کر راکھ ہوجاتا ہے......اللہ تعالیٰ ستارالعیوب اور غفارالذنوب ہیں...... گناہ معاف کردیتے ہیں مگر دولت پرستی ناقابلِ معافی جرم ہے......اس لئے کہ دولت پرستی شرک ہے......

عظیم روحانی انسان قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا کہ......

''نوعِ انسانی دین اور اخلاقی قدروں سے اتنی دور ہوگئی ہے کہ اس کے شعور پر حیوانیت کا غلبہ نظر آنے لگا ہے۔''

یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات انسان کیلئے بنائی ہے...... جب انسانی قدریں پائمال ہوجاتی ہیں تو انسان اپنے شرف سے محروم ہوجاتا ہے......اور اس کے اوپر طرح طرح کی بیماریاں ......طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں نازل ہوتی رہتی ہیں......

مستقبل کا خوف، ایک دوسرے پر عدم اعتماد، شکوک وشبہات، وسوسے اور بے یقینی یہ سب بھی ہمارے تعاقب میں ہیں......

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

کم وبیش دس ہزار سال بعد زمین تہہِ آب آجاتی ہے......

ایسے شواہد سامنے آتے رہیں گے جن سے طوفان آنے کی تصدیق ہوجائے گی......

زمین پر وقفے وقفے سے جب مختلف مقامات پر سیلاب آئیں گے تو زمین پر موجود بڑے بڑے پہاڑ پانی میں ڈوب جائیں گے......

ہر طرف پانی ہی پانی ہوگا......

آبادیوں کو سمندر نگل لے گا......

طوفانِ نوح کے وقت آدم زاد نے خالق کائنات سے بغاوت کردی تھی...... دولت پرستی عام ہوگئی تھی......یقین ہزاروں پردوں میں چھپ گیا تھا......لوگوں نے قدرت کے رازوں میں دخل دینا شروع کردیا تھا...... بے چین وبیقرار انسان سے چین روٹھ گیا تھا......خودغرضی عام ہوگئی تھی......اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا تھا......اخلاص کا یہ مطلب لیا جاتا تھا کہ دوسرا آدمی ہمارے کام

آئے، ہم کسی کے کام آئیں یا نہ آئیں......

لوگوں کو زرخرید غلام بنانا عام روش تھی...... زمین کے اوپر امن کے نام پر فساد پھیل گیا تھا...... بیماریاں عام ہوگئی تھیں...... ہر شخص اپنی بات منوانے پر بضد تھا......

طوفانِ نوح سے پہلے جو حالات تھے، آج کے دور میں شباب پر ہیں......آج پھر زمین کراہ رہی ہے...... وہ اب فساد، بغض، لالچ، خودغرضی، قتل وغارت گری اور دولت پرستی کے عذاب کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہے...... زمین خود کو سڑے ہوئے اجسام سے پاک کرنا چاہتی ہے......

تاریخ خود کو دہراتی ہے......اب دنیا پھر طوفانوں کی زد میں ہے......

اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خودغرضی کے خول سے باہر نکل آئے......دوسرے آدمیوں کو اپنی طرح کا آدمی سمجھے......حرص وہوس اور لالچ سے خود کو آزاد کرے......توبہ واستغفار کرکے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی جائے...... ایثار وخلوص کی قدریں بحال ہوجائیں......اللہ تعالیٰ کو ہی رازق سمجھا جائے...... عریانی، فحاشی، جسم فروشی اور طاقتوروں کی جانب سے کمزور اور مجبور انسانوں کے ساتھ توہین آمیز رویے سے اجتناب کیا جائے......

پیغمبرانہ طرزِ فکر کو اپنا کر توحید ورسالت کے روشن ومنور راستے پر قدم بہ قدم آگے بڑھا جائے......



حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ حاضر ہوا کرتے تھے...... نیک وبد، پارسا و گنہگار...... حضرت عیسیٰؑ ہر ایک کے ساتھ محبت کا سلوک کرتے......انہیں اچھی بات کی نصیحت کرتے...... انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے...... مذہبی پیشواؤں نے اعتراض کیا کہ یہ تو گنہگاروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں......

حضرت عیسیٰؑ نے ان سے سوال کیا......

تم میں کون ایسا ہے...... کہ جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور جب ان میں سے ایک بھیڑ کھو جائے تو ننانوے بھیڑوں کی فکر چھوڑ کر گمشدہ بھیڑ کو ڈھونڈتا نہ رہے؟......اس وقت تک جب تک وہ مل نہ جائے اور جب وہ گمشدہ بھیڑ مل جائے تو وہ خوشی کے مارے اسے اپنے کندھوں پر نہ اٹھالے...... پھر گھر پہنچ کر اپنے دوستوں، عزیزوں سے یہ نہ کہے کہ میرے ساتھ خوشی مناؤ کہ میری

کھوئی ہوئی بھیڑ مل گئی ہے!......

میں تم سے کہتا ہوں کہ ننانوے لوگوں کی نسبت جو توبہ نہیں کرتے ایک توبہ کرنے والے گنہگار بندے کیلئے آسمان پر زیادہ خوشی منائی جاتی ہے یا پھر تم مجھے بتاؤ کہ کونسی ایسی عورت ہے، جس کے پاس اگر دس درہم ہوں اور ان میں سے ایک کھو جائے تو وہ گھر میں چراغ جلا کر جھاڑو نہ دے...... اور جب تک وہ گمشدہ درہم اسے مل نہ جائے وہ اسے ڈھونڈتی نہ رہے...... پھر جب اسے درہم مل جاتا ہے تو وہ اپنی پڑوسنوں سے یہ کہتی نہ پھرے کہ میرے ساتھ خوشی مناؤ کہ میرا گمشدہ درہم مجھے واپس مل گیا ہے۔

اسی طرح میں تم سے کہتا ہوں کہ...... ایک توبہ کرنے والے گنہگار کی توبہ سے خدا آسمان پر فرشتوں کے سامنے خوشی کا اظہار کرتا ہے......

زلزلے اور آفات کی وجوہات

روحانیت ایک علم ہے!...... جو مادی آنکھ سے نظر نہیں آتا......

روحانیت پڑھائی جاتی ہے...... لیکن کاغذ اور قلم سے نہیں......

روحانیت تھیوری کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل بھی ہے...... لیکن پریکٹیکل کیلئے بظاہر کوئی لیب نہیں ہے......

روحانیت ایک مکمل تجرباتی علم ہے......

اس Knowledge کے حصول کے لئے لیبارٹری انسٹرومنٹس، مائکرواسکوپ، گیس ہیٹر، فنل، جار، اسپرٹ اور دوسرے کیمیکلز کا سہارا نہیں لیا جاتا......

ہم جب یہ کہتے ہیں کہ روحانیت ایک نادیدہ مربوط علم ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ علم انسانی شعور سے ماوراء ہے...... لیکن انسانی شعور اسے سمجھتا ہے اور کسی حد تک بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے......

انسان دُنیوی علوم سیکھ کر تجربہ کرتا ہے...... اور تجربہ کی بنیاد پر نئے نئے فلسفے بنتے ہیں......

اسی طرح روحانی انسان شعوری حدوں سے گزر کر لاشعور میں داخل ہونے کے بعد علم سیکھتا ہے...... اور مشاہدات کی بنیاد پر اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ ہر انسان میں دیکھنے، سمجھنے محسوس کرنے اور مفہوم اخذ کرنے کی دو صلاحیتیں ہیں......

ہر صلاحیت ایک حواس ہے...... یعنی صلاحیت اور حواس دونوں لازم و ملزوم ہیں......

ہمارے حواس ہر چیز کو مادی آنکھ سے دیکھتے ہیں...... لیکن دیکھتے اور سمجھتے وقت ہم اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں کہ مادی حواس تغیر و تبدل کا ایک پورا نیٹ ورک ہے......

ایک آدمی بغیر عینک کے دھوپ کو سفید دیکھتا ہے...... وہی آدمی جب نیلے رنگ کی عینک لگا لیتا ہے تو اسے دھوپ اور ہر سفید چیز نیلی نظر آتی ہے......

نیلے گلاسز اتار کر جب وہی انسان سرخ رنگ گلاسز کی عینک لگاتا ہے تو اسے وہ سفید چیز جو نیلی نظر آ رہی تھی، سرخ نظر آتی ہے...... اور جب وہ عینک اتار کر دیکھتا ہے تو وہی چیز جو نیلی اور

سرخ نظر آرہی تھی، اس کو سفید نظر آتی ہے......

یہ اس بات کی علامت ہے کہ حواس جو کچھ دکھا رہے ہیں، انکی حقیقت تغیر کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ہر انسان کے دو وجود یا دو جسم ہیں...... ایک وجود جو ہمیں نظر آتا ہے...... وہ کہتا ہے کہ میں با اختیار ہوں...... لیکن اسی وجود کو اگر پیاس نہ لگے تو پانی نہیں پیتا...... اگر بھوک نہ لگے تو کھانا نہیں کھاتا......

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مادی وجود کے علاوہ جو جسم یا وجود ہے وہ ہمیں بتاتا ہے کہ پانی پیو!...... اور کہتا ہے کہ کھانا کھاؤ...... چھپے ہوئے جسم کی معرفت اگر ہمیں پیاس اور بھوک کا احساس منتقل نہ ہو تو ہم کھانا نہیں کھا سکتے، پانی نہیں پی سکتے، مفہوم یہ ہے کہ ہمارا مادی وجود تابع ہے باطنی وجود کے...... اور جب باطنی وجود مادی وجود سے رشتہ منقطع کر لیتا ہے تو بھوک پیاس کی اطلاع ہمیں نہیں ملتی......

قانون یہ بنا کہ مادی وجود کھانا نہیں کھاتا، پانی نہیں پیتا...... اگر مادی وجود کھانا کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے تو مرنے کے بعد بھی اسے کھانا پینا اور چلنا پھرنا چاہیئے......

جس طرح ہر انسان کے دو وجود یا جسم ہیں اسی طرح کائنات میں موجود ہر مخلوق کے دو وجود ہیں

زمین بھی ایک مخلوق ہے!...... اس کے بھی دو وجود یا دو جسم ہیں......

جس طرح مادی وجود میں مختلف گیسز کا عمل دخل ہے...... یا مادی وجود کی وریدوں اور شریانوں میں خون دوڑ رہا ہے...... اسی طرح زمین کے مادی وجود میں بھی گیسز کا براہِ راست عمل دخل ہے اور زمین کی وریدوں اور شریانوں میں بھی انرجی، توانائی اور پانی دوڑ رہا ہے......

ہمارا دوسرا جسم لاشعور!...... جب زمین کو دیکھتا ہے تو زمین پپیتے کی طرح نظر آتی ہے، گیند کی طرح نظر نہیں آتی...... لاشعور دیکھتا ہے کہ زمین کے اوپر جو آبادیاں ہیں...... وہ مستقل نہیں ہیں...... ہر وقت ان میں تغیر واقع ہوتا رہتا ہے......

لاشعور دیکھتا ہے کہ پپیتے کی طرح زمین پر گول کڑوں (Ring) کی طرح پہاڑ ہیں......

گول کڑوں (Ring) کی طرح پہاڑوں نے زمین کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے...... زمین مسلسل محوری اور طولانی گردش میں سفر کر رہی ہے...... اس گردش کو پہاڑ کے گول کڑے کنٹرول کرتے

ہیں...... یہ پہاڑ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں......

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

''بھلا کیا نگاہ نہیں کرتے اونٹوں کی تخلیق پر...... اور آسمان پر کیسا بلند کیا...... اور پہاڑ پر کیسے کھڑے کئے ہیں...... اور زمین پر کیسی صاف بچھائی''۔

(سورۃ الغاشیہ۔ آیت 17-20)

''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا...... اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا''......

(سورۃ النباء۔ آیت 6-7)

ہم نے جب ٹی وی، ریڈیو اور دوسرے ذرائع سے یہ خبر سنی کہ اسلام آباد، ایبٹ آباد، مانسہرہ، مظفر آباد، بالاکوٹ، باغ اور مضافاتی قصبات میں بھونچال آ گیا ہے اور ہر طرف تباہی پھیل گئی ہے...... پورے پورے شہر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہیں...... محلات اور مکانات زمین بوس ہو گئے ہیں...... ان محلات اور مکانات میں موجود قیمتی اشیاء، زر و جواہر اور مکین ملبے میں دب گئے ہیں...... ہر طرف آہ و بکا ہے...... شور و غل ہے...... زندگی ڈوب گئی ہے...... موت رقص کر رہی ہے...... مائیں بچوں سے جدا ہو گئیں...... بچے ماں باپ سے محروم ہو گئے......

یہ خبر سن کر آنکھیں پھیل گئیں...... جسم لرزنے لگا...... دل ڈوب ڈوب گیا......

زندہ بستیوں میں بھی خوف کا سناٹا چھا گیا...... اس وحشت ناک خبر سے حواس گم ہو گئے...... شعور ٹوٹ گیا...... اور ایک مدہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی...... سیکنڈوں منٹوں میں آباد شہر ویران ہو گئے...... زمین بنجر بن گئی...... پہاڑ ٹوٹ کر بکھر گئے...... اور زمین نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا...... آسمان اتنا زیادہ رویا کہ زمین دریا بن گئی......

دماغ میں اسپارک ہوا کہ کسی ایسے آدمی سے رابطہ کیا جائے جو اپنے باطنی وجود کے ساتھ ساتھ زمین کی زندگی سے بھی واقف ہو......

تلاش ایک عمل ہے جس کا نتیجہ حصول ہے...... بالآخر ایک ایسے بندے سے ملاقات ہوئی جو حیات و ممات کے رموز سے واقف ہے......

بہتی آنکھوں...... روتے دل...... پاش پاش جگر...... اور غمزدہ حواس کے ساتھ اس بندے سے پوچھا کہ یہ سب کیا ہے؟...... کیسے ہو گیا؟......

اللہ تعالیٰ کی اتنی مخلوق زیر زمین نہیں برزمین موت کی نیند سوگئی...... درخت جڑوں سے اُکھڑ گئے ...... جانور مر گئے...... آبشاروں اور چشموں نے راستے تبدیل کر لئے ...... پہاڑوں میں دڑاریں آگئیں ...... دیکھتے ہی دیکھتے روشنیاں تاریک ہوگئیں ...... زندگی موت بن گئی......اور موت تعفن میں تبدیل ہوگئی......

آخر یہ سب کیوں ہوا؟...... کیسے ہوا؟......

اس بندے نے بتایا کہ...... میں نے زمین سے سوال کیا......

اے ماں!......

تو نے ہمیں پیدا ہونے کے بعد سہارا دیا...... تو نے ہر قسم کے وسائل فراہم کئے...... ہمارے آسائش وآرام کیلئے تو نے ہمیں وہ سب کچھ دیا...... جس کی ہمیں ضرورت تھی......

اے زمین تو نے ہمیں کھانے کیلئے پھل دیئے......اپنی کوکھ سے ہمارے لئے اناج اگایا......

ہم اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں تھے، تو نے ہمیں طاقت اور توانائی عطا کی......

ہم تیری پشت پر دندناتے پھرتے رہے اور تو نے سب کچھ برداشت کر کے ہمیں پروان چڑھایا...... ہم جوان ہوئے ...... اور تیری کوکھ سے غذا اور توانائی حاصل کر کے ہم نے شادیاں کیں ...... ہمارے بچے ہوئے...... وہ بچے بھی تو نے پروان چڑھائے......

اے ہماری ماں زمین!......

تو اتنی اچھی ہے کہ تو نے ہماری گندگی اور تعفن کو بھی سمیٹ کر اپنے اندر چھپالیا اور ہمیں مرنے کے بعد بھی بے آبرو نہیں ہونے دیا......

پھر یہ سب کیوں ہوا؟......

تو نے کیوں اپنے آپ کو الٹ دیا...... کیوں تو نے اپنی بانہیں اس طرح کھول دیں کہ ہم تیرے بچے تیری آغوش میں آرام پانے کے بجائے تیرے اندر غرق ہوگئے......

زمین نے جب یہ بات سنی تو زمین رونے لگی......

ہچکیاں بندھ گئیں...... ہچکولے کھانے لگی......اور اس نے کہا......

اے میرے بچو!

میں بھی تمہاری طرح کا ایک وجود ہوں...... جس طرح تمہارے دو وجود ہیں اسی طرح میرے بھی دو وجود ہیں...... جس طرح تمہارے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں......اور جس

طرح تمہارے جسم میں سرانڈ پھیل جاتی ہے اور جس طرح تمہارے جسم زہریلے ہوجاتے ہیں...... اسی طرح میرے ظاہر وجود میں بھی تمہارے برے اعمال سے......خودغرضی سے...... حق تلفی سے ...... اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے ......اور دولت پرستی سے داغ پڑ گئے ہیں...... زخم ناسور بن گئے ہیں...... جب ایسا ہوا تو میں بیمار ہوگئی......

میرے بچو!......

یہ دنیا Frequency کے نظام پر چل رہی ہے......

فریکوئنسی سے مراد Vibration ہے...... وائبریشن انسان میں بھی ہے...... وائبریشن درختوں میں بھی ہے ...... پہاڑ بھی وائبریشن پر قائم ہے......اور میں بھی وائبریشن کی پابند ہوں......

وائبریشن میں اعتدال ہوتا ہے تو ہر چیز ٹھیک ٹھیک چلتی ہے اور جب وائبریشن میں خلل واقع ہوتو ہر چیز بے ہنگم ہوجاتی ہے...... وائبریشن ضرورت سے زیادہ کم ہوجائے تو جمود طاری ہوجاتا ہے......وائبریشن ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے تو تباہی پھیل جاتی ہے......

بربادی زمین پر اپنا ڈیرہ جمالیتی ہے......

دنیا میں کہیں بھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے...... وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو...... فریکوئنسی کے نظام میں مقداروں کی بے اعتدالی کی وجہ سے ہوتا ہے......

میرے بچو!......

کائنات اور ہماری دنیا اور ہماری دنیا کی طرح بے شمار دنیائیں ایک سسٹم کے تحت چل رہی ہیں...... ہر فرد کی اپنی ڈیوٹی ہے...... کہ اس نظام کو صحیح طریقے سے چلائے......سورج کی اپنی ڈیوٹی ہے......چاند کی اپنی ڈیوٹی ہے......ہوا کی اپنی ڈیوٹی ہے...... بہتے سمندر اور سبک خرام دریاؤں کی اپنی ڈیوٹی ہے......زمین کی اپنی ڈیوٹی ہے اور انسانوں کی اپنی ڈیوٹی ہے......

جب زمین پر بے انصافی، حق تلفی، حسد، لالچ، خودغرضی، دولت پرستی، غرور وتکبر اور اللہ تعالیٰ سے انحراف اتنا زیادہ ہوجاتا ہے کہ سسٹم میں اعتدال قائم نہ رہے تو سسٹم ٹوٹ جاتا ہے......

اور سسٹم ٹوٹنے کیلئے آندھیاں چلتی ہیں......طوفان آتے ہیں...... ہریکین......ٹائیفون...... اور سونامی (سمندری زلزلے) آتے ہیں......

قوموں کے عروج و زوال اور عذاب و ثواب میں یہ قانون کارفرما ہے کہ قومیں جب تک قدرت کے بنائے ہوئے فارمولوں کے مطابق زندگی گزارتی ہیں......اپنے اور دوسرے کے

حقوق کی پاسداری کرتی ہیں...... اپنے وطن اور اپنی زمین سے محبت کرتی ہیں...... انسان کی قدر کم نہیں ہوتی...... قدرت ان کی مدد کرتی ہے......

(جبکہ آج صورتحال یہ ہے کہ......

۱۔ زمین کی قیمت زیادہ ہے اور انسان کی قیمت کم ہے......

۲۔ ایک بھائی کا بچہ ڈھائی ہزار ماہانہ فیس پر پڑھتا ہے اور دوسرے سگے بھائی کا بچہ اس لئے اسکول نہیں جاتا کہ اس کے پاس اسکول کی یونیفارم اور کتابیں خریدنے کیلئے پیسے نہیں ہیں......

۳۔ ہر امیر ہمارا رشتہ دار ہے...... اور ہر غریب کسمپرسی میں زندگی گزار رہا ہے......

۴۔ انسان اپنے نفع کیلئے دودھ میں ملاوٹ کرتا ہے...... مرچ مصالحہ میں ملاوٹ کرتا ہے...... گھی میں گریس ملاتا ہے...... پیٹرول میں ملاوٹ کرتا ہے...... دواؤں میں ملاوٹ کرتا ہے...... اور اس کو کامیاب زندگی قرار دیتا ہے......)

☆☆☆

جب کوئی قوم اپنی زمین اور اپنے وطن سے محبت نہیں کرتی تو دراصل وہ زمین کے تحفظات سے خود کو دور کرتی ہے...... اور اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتا......

جب کوئی قوم الٰہی قوانین سے انحراف کرتی ہے تو دراصل وہ قدرت کے کاموں میں دخل اندازی کرتی ہے......

قدرت اس کو سسٹم سے باہر پھینک دیتی ہے...... زمین تو محفوظ رہتی ہے...... لیکن آدم زاد ہلاکت کے گہرے گڑھوں میں دفن ہوجاتا ہے......

یہ بات کون نہیں جانتا؟...... کون ہے جو برملا اس بات سے انکار کرسکے؟...... کس کی جرأت ہے کہ وہ اس بات کو رَد کردے؟...... کہ آج کے دور میں دولت پرستی عام ہوگئی ہے!......

دولت پرستی شرک ہے!...... اور شرک اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتے ...... اللہ تعالیٰ غفار الذنوب ہیں...... گناہ معاف کردیتے ہیں...... لیکن شرک معاف نہیں کرتے......

مادّی استحکام کیلئے انسانی قدریں پامال ہورہی ہیں...... ہر فنا ہوجانے والی چیز پر بھروسہ کرلیا گیا...... عارضی آسائش و آرام اور زر پرستی زندگی کا مقصد بن گیا ہے......

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے اختلاف...... تفرقے بازی...... زمین پر فساد...... قدرت سے انحراف ہے......

قدرت سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قدرت کا تعاون نہیں چاہتا......

خود غرضی عام ہوگئی ہے...... واعظوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کاروبار بنالیا ہے...... ہر آدمی صالح بن گیا ہے...... کسی کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہے...... ہر آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے کی اصلاح ہوجائے...... کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ سے معاشرہ زہرناک بن گیا ہے...... ترقی کے فسوں میں ہر آدمی بیمار ہے...... لوٹ کا بازار گرم ہے...... کوئی جادو کے نام پر لوٹ رہا ہے اور کوئی سحر کے نام پر لُٹ رہا ہے...... زندگی ٹوٹ رہی ہے...... بکھر رہی ہے......

یاد رکھیے!...... ہر شے چاہے وہ ریت کا ذرہ ہی کیوں نہ ہو...... شعور رکھتی ہے...... زندگی مقداروں سے مرکب ہے...... اور مقداروں کا نظام براہِ راست قدرت کے ہاتھ میں ہے......

جب قدرت ناراض ہوجاتی ہے تو نظام ٹوٹ جاتا ہے...... نظام توڑنے کیلئے قدرت کیا طریقے اختیار کرتی ہے، یہ اس کا اپنا انتخاب ہے...... آندھی کے ذریعے ...... ہوا یا پانی کے طوفان کے ذریعے...... چنگھاڑ کے ذریعے ...... یا زلزلے کے ذریعے......

آیئے!...... ہم سب استغفار پڑھیں...... حق تلفی نہ کریں...... اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور عہد کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں گے اور کائناتی سسٹم کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے......

☆☆☆

بچے، جوان، بوڑھے، مرد حضرات اور خواتین نے جس طرح اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کی ہے اور ان کے دکھ درد اپنا دکھ درد سمجھا ہے...... یہ بہت روشن مثال اور اعلیٰ کردار ہے......

اس عظیم حادثہ میں جس طرح پورا پاکستان ہم ذہن اور متحد ہوگیا ہے، یہ عمل ملک وقوم کے عروج کی طرف راہنمائی کرتا ہے...... زندہ اور آزاد قومیں، ناگہانی آفات اور مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہیں...... اور ملک وقوم کی ترقی کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردینے کا حوصلہ رکھتی ہیں......

پاکستانی افواج بلاشبہ قابلِ تحسین ہیں...... کہ انہوں نے بڑے بڑے خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مصیبت زدہ اور معذور افراد کی خدمت کی ہے...... افواجِ پاکستان اور پاکستانی عوام کے اس منظم ایثار سے پوری قوم کا حوصلہ بلند ہوا ہے اور عزم میں استحکام پیدا ہوا ہے......

اللہ تعالیٰ سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور شہید ہونے والوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے......

ہمیں یقین ہے کہ پوری قوم اپنے بے گھر، بے آسرا بہن بھائیوں کی فلاح و بہبود اور ان کے آباد ہونے تک انشاءاللہ اسی ایثار اور جذبہ سے کام کرتی رہے گی......

آمین یارب العالمین......

☆☆☆☆

آفاتِ ارضی وسماوی سے محفوظ رہنے کیلئے رات کو سونے سے پہلے اوّل وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ سورۃ الزلزال (سورہ نمبر 99، پارہ تیس) گیارہ مرتبہ پڑھ کر پہلے شمال کی طرف پھر جنوب کی طرف پھر مشرق کی طرف اوراس کے بعد مغرب کی طرف پھونک ماردیں......

اور بلند آواز سے نومرتبہ اللہ اکبر پڑھ کرسو جائیں......

فجر کی نماز کے بعد سومرتبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نصر من اللہ وفتح قریب

پڑھ کراپنے اوپردم کریں......اور ہرقسم کے حادثات، آندھی، طوفان، سیلاب اور زلزلے کی تباہی سے محفوظ رہنے کیلئے اپنے لئے، اپنے بھائیوں کیلئے، اپنی قوم اور اپنے ملک کیلئے دعا کریں......دعا کے بعد تین دفعہ آمین کہیں......

آمین......آمین......آمین

آفات ارضی وسماوی سے حفاظت کے لئے 9انچ چوڑے اور 2انچ لمبے سفید آرٹ پیپر کے اوپر سیاہ چمکدار روشنائی سے بہت خوبصورت لکھ کر یا کمپوز کر کے یہ نقش اپنے گھر میں مین دروازے کے اندر کی جانب چھت کے نیچے دیوار پر آویزاں کردیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

يَا حَفِيْظُ يَا حَفِيْظُ يَا حَفِيْظُ

يَا بَدِيْعُ يَا بَدِيْعُ يَا بَدِيْعُ

يَا بَدِيْعُ الْعَجَائِبِ بِالْخَيْرِ يَا بَدِيْعُ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہرقسم کی آفات سے حفاظت ہو۔آمین......یہ نقش دیوار پرآویزاں کرنے کے بعد کم ازکم گیارہ روپے اللہ کے نام خیرات کردیں۔

یہ وقت بھی گزر جائے گا

کہتے ہیں کہ کسی ملک پر ایک نہایت سمجھدار بادشاہ حکومت کرتا تھا، ایک مرتبہ اس نے اپنے ملک کے تمام مفکروں اور دانشوروں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا مشورہ یا مقولہ ہے کہ جو ہرقسم کے حالات میں کام کرے، الگ الگ صورتحال اور مختلف اوقات میں اس ایک مقولے سے رہنمائی مل جائے......کوئی ایسا مشورہ......؟ جب میرے پاس کوئی مشورہ دینے والا موجود نہ ہو تب مجھے صرف اس ایک بات یا مقولے سے رہنمائی مل سکے......؟

تمام دانشور بادشاہ کی اس خواہش کو سن کر پریشان ہوگئے کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جو کہ ہروقت، ہرجگہ کام آئے......؟ اور جو ہرقسم کی صورتحال، خوشی، غم، الم، آسائش، جنگ وجدل، ہار، جیت، غرض یہ کہ ہرجگہ مفید ثابت ہو......؟

کافی دیر آپس میں بحث ومباحثہ کے بعد ایک سن رسیدہ مفکر نے ایک تجویز پیش کی جسے تمام دانشوروں نے پسند کیا اور وہ بادشاہ کے دربار میں دوبارہ حاضر ہوگئے......

عمر رسیدہ مفکر نے بادشاہ کی خدمت میں ایک لفافہ پیش کیا اور کہا کہ اس لفافے میں وہ مقولہ موجود ہے، جس کی خواہش آپ نے کی تھی......لیکن شرط ہے کہ آپ اس لفافے کو صرف اس وقت کھول کر دیکھیں گے جب آپ بالکل تنہا ہوں اور آپ کو کسی کی مدد یا مشورہ درکار ہو......

بادشاہ نے یہ تجویز مان لی اور اس لفافے کو نہایت احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا......

کچھ عرصے کے بعد کسی دشمن ملک نے اچانک بادشاہ کے ملک پر حملہ کردیا......حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ بادشاہ اور اس کی فوج بری طرح شکست سے دوچار ہوئی......ایک ایک سپاہی نے بادشاہ کے ساتھ مل کر اپنے ملک کے دفاع کی سرتوڑ کوشش کی لیکن بالآخر اُنہیں جنگ کے محاذ سے پسپائی اختیار کرنی پڑی......

دشمن فوج کے سپاہی بادشاہ کو گرفتار کرنے کیلئے چپہ چپہ چھاننے لگے......بادشاہ اپنی جان بچانے کیلئے بھاگتے بھاگتے ایسے پہاڑی مقام پر پہنچ گیا کہ جہاں ایک طرف گہری کھائی تھی اور دوسری جانب دشمن کے سپاہی اس کا پیچھا کرتے ہوئے قریب سے قریب تر ہوتے جارہے تھے

......

اس صورتحال میں بادشاہ کو اچانک اس لفافے کا خیال آیا جو کہ اسے عمر رسیدہ دانشور نے دیا تھا......اس نے فوراً اپنی جیب سے وہ لفافہ نکال کر کھولا، اس میں ایک کاغذ تھا، جس پر لکھا تھا کہ......"یہ وقت بھی گزر جائے گا"......

بادشاہ نے حیران ہو کر تین چار مرتبہ اس تحریر کو پڑھا......

اسے خیال آیا کہ یہ بات تو بالکل صحیح ہے......ابھی کل تک وہ اپنی سلطنت میں نہایت سکون کی زندگی گزار رہا تھا اور زندگی کا تمام عیش و آرام اسے میسر تھا......جبکہ آج وہ دشمن کے سپاہیوں سے جان بچانے کیلئے دشوار گزار راستوں پر بھاگتا پھر رہا ہے......؟

جب آرام و عیش کے دن گزر گئے تو یقیناً یہ وقت بھی گزر جائے گا......!

یہ سوچ کر اس کی بے چین کیفیت کو قرار آ گیا اور وہ پہاڑ کے آس پاس کے قدرتی مناظر کو دیکھنے لگا......

کچھ ہی دیر میں اسے گھوڑوں کے سموں کی آوازیں معدوم ہوتی محسوس ہوئیں، شاید دشمن کے سپاہی کسی اور طرف بڑھ گئے تھے۔

بادشاہ ایک بہادر انسان تھا...... جنگ کے بعد اس نے اپنے ہمدردوں اور وفاداروں کا کھوج لگایا، جو آس پاس کے علاقوں میں چھپے ہوئے تھے......اپنی بچی کچھی قوت کو جمع کرنے کے بعد اس نے دشمن پر حملہ کیا، کئی حملوں کے بعد انہیں شکست دے دی اور اپنے وطن سے اُنہیں نکال دیا......

جب وہ جنگ جیت کر اپنے دارالحکومت میں داخل ہو رہا تھا تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے استقبال کیلئے جمع تھی......

اپنے بہادر بادشاہ کا خیر مقدم کرنے کیلئے لوگ شہر کی فصیل، گھروں کی چھتوں غرضیکہ ہر جگہ پھول لئے کھڑے تھے اور تمام راستے اس پر پھول نچھاور کرتے رہے...... ہر گلی کونے میں لوگ خوشی سے جھوم رہے تھے اور بادشاہ کی شان میں قصیدے گا رہے تھے...... بادشاہ بھی اپنے فوجی قافلے کے ساتھ بڑی شان سے خوبصورت گھوڑے پر سوار لوگوں کے نعروں کا جواب دے رہا تھا......

اس لمحے اس نے سوچا......! دیکھو! لوگ ایک بہادر کا استقبال کیسے کرتے ہیں۔ میری

عزت میں اب اور اضافہ ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا، طاقتور دشمنوں کو شکست دے کر انہیں فرار ہونے پر مجبور کر دینا کوئی اتنا آسان نہیں تھا اور خصوصاً ایسے حالات میں جب میں خود شکست سے دوچار ہو چکا تھا......

یہ سوچتے سوچتے اچانک اسے؛ عمر رسیدہ مفکر کے دیے ہوئے مقولے کا خیال آ گیا......

"یہ وقت بھی گزر جائیگا"......

اس خیال کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے......اس کا فخر اور غرور ایک ہی لمحہ میں ختم ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اگر یہ وقت بھی گزر جائے گا تو یہ وقت بھی میرا نہیں...... یہ لمحے اور یہ حالات میرے نہیں...... یہ ہار اور یہ جیت میری نہیں...... ہم صرف دیکھنے والے ہیں...... ہر چیز کو گزر جانا ہے اور ہم صرف ایک گواہ ہیں......

حقیقت یہی ہے کہ ہم صرف محسوس کرتے ہیں......زندگی کے لمحات آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں......خوشی اور غم کا بھی یہی حال ہے......اپنی زندگی کی حقیقت کو جانچیں......خوشی، مسرتوں، جیت، ہار اور غم کے لمحات کو یاد کریں......

کیا وہ وقت مستقل تھا؟......

وقت چاہے کیسا بھی ہو، آتا ہے اور چلا جاتا ہے......!

زندگی گزر جاتی ہے...... ماضی کے دوست بھی بچھڑ جاتے ہیں......آج جو دوست ہیں وہ کل نہیں رہیں گے...... ماضی کے دشمن بھی نہیں رہے اور آج کے بھی ختم ہو جائیں گے!......

اس دنیا میں کوئی بھی چیز مستقل اور لازوال نہیں...... ہر شے متغیر ہے......!

ہر چیز تبدیل ہو جاتی ہے لیکن تبدیلی کا یہ قانون نہیں بدلتا......

جب ہم اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ ہر نیا لمحہ ہمارے اندر ایک نیا تغیر پیدا کر رہا ہے...... پیدائش کے بعد بچہ اپنے ماں باپ کا محتاج ہوتا ہے......وہی بچہ پچیس تیس برسوں کے بعد اپنے ماں باپ کا سہارا بن جاتا ہے......!

پچیس برس قبل کا جسم، شعور اور علم، سب کچھ تبدیل ہو گیا......پچیس تیس برس مزید گزریں گے تو یہی نوجوان چہرہ جھریوں زدہ ہو جائے گا......

کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے اس دنیا میں، جس کے اندر تغیر نہیں ہے......؟

آیئے اس حقیقت کو تلاش کرتے ہیں......!

روحانی علوم کی پہلی کتاب میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ گوشت پوست سے مرکب اور رگوں اور پٹھوں سے بنا ہوا پتلا اصل انسان نہیں ہے بلکہ گوشت پوست کا جسم اصل انسان کا لباس ہے......جس طرح گوشت پوست کی حفاظت کیلئے ہم اون کا، کھال کا روئی یا دوسری چیزوں کا لباس پہنتے ہیں، اسی طرح اصل انسان یعنی ہماری روح گوشت پوست کا لباس بناتی ہے......گوشت پوست کا جسم محض ایک لباس ہے اور جس ہستی کو اللہ کریم نے انسان کہا ہے اس کو عرف عام میں ''روح'' کا نام دیا گیا ہے......قاعدے اور قانون کے مطابق اگر کوئی بندہ روحانی علوم سیکھنا چاہتا ہے تو اس کے اندر یہ یقین راسخ ہونا ضروری ہے کہ گوشت پوست کا جسم مفروضہ اور فکشن ہے...... جب یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ گوشت پوست کا جسم لباس ہے، فکشن ہے، فنا ہونے والا ہے تو قدرتی طور پر مفروضہ حواس سے ذہن دور ہونے لگتا ہے اور جب یہ مفروضہ زندگی سے ذہن پلٹتا ہے تو حقیقت کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے......اس لئے کہ حقیقت اور مفروضہ دونوں چیزیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہو سکتیں......مفروضہ حواس اور مفروضہ چیزیں بدلتی رہتی ہیں، ٹوٹتی اور بکھرتی رہتی ہیں، فنا ہوتی رہتی ہیں......لیکن حقیقت نہ بدلتی ہے، نہ ٹوٹتی ہے، نہ بکھرتی ہے اور نہ فنا ہوتی ہے......حقیقت جو قائم بالذات ہے......حقیقت جو اپنے مرکز پر مستقل طور پر رواں دواں ہے، اس انسان کی تلاش سے سامنے آتی ہے جس کو قرآن نے ''روح'' کہا ہے......

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

دل نے چاہا کہ اپنے محسن، اپنے سرتاج، اپنے جسم مثالی، اپنے ہمدرد و غمگسار، رحمتِ پروردگار، نورِ عین، آوازِ حق، اپنی شناخت مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی وہ باتیں آپ کو سناؤں جو باتیں میری زندگی بن گئی ہیں۔

یہ بات اب پردہ نہیں رہی کہ پانچ ہزار ایک سو دس دن رات کو اگر گھنٹوں سے ضرب دیا جائے اور بائیس ہزار چھ سو چالیس گھنٹوں کو منٹ سے ضرب دیا جائے تو ہر منٹ پر ایک بات شاگرد نے اپنے روحانی استاد سے سنی ہو تو تہتر لاکھ اٹھاون ہزار چار سو 73,58,400 باتیں مراد سے مرید کو منتقل ہوئی ہیں۔

یہ سب باتیں اس وقت علم بن جاتی ہیں جب استاد شاگرد کے دماغ کی اسکرین کو واش کر دے......اب اتنی ساری باتیں تو میں اپنے استاد کی آپ کو سنا نہیں سکتا کیونکہ سننے والے دماغ کی اسکرین پر اس سے زیادہ صدیوں پہلے کے نقوش اور تصویریں بنی ہوئی ہیں...... ہاں! ایسی کچھ باتیں ہیں جو آپ کو ضرور سنانا چاہتا ہوں جو اسفل میں گرے ہوئے انسان کو ''احسن تقویم'' بنا سکتی ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

☆ خدا سے محبت کے دعوے کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے اور یہ دعویٰ خدا کی نظر میں اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب ہم خدا کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔

☆ جو کھو دیتا ہے، وہ پا لیتا ہے......اور جو پا لیتا ہے، وہ خود کھو جاتا ہے۔

☆ انسان ایک ایسا کمپیوٹر ہے جس میں بارہ کھرب خلیے (Cells) ہیں۔ موجودہ دور میں اس کمپیوٹر کو چلانے والے خلیوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد دو سو ہے۔

☆ جس کو ہم آسمان جانتے ہیں...... یہ آسمان نہیں خلا ہے۔

☆ زمین پر کوئی ایک چیز بھی بے رنگ نہیں ہے۔

☆ سمتیں چار نہیں چھ ہیں۔

☆ آسمان پر آنکھ جو ستارے دیکھ سکتی ہے ان کی تعداد دس ہزار ہے۔

☆ پوری کائنات طبقاتی تقسیم ہے...... زمین بھی طبقات پر قائم ہے۔

☆ ہر شے خواہ وہ چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی روشنی کے غلاف میں بند ہے اور روشنی کے اوپر نور منڈھا ہوا ہے۔

☆ ازل سے زمین تک آنے میں زمین سے ازل تک پہنچنے میں ہر انسان کو تقریباً سترہ مقامات(Zone) سے گزرنا پڑتا ہے۔

☆ انسان کٹھ پتلی کی طرح ہے، ایک انسان میں بیس ہزار ڈوریاں بندھی ہوئی ہیں۔ ایک ایک ڈوری ایک ایک فرشتے نے سنبھالی ہوئی ہے۔

☆ انسان عالم مثال میں الٹا لٹکا ہوا ہے۔ پیر اوپر سر نیچے ہے۔

☆ زمین پپیتے کی طرح ہے اور Six Dimension Screen ہے۔

☆ زمین محوری اور طولانی گردش میں لٹو کی طرح گھوم رہی ہے۔ زمین دس ہزار سال کے بعد اپنی پوزیشن تبدیل کر دیتی ہے۔ جہاں پانی ہے وہاں آبادیاں بن جاتی ہیں اور آبادیاں زیرِ آب آ جاتی ہیں۔

☆ زمین دراصل آدم و حوا کا وہ شعور ہے جو ارتقا کی طرف گامزن ہے۔

☆ گوشت پوست کا جسم روح کا لباس ہے۔ جب لباس پرانا ہو جاتا ہے یا زیادہ داغ دھبے پڑ جاتے ہیں تو روح لباس کو اتار کر پھینک دیتی ہے۔

☆ اصلی اور حقیقی ماں زمین ہے۔ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے کفالت کرتی ہے اور جب مر جاتا ہے تو سڑاند اور تعفن کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

☆ کسی کو بنانے کیلئے اپنا سب کچھ کھونا پڑتا ہے۔ سچا اُستاد وہ ہے جو شاگرد کی طرزِ فکر اللہ تعالیٰ کی طرزِ فکر کے مطابق بنا دے۔

☆ مال و زر، دولت اور دنیا انسان کیلئے بنائی گئی ہیں...... جبکہ انسان خود کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ مجھے دنیا کیلئے بنایا گیا ہے۔

☆ سخاوت، اعلیٰ ظرف لوگوں کا شیوہ ہے۔

☆ دسترخوان وسیع ہونا چاہیئے۔

☆ کم ظرف دوسروں سے توقعات قائم کرتے ہیں۔

☆ اعلیٰ ظرف لوگ مخلصانہ خدمت کرتے ہیں۔

☆ ماں کی خدمت انسان کو حضرت اویس قرنیؒ بنا دیتی ہے۔

☆ غصہ آگ ہے...... آگ دوزخ ہے۔

☆ بچے اللہ میاں کے باغ کے پھول ہیں۔

☆ بچہ ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے...... استاد تراش خرش کے اسے ہیرا بنا دیتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ باہر نہیں ہر شخص کے اندر ہے۔ جو چیز باہر نہیں ہے اس کو باہر ہزاروں سال بھی ڈھونڈا جائے...... نہیں ملے گی۔

☆ وسائل کیلئے کوشش اور جدوجہد کرو لیکن نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

☆ انتقام، ہلاکت و بربادی ہے۔ عفو درگزر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

☆ ہمارے بچے...... دراصل ہمارا اسلاف ہیں۔ ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ کل یہ بچے اسلاف کے مقام پر فائز ہو جائیں۔

☆ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے...... صبر یہ ہے کہ درگزر کیا جائے۔

☆ جس آدمی میں شک ہے...... قرآن اس پر اپنی حکمت آشکار نہیں کرتا۔

☆ زر و جواہر سے زیادہ کوئی شئے بیوفا نہیں ہے...... جس نے زر و جواہر سے محبت کی وہ ہلاک ہو گیا اور جس نے دولت کو پیروں کے نیچے رکھا وہ ہمیشہ اس کی کنیز بنی رہی۔

☆ جنت اس کی میراث ہے جو خوش رہتا ہے۔ ناخوش آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

☆ مشاہداتی آنکھ دیکھتی ہے کہ موت سے خوبصورت کوئی زندگی نہیں ہے......

☆ ہر انسان کے اندر کم و بیش گیارہ ہزار صلاحیتیں ایسی ہیں جن میں ہر ایک صلاحیت پورا علم ہے۔

☆ انسان ناقابلِ تذکرہ خلا تھا۔ خلا میں روح آئی تو حرکت پیدا ہوئی۔ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے...... اللہ تعالیٰ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے......

☆ انسان نے پہلی آواز اللہ تعالیٰ کی سنی اور پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ ہی سے بات کی...... اس کے بعد وہ پانچ حواس سے واقف ہوا......

☆ دنیا فریب ہے......فریب خوردہ انسان کی ہر بات فریب ہے...... جو لوگ یہ بات جان لیتے ہیں ان کے لئے دنیا سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

☆ متقی لوگوں پر غیب منکشف ہوجاتا ہے۔

☆ یہ کیسی عجیب بات ہے اور حرماں نصیبی ہے کہ ہر مذہب کے پیروکار اللہ تعالیٰ ، رسول، عذاب، ثواب اور جنت دوزخ کا تذکرہ تو کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے راستے پر متحد اور متفق نہیں ہوتے......

☆ دنیا کانٹوں سے بھرا راستہ ہے اور پھولوں کی سیج ہے۔ یہ اپنا اپنا انتخاب ہے۔ کوئی کانٹوں بھری زندگی کو گلے سے لگالیتا ہے اور کوئی خوشیوں سے بھری زندگی میں مگن رہتا ہے......!

☆ ہر آدمی پر سکون اور پر مسرت زندگی اپنا سکتا ہے۔ فارمولا یہ ہے کہ...... جو چیز حاصل ہے اس کو شکر کے ساتھ خوش ہوکر استعمال کیا جائے اور جو چیز حاصل نہیں ہے اس پر شکوہ نہ کیا جائے......اس کے حصول کیلئے تدبیر کے ساتھ دعا کی جائے......

☆ اللہ تعالیٰ سخی ہے......اللہ تعالیٰ خود چاہتے ہیں کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے دستر خوان سے خوش ہوکر کھائے پیئے۔

☆ ہر بیج ہر گٹھلی ازل تا ابد اپنی نوع اپنے خاندان کا ایک ریکارڈ ہے۔

☆ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔

☆ چاند، سورج، ستارے، زمین انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ چونکہ کائنات ایک کنبہ ہے اس لئے سورج کو جب ہم دیکھتے ہیں وہ ہمیں اجنبی نہیں لگتا اور سورج بھی ہمیں کنبہ کا فرد سمجھتا ہے۔

☆ سات آسمان! سات شعور ہیں۔ جو انسان کے اندر ہمہ وقت متحرک رہتے ہیں۔

☆ بچہ جب تک خود کفیل نہیں ہوتا ماں باپ کفالت کرتے ہیں۔ آدمی کتنا بھی بڑا ہوجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے بچہ بن کر رہے......اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کی خود کفالت کرتے ہیں۔

☆ ہم جب پرندوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کی تعداد اربوں کھربوں سے تجاوز کرجاتی ہے اور جب کسان کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ کرم خوردہ اناج بھی جھاڑو سے سمیٹ لیتا ہے۔

پرندے جب بھوک کا تقاضہ رفع کرنے کیلئے زمین پر اترتے ہیں، اس سے پہلے کہ پرندوں کے پنجے زمین پر لگیں قدرت زمین پر پرندوں کیلئے دانہ پیدا کردیتی ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ سلام میں پہل کرے۔ السلام علیکم کا مطلب ہے ''آپ پر سلامتی ہو''۔ سلام میں پہل کرنے والا شخص بلا تخصیص ذات و مراتب دوسروں کے لئے نیک جذبات رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جب تم اپنے ساتھیوں سے ملاقات کرو تو انہیں سلام کرو، ان کی خیریت دریافت کرو''......اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور کہہ دیجئے کہ تمہارے رب نے تم پر مہربانی کرنا اپنے ذمے کرلیا ہے۔''

بچوں کو خود سلام کیجئے کہ تاکہ بچوں کے اندر دوسرے لوگوں کی بھلائی چاہنے کی عادت پختہ ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

''وہ آدمی اللہ سے زیادہ قریب ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔''

(جامع ترمذی، جلد دوم حدیث 590)

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

علم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ شاگرد کے اندر استاد کی اطاعت، فرمانبرداری اور ادب و احترام کا جذبہ کارفرما ہو جب تک شاگرد استاد کی بات پر عمل نہیں کرے گا وہ علم نہیں سیکھ سکتا۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

سلوک کے راستے پر گامزن رہنے کیلئے ضروری ہے کہ علوم کے حصول اور ترقی کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سمجھا جائے۔ روحانی علوم کے انعامات کو اپنی ذاتی کوشش نہ سمجھا جائے۔

باادب بانصیب، بےادب بےنصیب۔ سالک کی زندگی کیلئے مشعل راہ ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

مشن کے فروغ کے لئے ''کبر'' ایسی دیوار ہے جو کسی طرح عبور نہیں کی جاسکتی۔ تکبر شیطانی

وصف ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتا ہے، جب کوئی شخص خود کو دوسرے سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ دراصل ایسے اختلاف کی بنیاد رکھ دیتا ہے جس پر چل کر لوگ منتشر ہوجاتے ہیں۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

بعض مذہبی دانشوروں کا رجحان ہے کہ وہ دوسروں کی تکذیب کرتے ہیں۔ دوسروں میں عیب تلاش کرتے ہیں۔ تعصب کے راستے پر چلتے ہیں...... یہ عمل اسلام میں افتراق پیدا کرتا ہے۔ اس راستہ سے ہمیشہ گریز کرنا چاہیئے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

سالکین کی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ روحانی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی بھی حاصل کی جائے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

تفکر کرنا، کسی ایک نقطے پر ذہن کو مرکوز کرنا اور یکسوئی کیساتھ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرنا مراقبہ ہے۔ انسان کے اندر ساڑھے گیارہ ہزار صلاحیتیں موجود ہیں۔ کسی ایک صلاحیت پر بھی ذہن کو مرکوز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو ڈھونڈنا اور تلاش کرنا مراقبہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین سال تک غارِ حرا میں مراقبہ کیا ہے۔ مراقبہ سے سالک غیر محسوساتی طریقے سے نورِ نبوت اپنے اندر جذب کرنا شروع کردیتا ہے۔ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جس سے اسی وقت فائدہ حاصل ہوتا ہے جب یہ عمل مسلسل کیا جائے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

اسلام، سائنس اور ریسرچ میں کہیں بھی ٹکراؤ نہیں ہے۔ یہ تینوں باہم مربوط ہیں۔ سینکڑوں مسلم سائنسدانوں نے قرآن میں موجود مخفی علوم اور انوار سے استفادہ کرکے سائنسی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قرآن میں تسخیری فارمولوں اور مطالعہ کائنات سے متعلق 756 آیتیں ہیں۔

☆ حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں......

قرآن پاک کے معنی اور مفہوم پر غور کرنے سے بندے کے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں۔ دماغ کے اندر کروڑوں Cells کھل جاتے ہیں اور انسان باطنی دنیا کی

طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ جب کوئی بندہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو دراصل وہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق...... مخلوق سے ایک خاص ربط اور ایک خاص نسبت رکھتے ہیں۔ ہر انسان میں اللہ تعالیٰ کی روح کام کررہی ہے۔ اس لئے کسی شخص کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو کمتر سمجھے۔ تخلیقی پروگرام کے تحت خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں۔ نہ کوئی چھوٹا ہے نہ کوئی بڑا...... تخلیقی پروگرام میں ہر شخص کا ایک خاص کردار متعین ہے۔ خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب ہو۔ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے پہچانتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا عارف ہے۔ ایسا بندہ عوام کی طرح رہتا ہے اور عوام کی خدمت کرتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

قرآن کے علوم اس بندے پر منکشف نہیں ہوتے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں شک ہو۔ قرآن ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو متقی ہیں اور متقی کے دل میں شک نہیں ہوتا۔ سالکان کو عموماً اور عظیمی خواتین حضرات کو خصوصاً اس بات کی مشق کرنی چاہیئے کہ ان کے دل میں شک پیدا نہ ہو۔ جب تک اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پر یقین کامل نہیں ہوگا آپ روحانی علوم نہیں سیکھ سکتے۔ اس لئے کہ قرآن روحانی علوم کا منبع ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صلاحیت دی ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ جس کے تحت وہ اچھائی اور برائی، خیر اور شر میں تمیز کرتا ہے۔ اس صلاحیت کو نورِ باطن یا ضمیر کہتے ہیں۔ ضمیر کی رہنمائی کو قبول کرنے یا رد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بااختیار بنایا ہے۔ اس لئے انسان کو ضمیر کی تحریکات کو سمجھ کر رہنمائی قبول کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔''

(سورۃ الصّف۔آیت 3-2)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق رہنمائی کا فریضہ انجام دینے والا فرد...... انبیاء کی جن تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرتا ہے۔خود اُن تعلیمات پر اس کیلئے عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

عموماً لوگ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کوتاہی کرتے ہیں اور نتیجہ اپنی پسند یا مرضی کے مطابق چاہتے ہیں۔اور جب نتیجہ ان کی مرضی کے مطابق نہیں نکلتا تو کڑھتے ہیں اور شکوہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کسی کام کا عزم مصمم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو۔اللہ تعالیٰ اپنے آپ پر بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' جب بندہ کام کا پختہ ارادہ کر کے بھرپور کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام اچھا ہوتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

بعض لوگ استغنا کا مفہوم غلط بیان کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں! جب اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ دیتا ہے تو کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔اور ایسے لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں۔اس طرح وہ جمود کا شکار ہو جاتے ہیں۔گھر اور معاشرے کے دیگر افراد سے کٹ کر تنہائی اور ویرانے میں رہنا پسند کرتے ہیں۔صحیح بات یہ ہے کہ معاشرے میں بھرپور اور فعال کردار ادا کرنے کے بعد بندے کو جو تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ان تجربات سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین مستحکم ہوتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

آدمی جب غصہ کرتا ہے تو اس کے شعور میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔اعصاب پر تناؤ طاری ہو جاتا ہے۔غصہ کرنے والے افراد جسمانی اور نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔اور غصہ کرنے والے لوگوں کی روحانی ترقی رک جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ غصہ کرنے والے بندوں سے محبت نہیں کرتا۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

سلسلہ عظیمیہ تمام نوع انسانی کو متحد ہو کر ''اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو''

کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

ایک انسان کیا ہے؟......ہم اس کو کس طرح پہچانتے ہیں اور کیا سمجھتے ہیں؟...... ہمارے سامنے گوشت پوست کا بنا ہوا ایک مجسمہ ہے، جو ہڈیوں کے ڈھانچے پر رگ پٹھوں اور کھال سے بنا ہوا ہے۔ہم اس کا نام جسم رکھتے ہیں۔جسم کی حفاظت کیلئے ہم لباس پہنتے ہیں۔یہ لباس کاٹن، اون، ریشم، نائیلون یا کھال سے بنایا جاتا ہے...... یہ لباس گوشت پوست کے جسم کی حفاظت کرتا ہے، لیکن فی الحقیقت اس میں اپنی کوئی زندگی یا اپنی کوئی حرکت نہیں ہوتی، جب یہ لباس جسم پر ہوتا ہے تو جسم کے اعضا کے ساتھ حرکت کرتا ہے۔یعنی لباس کی حرکت جسم کے تابع ہے......اگر جسم یا جسم کے اعضا حرکت نہ کریں تو لباس میں حرکت نہیں ہوتی......

اس بات کو مثال سے سمجھئے......

آپ سیدھے کھڑے ہو جائیے...... ہاتھ ہلائیے......لیکن کوشش کیجئے کہ ہاتھ پر آستین نہ ہلے...... کسی بھی طرح ممکن نہیں کہ ہاتھ کے ساتھ آستین نہ ہلے......پھر سے سیدھے کھڑے ہو جائیے......اب آپ کو یہ کرنا ہے کہ آستین ہلائیں لیکن ہاتھ نہ ہلے...... یہ بھی ممکن نہیں!......اس کا مطلب یہ ہوا کہ لباس کی اپنی کوئی حرکت نہیں ہے...... دراصل لباس جسم کی حفاظت کے لئے یا جسم کی تزئین کیلئے ایک وسیلہ ہے......یعنی یہ لباس جب جسم پر ہے تو جسم کی حرکت اس کے اندر منتقل ہو جاتی ہے......اور اگر اس لباس کو اتار کر کھونٹی پر لٹکا دیا جائے تو اس کی تمام حرکتیں ساکت ہو جاتی ہیں......

اسی بات کو مثال سے دوسری طرح سمجھئے......

ایک آدمی زندہ ہے دوسرا آدمی مر گیا......مرنے کے بعد جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیجئے...... جسم کی اپنی طرف سے کوئی مدافعت نہیں ہوگی......لیکن اگر زندہ آدمی کے سوئی چبھو دی جائے تو اسے اس کا احساس ہوگا......اس کے معنی یہ ہوئے کہ مرنے کے بعد جسم کی حیثیت صرف لباس کی رہ جاتی ہے...... جب مشاہدات اور تجربات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ گوشت پوست کا جسم لباس ہے، اصل انسان نہیں، تو یہ تلاش کرنا ضروری ہو گیا کہ اصل انسان کیا ہے اور کہاں چلا گیا؟ اس صورت میں ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ جو جسم مادی گوشت

پوست کے لباس کو چھوڑ کر کہیں رخصت ہو جاتا ہے، وہ اصل ہے!......

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اس اصل انسان کو "روح" کہا ہے!......اور درحقیقت روح ہی انسان کا اصلی جسم ہے......اور یہی اصلی جسم ان تمام صلاحیتوں کا مالک ہے، جن کو ہم زندگی کہتے ہیں......

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

انسان صرف نیت کے خدوخال کا نام ہے، باقی تمام حرکات روشنیاں ہیں اور روشنیوں کا عمل حرکت ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

پہچاننے کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو دیکھتے ہیں۔ پہلے خود کو جسمانی خدوخال کے ساتھ، فہم و ادراک کیساتھ پہچانتے ہیں، ساتھ ہی اپنے سامنے دوسرے شخص یا دوسری مخلوق کو پہچانتے ہیں......دوسری طرز میں پہچاننا یا جاننا اس طرح ہے کہ انسان کے باطنی رخ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تمام تصویریں محفوظ ہیں، ظاہری وجود میں جب کوئی شکل وصورت ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم اسے باطنی وجود کے طور پر پہچانتے ہیں۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ہر ظاہری رخ باطن کا عکس ہے۔ جب تک کوئی شئے باطنی رخ میں موجود نہیں ہوگی، ظاہری شکل وصورت میں نظر نہیں آئے گی، یعنی سارا کا سارا ظاہری رخ باطنی رُخ کا عکس ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

مذہب اور لامذہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ لامذہبیت انسان کے اندر شکوک وشبہات، وسوسے اور غیر یقینی احساسات کو جنم دیتی ہے......جبکہ مذہب تمام احساسات، خیالات، تصورات اور زندگی کے اعمال کو ایک قائم بالذات اور مستقل ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

موجودات کی زندگی کے تمام اجزاء اور تمام لوازمات ایک بااختیار ایجنسی کے ذریعے موجودات کو منتقل ہو رہے ہیں۔ یہ ایجنسی کے ذریعے یا یہ ہستی مخلوقات کے ارادے اور اختیار کے بغیر انہیں ان گنت وسائل فراہم کر رہی ہے۔ ان وسائل میں سے اگر ایک بھی ہٹا لیا جائے تو زندگی کی گاڑی رُک جائے گی۔ اس ہستی کو جو بھی نام دیا جائے لیکن یہ کہے بغیر

چارہ نہیں ہے کہ اس کی تدبیر و تقدیر میں رحمت کا غلبہ ہے، یہی رحمت ہر جگہ کارفرما ہے اور اگر رحمت نہ ہو تو مخلوقات کی بقا ممکن نہیں۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

جب انسان اپنی مادّی ترقی کے ساتھ ساتھ راست بازی اور حق وصداقت سے دور ہو جاتا ہے، تو انسان کا شعور اس قدر حیران وسرگرداں ہو جاتا ہے کہ اگر اس کو یقین وصداقت کی روشنی نہ دکھائی جائے تو وہ اپنی راہ گم کر دیتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

پہلے انفرادیت ہوتی ہے، پھر انفرادیت سے قبیلے بنتے ہیں، قبیلے جمع ہوں تو قوم بنتی ہے۔ بہت سارے افراد کے جمع ہونے کا نام قبیلہ ہے۔ بہت سارے قبیلوں کے جمع ہونے کا نام قوم ہے اور بہت ساری قوموں کے ایک جگہ جمع ہونے کا نام نوع ہے......انفرادیت Base بن گئی......یعنی فرد ہوگا تو خاندان اور کنبہ بنے گا......بہت سے خاندانوں سے قبیلہ یا برادری بنے گی۔ ایک فرد نے اگر اپنی طرز فکر یہ بنالی کہ اس کی ذات سے کسی دوسرے کی ذات کو تکلیف نہیں پہنچے گی......اس کی دس اولادیں ہوئیں، دس کی دس نہیں تو پانچ تو اس کی طرز فکر پر چلیں گی......اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اچھائی کا ایک دروازہ کھول دیا......پانچ نسلیں اچھی بنیں......

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

جو نور پوری کائنات میں پھیلتا ہے، اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں، جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو ملتی ہیں، ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، محسوس کرنا، خیال کرنا، وہم وگمان وغیرہ وغیرہ......زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے......انسان ہر طرز میں، ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغنیٰ رکھتا ہو۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

وہ لوگ جن کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستگی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے ہر عمل پر اللہ تعالیٰ محیط ہے، جب کسی بندے کے اندر یہ طرزِ فکر پوری طرح قائم ہو جاتی ہے تو روحانیت میں ایسے بندہ کا نام مستغنیٰ ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں......

اس وقت تک تمہیں اپنے نفس کا عرفان نصیب نہیں ہوگا، جب تک تم اپنی انا اور اپنی ذات کی نفی نہیں کردو گے۔ بندہ جب اپنے شعوری علم کی نفی کر دیتا ہے، اس پر لاشعوری علوم کا دروازہ کھول جاتا ہے۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ آج کا انسان مادّی ماحول میں اس قدر کھو چکا ہے کہ مذہب کو بھی، جس کا کام ہی انسان پر باطنی دنیا روشن کرنا ہے، مادّی لذتوں کا وسیلہ بنانے پر بضد ہے۔ مذہب کا نام استعمال کرنے والے تو بہت ہیں، مگر ایمان، یقین اور مشاہدے کی طلب اس دور میں ناپید ہو چکی ہے۔ جب صاحبِ ایمان ہی ناپید ہو جائیں تو ایمان کی طلب کون کرے گا؟......

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

آج کا سائنسدان موجودہ سائنسی ترقی کو نوعِ انسانی کا انتہائی شعور سمجھتا ہے۔ یہ بلاشبہ ایک گمراہ کن سوچ ہے، اسی لئے ہمیں قرآن بتاتا ہے کہ...... انسان کی ترقی حضرت سلیمانؑ کے دور میں اتنی تھی کہ ایک شخص نے جو پیغمبر نہیں تھا، پلک جھپکنے کے وقفے میں ڈیڑھ ہزار میل کے طویل فاصلے سے مادی Form میں تخت منتقل کر دیا تھا...... یہ بات سائنسدانوں کیلئے لمحۂ فکریہ ہے، کیونکہ وہ اتنی ترقی ہوتے ہوئے بھی کسی معمولی سی چیز کو بغیر مادی وسیلہ کے حرکت نہیں دے سکتے......

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں...... سماعت میں نے دی ہے، بصارت میں نے دی ہے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ اطلاع میں نے دی ہے۔ ہم عام حالات میں جس قدر اطلاعات وصول کرتے ہیں، ان کی نسبت تمام دی گئی اطلاعات کے مقابلے میں کیا ہے؟...... شاید صفر سے ملتی جلتی ہو، وصول ہونے والی اطلاعات اتنی محدود ہیں جن کو ناقابلِ ذکر کہیں گے...... اگر ہم وسیع تر اطلاعات حاصل کرنا چاہیں تو اس کا ذریعہ بجز علومِ روحانی کے کچھ نہیں اور علومِ روحانی کیلئے ہمیں قرآن پاک سے رجوع کرنا پڑے گا۔

☆ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا......

آج کی نسلیں گزشتہ نسلوں سے زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہونے پر مجبور ہوں گی۔ نتیجہ میں نوعِ انسانی کو کسی نہ کسی وقت نقطۂ توحید کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ موجودہ دور کے مفکر اور سائنٹسٹ کو چاہیئے کہ وہ وحی کی طرزِ فکر کو سمجھے اور نوعِ انسانی کی غلط رہنمائی سے دستِ کش ہو جائے۔

سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے چند فرمودات آپ نے پڑھے...... ان فرمودات کو لکھنے کی سعادت اس لئے حاصل کی گئی کہ ہم کھلے ذہن وفکر کے ساتھ ان سے استفادہ کریں۔

اولیاء کرام اور عارف باللہ خواتین وحضرات کشف والہام سے وابستہ ہوتے ہیں...... عبادت وریاضت اور مراقبہ کے ذریعے کشف والہام کی طرزیں ان کے ذہنوں میں اتنی مستحکم ہو جاتی ہیں کہ مظاہر کے پس پردہ کام کرنے والے حقائق ان پر منکشف ہو جاتے ہیں...... اور ان کا ذہن مشیتِ الٰہی کے اسرار ورموز کو دیکھتا اور سمجھتا ہے...... ایسے بزرگوں کی گفتگو علم وعرفان کے اسرار ورموز سے معمور ہوتی ہے...... اور ہر لفظ میں معرفت اور حکمت ودانائی مخفی ہوتی ہے...... ان حضرات کی گفتگو اور فرمودات پر یکسوئی کے ساتھ تفکر کیا جائے تو کائنات کی ایسی حقیقتیں آشکار ہوتی ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اس امانت سے روشناس کرا دیتی ہیں جس کو سماوات، ارض اور جبال نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے...... اس لئے کہ اس کے بوجھ سے ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے......

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے فرمودات میں حکمت ودانائی اور حقیقت تلاش کرنے کے لئے طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک ایک فرمان کو توجہ کے ساتھ پڑھیں اور آنکھیں بند کر کے اس کے معنی اور مفہوم پر غور کریں۔ یعنی فرمودات کے اندر جو حقیقتیں مخفی ہیں اور اسرار ورموز کا جو سمندر پنہاں ہے، اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں...... ان اسرار ورموز کا ادراک مراقبہ کے ذریعہ ممکن ہے۔